نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والوں کی زندگی کے حالات وواقعات

نبوت کے جھوٹے دعویدار

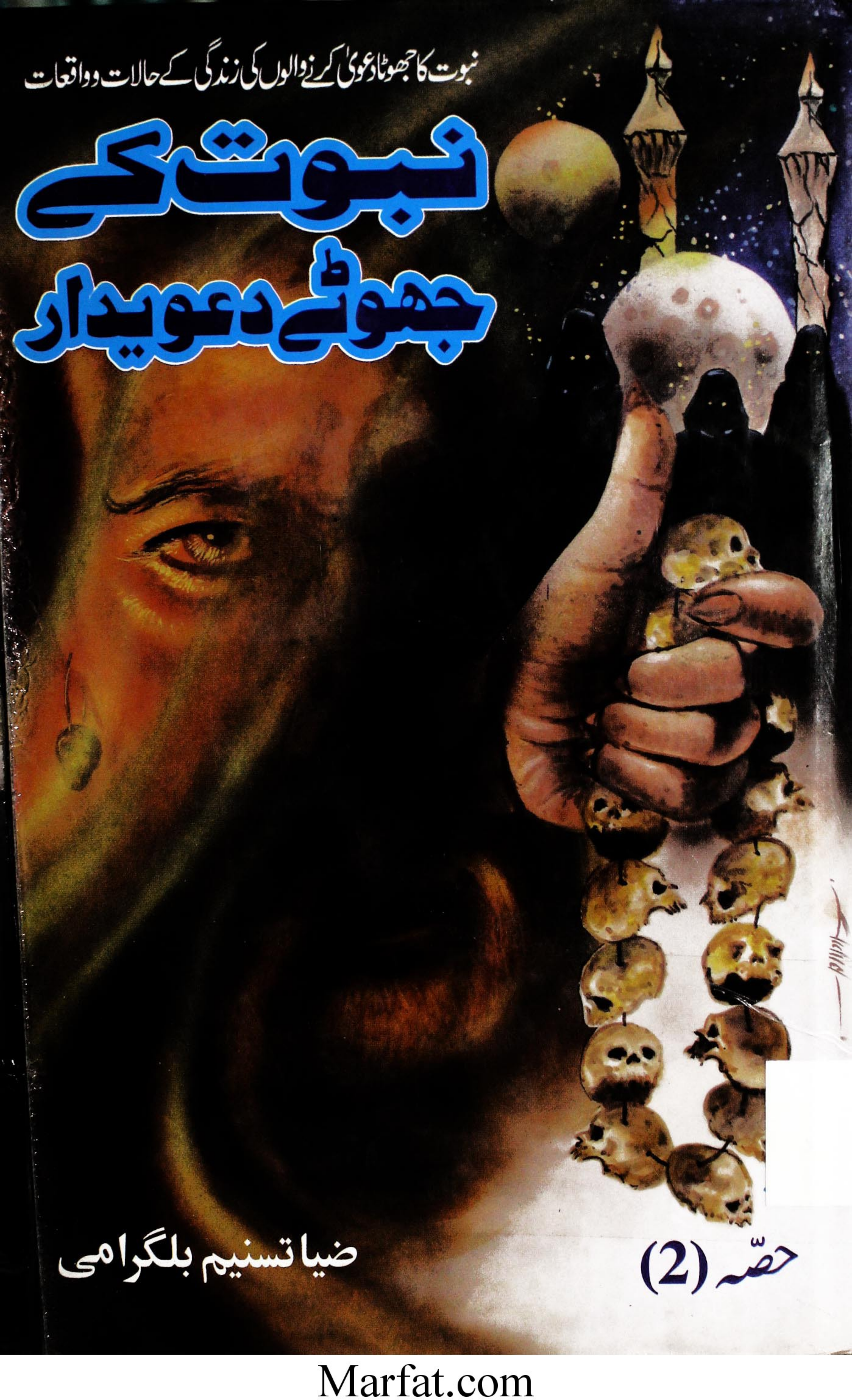

حصّہ (2)

ضیا تسنیم بلگرامی

Marfat.com

Marfat.com

نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والوں کے کراہیت انگیز
حقیقی حالاتِ زندگی اور عبرت ناک انجام

ضیا تسنیم بلگرامی کے قلم سے

نبوت کے جھوٹے دعویدار

حصّہ 2

ترتیب و پیشکش: عنبرین اعجاز

Marfat.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

باراوّل	
قیمت	
ناشر	عنبرین اعجاز
آرٹسٹ	شاہد حسین
مطبوعہ	ابن حسن آفسٹ پریس
	ہاکی اسٹیڈیم۔کراچی

اردو کمپوزنگ

اردو کمپوزرز 63-C فیز III ایکس ٹینشن ڈی ایچ اے مین کورنگی روڈ (اختر کالونی بس اسٹاپ کے سامنے) کراچی 75500

ناشر

کتابیات پبلی کیشنز

پوسٹ بکس 23 کراچی 74200

فون نمبر: 5802552-5895313 فیکس: 5802551

Email: kitabiat1970@yahoo.com

رابطے کے لئے: 63-C فیز III ایکس ٹینشن ڈی ایچ اے مین کورنگی روڈ (اختر کالونی بس اسٹاپ کے سامنے) کراچی 75500

Marfat.com

فہرست

		صفحہ نمبر
1	اسحاق اخرس	8
2	ابن مقنع	52
3	بابک خرمی	94
4	عبیداللہ مہدی	142
5	علی بن فضل یمنی	182
6	محمد بن علی شلغمانی	226

Marfat.com

کتاب کے مطالعے سے پہلے

رسول مقبولؐ کی موجودگی میں کسی کو نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے کی جرات نہیں ہوئی مگر آپؐ کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کے خلافت سنبھالتے ہی جھوٹے نبیوں کا ظہور شروع ہوگیا اور ان کے ماننے والے بھی ان کے گرد جمع ہونے لگے۔ یہ خطرناک لوگ اسلام کی تباہی کے درپے تھے اور عرب کے طاقت ور قبائل ان کا ساتھ دے رہے تھے۔ یہ معاملات سمجھانے بجھانے یا گفت و شنید سے طے نہیں کئے جاسکتے تھے چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان سب کے خلاف طاقت استعمال کی اور ان فتنوں کو اتنی سختی سے کچل دیا کہ جھوٹے نبی اپنے جملہ اثر و رسوخ کے ساتھ یکسر ختم ہوگئے۔ لیکن یہ فتنہ مختلف زمانوں، ملکوں اور قوموں میں کبھی کبھی ظہور پذیر ہوتا رہا یہ جھوٹے دعوے دار کبھی تو نبوت کا دعویٰ کرتے، کبھی اُن میں خدا حلول کر جاتا، کبھی یہ مسیح کا دعویٰ کرتے اور کبھی کبھی مہدی بن کے لوگوں کو ورغلاتے اور اپنے پیروان کی جماعت تیار کرلیتے۔

ان میں کچھ تو کہیں مقامی حیثیت میں فتنہ و فساد پھیلاتے اور کہیں اپنی مقامی حدود سے نکل کر دوسرے ملکوں اور قوموں میں جگہ بنالینے میں کامیاب ہوجاتے۔ یہ سب قرآن و حدیث کے حوالوں سے باتیں کرتے اور جھوٹی تاویلوں سے لوگوں کو ورغلا کے اپنا پیرو بنالیتے۔ ان سب میں بے جا خود نمائی کا فخر و غرور پایا جاتا تھا اور یہ ان کی بہترین دکانداری تھی۔ یہ لوگ خود تو کچھ بھی نہیں کرتے تھے مگر ان کے پاس اثر و اقتدار بادشاہوں جیسا ہوتا تھا۔ ان کے ماننے والے ان کے لئے کماتے تھے انہیں مالا مال کردیتے تھے اور ان کی ہر خواہش حتی الامکان پوری کی جاتی تھی اور دنیا کے یہ مکار لوگ اپنے ان جھوٹے دعوئوں کو دنیا کا بہترین کاروبار سمجھتے تھے۔ یہ بظاہر بہت سادگی پسند، نیکی اور زھد و تقوے کی زندگی گزارنے والے ہوتے تھے اور اپنی اسی شخصیت اور کردار کو اپنے ماننے والوں پر اثر انداز کرنے کے لئے کبھی کبھی نہایت سفاکانہ کارروائیاں کر گزرتے تھے۔ ان میں سے ایک نے تو اپنے بیٹے کو اس گناہ کے جرم میں قتل کروادیا تھا کہ اُسے ساز اور موسیقی سے دلچسپی تھی۔ اس کا اپنے بیٹے کو قتل کردینے کے عمل کا اُس جھوٹے دعوے دار امام کے متابعین پر یہ اثر ہوا کہ اس کے ہزاروں فدائی پیدا ہوگئے اور ان فدائیوں کے ذریعے بڑے بڑے نامی گرامی مسلم مشاہیر کو قتل کروادیا گیا۔ ان مقتولوں کی تعداد تاریخ میں ایک سو اڑتالیس بتائی گئی ہے۔

ان میں بعض مہدویت کے ایسے دعوے دار بھی گزرے ہیں جن کے بارے میں یہ

Marfat.com

کہا جاتا ھے کہ حال ان پر غالب آگیا تھا حالانکہ وہ طبعاً پرھیزگار تھے اور اپنے مھدویت کے دعوے کے ذریعے انھوں نے بھت سے مسلمانوں کی اصلاح کردی لیکن بات سچ اور جھوٹ کی اپنی جگہ باقی رھتی ھے۔ زمانے کے کچھ لوگوں نے وقتی طور پر انھیں مھدی مان تو لیا تھا لیکن ان کی مھدویت عارضی اور وقتی ثابت ھوئی اور زمانے نے ان کو نسیا منسیا کردیا اگر ان کے ماننے والے باقی بھی رہ گئے تو وہ اپنے عقائد دوسروں سے چھپاتے رھے اور اس چھپانے کا یھی مطلب لیا جائے گا کہ وہ خود بھی اسے اپنے لئے بھی فتنہ سمجھتے ھیں۔

انھی میں مھدی سوڈانی کو بھی شامل کرلیا گیا ھے ان کا نام محمد احمد تھا۔ انھوں نے اپنے دعوے مھدیت کے بل بوتے پر پانچ سال تک انگریزوں کو مسلسل شکستیں دیں اور ان کی مھدویت پر ایمان لانے والے درویش اپنی بے بضاعتی کے باوجود پانچ سال تک انگریزوں سے کامیاب جھاد کرتے رھے ۱۸۸۰ء کے بعد نہ تو مھدی سوڈانی کھیں نظر آئے گا اور نہ ان کے درویشوں کا بچا کھچا کوئی شخص ملے گا۔ وہ سب تاریخ پارینہ کا حصہ بن گئے۔ اسلام اور مسلمان آج بھی موجود ھیں اور ان کی تعداد ایک ارب تیس کروڑ تک پھنچ گئی ھے۔

نبوت، مھدویت، مسیحیت اور الوھیت کے جھوٹے دعوے داروں نے وقتی، عارضی طور پر علاقائی حدود تک اسلام اور مسلمانوں کو بھت نقصان پھنچایا۔ باطل عقائد مسلمانوں کے دل و دماغ میں بھر دیئے گئے اور اسلام کی شکل مسخ کردینے کی کوششیں کی گئیں۔

یہ جھوٹے دعوے دار کبھی کبھی دوسری طاقت ور قوموں اور حکومتوں کے منشا اور اغراض کو پورا کرنے کے لئے ان سے پھنچنے والی مالی منفعت کے زیرِ اثر بھی وجود میں آئے۔ ان سب میں قدرِ مشترک یہ پائی جاتی ھے کہ یہ قرآن کو رد تو نھیں کرتے مگر قرآنی آیات کے معانی اور مطالب بدل کے اپنی دکان داری کو کامیابی سے چلانے کی کوششیں کرتے رھے ھیں۔ ان میں انتھائی منظم طریقوں سے کام کیا گیا ھے اور بعد میں ان کی جھوٹی جماعت میں جھوٹے کام کو فروغ دینے والے دنیا دار اور جاہ پرست عالم بھی پیدا ھوتے رھے اور وہ اپنے جھوٹ کے پرچار میں لگ گئے مگر رسول عربیؐ کے دین پر اُن کے حملے شدت سے ھوتے رھنے کے باوجود اسلام اپنی جگہ موجود ھے اور دن بدن فروغ پارھا ھے۔ اس سادہ اور فطری مذھب میں اتنی طاقت اور توانائی موجود ھے جو دوسروں کو اپنی طرف کشش کرتی ھے۔

دنیا بھر کے دوسرے مذاھب میں تبلیغی جماعتیں مسلسل کام کرتی رھی ھیں جب کہ ان کی کوششوں کے نتائج اتنے شاندار اور پائیدار نھیں نکلتے جتنے اسلام کے پیروکاروں میں اضافے کی شکل میں دنیا دیکھ بھی رھی ھے اور محسوس بھی کررھی ھے۔

Marfat.com

نبوت، مہدویت اور الوہیت کے جھوٹے دعوے داروں نے بھی حالات کا سختی سے مقابلہ کیا اور اپنی جھوٹی روش پر قائم رہتے ہوئے دوسروں کو متاثر کرنے کی منصوبہ بندیاں بھی کیں مگر ان کے کام اور دعووں میں خلوص اور نیک نیتی نہ ہونے کی وجہ سے ان کے ماننے والوں میں وہ جذبہ، وہ اسپرٹ اور وہ جنون پیدا نہیں ہوسکا جو دنیا میں انقلاب پیدا کرنے کا لازمی جزو سمجھا جاتا ہے۔ ان کے ماننے والے رسماً تو کام کرتے رہے مگر ان میں والہانہ جذبہ کبھی بھی پیدا نہیں ہوسکا اور آخر کار دیکھنے میں یہ آیا کہ وہ بھی اپنی رسمی کارروائیوں سے عاجز اور دلبرداشتہ ہوگئے اور توبہ کرکے دائرہ اسلام میں داخل ہوگئے۔

یہ کتاب جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے اس میں معروف اور غیر معروف جھوٹے دعوے داران نبوت کا تفصیل اور تسلسل سے ذکر کیا گیا ہے۔ یہ واقعات اور حالات کہیں ایک جگہ آپ کو نہیں ملیں گے ان کی ترتیب و تدوین اور ضابطہ تحریر میں لانے کے لئے بڑی عرق ریزی کی گئی ہے۔ بظاہر اس کے بعض مضامین سے موجودہ عہد کے بھی کچھ لوگ خوش نہیں ہوں گے اور ناراضی اور غصے کا اظہار بھی کریں گے مگر وہ اس کا کھل کے دوسروں کے سامنے برملا اظہار نہیں کرسکیں گے کیونکہ انہیں بھی اپنے عقائد کی سچائی کا یقین نہیں ہے مگر آبائواجداد سے نسل در نسل جو عقائد انہیں ملے ہیں انہیں چھوڑ دینا بھی ان کے بس کی بات نہیں ہے ان کے لئے ہمارا مشورہ ہے کہ وہ سنجیدگی سے حق و باطل میں امتیاز کرنے کی کوشش کریں تو انہیں حق کا علم ہوجائے گا اور باطل سے ان کا پیچھا چھوٹ جائے گا ان کا یہ عمل اُن کی نجات اُخروی کا سبب بن جائے گا۔

تقریباً چودہ ساڑھے چودہ صدیوں کی ان داستانوں میں آپ کو بہت کچھ مل جائے گا اور آپ خود بھی ایسا شعور اپنی ذات میں محسوس کرنے لگیں گے کہ آپ کو ورغلانا مشکل ہوگا۔ اب آپ ہماری ان کوششوں میں اس طرح معاون و مددگار بن جائیں کہ اس کتاب کو خود بھی پڑھیں خاندان کے دوسرے لوگوں کو پڑھوائیں اپنے حلقہ احباب و اثر میں اس کتاب کا ذکر کریں اور انہیں مطالعے کی دعوت دیں تاکہ ہماری یہ کوشش توقع کے مطابق بار آور ثابت ہو۔ یہ کارِ خیر ہے اور اس کارِ خیر میں آپ کی شمولیت ہم سب کے لئے، اللہ نے چاہا تو باعثِ برکت ثابت ہوگی۔

ضیا تسنیم بلگرامی

❖❖❖❖

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

انسانی خمیر اٹھاتے وقت اس میں نیکی اور بدی دونوں متضاد عناصر کو شامل کر دیا گیا تھا۔ اس کے بعد انسان کو عقل جیسی دولت سے سرفراز فرما کر خالقِ حقیقی نے یہ فیصلہ اس پر چھوڑ دیا کہ وہ اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق اچھائی یا برائی میں سے جس کا چاہے انتخاب کر لے۔ نیکی اور اچھائی کی طرف رہنمائی کرنے اور برائی سے محفوظ رکھنے کے لئے باری تعالیٰ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء و پیغمبر اس دنیا میں بھیجے جنھوں نے وحی الٰہی کی روشنی میں انسانی عقل کو صراطِ مستقیم پر چلنے کی دعوت دی۔

ایک طرف تو رشد و ہدایت کا یہ متبرک سلسلہ جاری تھا اور دوسری طرف انسان اور انسانیت کا ازلی دشمن، شیطان لعین بھی اپنے پیروکاروں کے ہمراہ اس صراطِ مستقیم پر بیٹھا انسانیت کو بہکانے اور راہِ راست سے بھٹکانے کا موعودہ فرض پورا کرنے کی سعی میں مصروف تھا۔ شیطان کے یہ پیروکار مختلف روپ اور حیثیتوں میں عقل انسانی کو گمراہ کرنے کی کوششوں میں لگے رہے۔ ان میں سے کوئی شدّاد تھا تو کوئی ہامون، کسی نے سحر و جادو کا راستہ اختیار کیا تو سامری جادوگر بن کر قوم موسیٰؑ کو راہِ راست سے ہٹانے کی کوششیں کرنے لگا۔ کبھی فرعون اور نمرود دعوائے خدائی کر کے شیطان کے پیروکاروں میں شامل ہوئے تو کبھی ابولہب اور ابوجہل کی صورتوں میں شیطانی نمائندے خدا اور اس کے نبی ﷺ کو جھٹلانے کی کوشش کرتے رہے، غرض یہ سلسلہ قرن ہا قرن سے جاری رہا۔

دینِ اسلام کی ہمہ گیریت اور مقبولیت کے باعث راہِ راست سے بھٹکنے والے چند مسلمان بھی اس راہ پر چل نکلے اور سلسلہ نبوت کے الوہی اعلانِ اختتام کے باوجود بھی نبوت کے دعوے کرتے رہے۔ یہ لوگ کون تھے اور ان کا مطمحِ نظر کیا تھا؟ ان کا انجام کیا ہوا؟ یہ ایسے سوالات ہیں جو نبوت کے ان جھوٹے دعویداروں کے حوالے سے لوگوں کے اذہان میں پیدا ہوتے رہے۔

چند سال قبل اردو زبان کے مقبول ترین ماہنامے سسپنس ڈائجسٹ کی مستقل مصنفہ محترمہ ضیا تسنیم بلگرامی نے انہی سوالات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے نبوت کے جھوٹے دعویداروں کے بارے میں ایک سلسلہ سپردِ قلم کیا تھا جسے قارئین میں بے حد پذیرائی حاصل ہوئی تھی۔ ضیا تسنیم بلگرامی کے ان رشحاتِ قلم کو محفوظ کرنے کا خیال اس سلسلے کی غیر معمولی مقبولیت کے باعث ہی پیدا ہوا۔ چناں چہ یہ مقبول سلسلہ یک جا کر کے ابتدائی طور پر کتابی صورت کے دو حصوں میں کتابیات پبلی کیشنز کی جانب سے شائع کیا جا رہا ہے۔ جب کہ اس سلسلے کے اور حصے بھی وقتاً فوقتاً شائع کئے جاتے رہیں گے کہ یہ سلسلہ کافی طویل ہے۔

امید ہے عام قارئین کے علاوہ یہ کتاب تاریخ کے طلبہ کے لئے عمومی طور پر اور تاریخِ اسلام کے طلبہ میں خصوصی طور پر مقبولیت حاصل کرے گی۔

عنبرین اعجاز

Marfat.com

عباسی خلیفہ ابوجعفر
منصور کے عہد کا فتنہ، جو
برسوں اصفہان، مسقط و عمان اور
بصرہ کو اپنی لپیٹ میں لیے رہا۔ اس کے
منصوبہ ساز دماغ نے ایک نادر منصوبہ بندی
کی۔ وہ اس پر پورے دس سال تک عمل پیرا رہا اور
اپنے عہد کے بڑے بڑوں کو شکار کرلیا۔ اس کو انسانی
ذہنوں اور بشری نفسیات کا گہرا ادراک و شعور حاصل
تھا اور اس نے کچھ اس طرح جال بچھایا کہ ہزاروں عوام
اور خواص اس کے پیرو کار اور مبلغ ہوگئے۔ اس نے
اسلامی بنیادی عقائد میں دراڑیں ڈال دیں۔ بہتوں کے پائے
اثبات میں لرزش پیدا ہوگئی۔
اسحاق اخرس نے نبی بننے کے لیے جو تدابیر اور طریقے
اختیار کیے، ان میں ایک بات نظر انداز کرگیا اور یہی وہ
بات ہے جس کو اس قسم کے لوگ اکثر نظر انداز کرتے
رہے ہیں۔ یہ جھوٹے نبی لا مرکزیت کا شکار رہے۔ ان
کے پیروئوں کو کبھی کوئی مرکز نہیں مل سکا اور
یہ رفتہ رفتہ فنا ہوتے چلے گئے۔ اسحاق اخرس
بھی اس کا شکار ہوا اور فنا ہوگیا لیکن
حیرت کی بات یہ ہے کہ دنیا میں آج
بھی کہیں کہیں اس کے اثرات
پائے جاتے ہیں۔

مضمون کے مآخذ

- معجم الادباء — یاقوت حموی
- تاریخ ابن اثیر — ابن اثیر
- ائمہ تلبیس — ابوالقاسم رفیق دلاوری

Marfat.com

اسحاق اخرس

۷۵۲ء ظہور - ۷۶۰ء میں قتل

یہ شخص ۱۳۵ھ میں افریقہ کے شمالی حصے میں پیدا ہوا۔ خلافت بنو اُمیہ ختم ہو چکی تھی۔ اس کی جگہ خلافت بنو عباس کا قیام عمل میں آچکا تھا۔ اور سلسلہ بنو عباس کا پہلا حکمران ابوالسفاح برسر اقتدار تھا۔ بنو امیہ کے لوگ چھپتے پھر رہے تھے اور بنو عباس ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان کو قتل کر رہے تھے۔

چونکہ بنو عباس نے یہ اقتدار حضرت علیؓ کی اولاد اور ان کے ماننے والوں کے تعاون سے حاصل کیا تھا اور بنو عباس کی تحریک میں ایرانیوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا اس لیے ان کا بھی بڑا زور تھا لیکن اقتدار سنبھالنے میں عباسیوں نے بہت عجلت سے کام لیا اور عباسیوں نے حضرت علیؓ کی اولاد کو اپنے اقتدار کے قریب بھی نہ آنے دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب عباسی حکومت سے لڑنے والوں میں ایرانی بھی شامل ہو گئے اور ہر طرف موت کی گرم بازاری ہو گئی۔

ان حالات اور اس ماحول میں اسحاق نے ہوش سنبھالا تھا۔ اس شخص نے قرآن پاک حفظ کیا اور دوسری الہامی کتابوں کے مطالعے میں مشغول ہو گیا۔ اس نے قرآن، توریت، زبور اور انجیل کو پڑھنے اور سمجھنے میں بڑی محنت اور عرق ریزی سے کام لیا تھا۔

پھر یہ شخص افریقہ کے مختلف شہروں میں گھومتا پھرتا رہا اور وہاں لوگوں میں گھل مل گیا۔ یہیں اس نے جھوٹے مدعیانِ نبوت اور دعویدارانِ مہدویت کا بھی گہری نظروں سے مطالعہ کیا اور اس لائق ہو گیا کہ وہ کسی بھی عقیدے پر لوگوں سے باتیں کر سکتا تھا اور انہیں مرعوب و متاثر کر سکتا تھا۔ اسے باتیں کرنے کا ہنر آتا تھا اور بہت جلد لوگوں کو اپنا گرویدہ بنا لیتا تھا۔

Marfat.com

اسحاق نے اپنی ابتدائی زندگی اور االب علمی کا زمانہ شمالی افریقہ کے شہروں میں گزارا تھا۔ ان دنوں شمالی افریقہ کے شہر مراکش' الجزائر اور تیونس ملک مغرب کہلاتے تھے اور یہاں سے تعلق رکھنے والوں کو مغربی کہتے تھے۔

اسحاق نے پڑھنے لکھنے کے بعد کوشش کی کہ کسی دربار سے وابستہ ہوجائے اور امن و آسودگی سے زندگی بسر کرے۔

یہ شخص حضرت علیؓ کے ماننے والوں میں شامل تھا اس لیے خلافتِ عباسیہ اس کی دشمن ہوگئی تھی۔

اس شخص نے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کے لیے ایران کا رخ کیا اور اصفہان میں قیام کیا۔ ایرانیوں نے خلافت عباسیہ کے خلاف جدوجہد شروع کردی تھی اور ایران کے شہر خلافتِ عباسیہ کے مخالفوں کی پناہ گاہ بن گئے تھے۔ حکومت عباسیوں کی تھی۔ شہروں کے حاکم بھی عباسی تھے مگر یہاں کے عوام عباسیوں کے مخالف تھے اسی لیے خلافت عباسیہ کی موجودگی میں اس کے مخالف ایران کے شہروں میں پناہ لیتے تھے اور اپنے کام جاری رکھتے تھے۔ یہ شخص بھی اصفہان پہنچ کر چپ چاپ بیٹھ گیا۔

اب وہ سنجیدگی سے اپنے مستقبل کے منصوبے بنا رہا تھا۔ اس نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ اب اسے کسی دربار سے واسطہ نہیں رکھنا چاہیے۔

اس چالاک انسان نے کچھ کرنے سے پہلے یہ ضرور سمجھ لیا تھا کہ خلافت عباسیہ اس کی دشمن ہوجائے گی اور اس کا جینا دوبھر کردے گی۔ اس نے ان تمام نشیب و فراز پر غور کرنے کے بعد اپنے قیام کے لیے اصفہان کی ایک عربی درس گاہ کو پسند کیا۔ یہاں لوگ عربی پڑھنے آیا کرتے تھے اور یہ درس گاہ شہر کے باہر ایسی گلی میں واقع تھی وہ عام گزرگاہوں سے ہٹ کر تھی۔ اس نے اس مدرسے کے جن استادوں کو نہایت لگن اور محبت سے پڑھاتے دیکھا تھا۔ وہاں کے لوگوں اور اساتذہ سے اشاروں کنایوں میں باتیں شروع کردیں۔ اور یہ باتیں گونگے کی زبان والوں کی طرح ہوتی تھیں۔ چنانچہ اسے ایک گونگے کی حیثیت سے مدرسے میں قبول کرلیا اور ایک کوٹھڑی بھی رہنے کے لیے دے دی۔ یہ تنگ و تاریک کوٹھری دس سال تک اسحاق کی جائے قیام بنی رہی۔ لوگ اس پر رحم کھاتے تھے اور جملہ ضروریاتِ زندگی اس کو مفت میں حاصل ہوتے رہے۔ لوگ اس کی ضرورت کی تمام چیزیں اس کی کوٹھری میں پہنچادیا کرتے تھے۔ کبھی کسی نے اس پر وہ توجہ نہیں دی جو کسی پڑھے لکھے شخص کو دی جاتی ہے۔ یہ دوسروں کی ہمدردیوں کا مستحق قرار پاگیا تھا کیونکہ سب کی نظروں میں وہ ایک گونگا تھا۔

Marfat.com

کبھی کوٹھری سے نکلتا تو اساتذہ کے پاس چلا جاتا۔ ان کی تدریس میں شریک ہو جاتا۔ بظاہر وہ گونگا بہرا تھا مگر جو کچھ اساتذہ پڑھاتے تھے' اسے اپنے حافظے اور ذہن میں محفوظ رکھتا تھا۔

اس نے اپنی قوتِ گویائی کو بالکل فراموش کر دیا تھا اور لوگ اسے اخرس کہنے لگے تھے۔ عربی زبان میں اخرس گونگے کو کہتے ہیں۔ طلبا اس سے چھیڑ چھاڑ کرتے تھے۔ وہ اسے تفریح کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ اساتذہ بھی کبھی کبھی اس سے تفریح حاصل کرتے تھے اور اپنے فرصت کے اوقات ہنسی مذاق میں گزار دیتے تھے۔

دس سال تک وہ گونگا اور بہرا بنا رہا۔

اس نے افریقہ میں کسی سے ایک خاص تیل بنانے کی ترکیب اور نسخہ حاصل کر لیا تھا۔ اس کی خصوصیت یہ تھی کہ اگر اسے چہرے پر مل لیا جاتا تو چند گھنٹوں بعد چہرے کی عجیب حالت ہو جاتی تھی اور یہ چہرہ دوسرے لوگوں کے چہرے سے بالکل مختلف ہو جاتا تھا۔ یعنی چہرہ دمکنے لگتا تھا۔

اس روغن کے علاوہ اس نے دو اور روغن بھی تیار کیے۔ اور یہ روغن جب رات کی سیاہی کو دور کرنے کے لیے کوٹھڑی میں جلائے جاتے تو ماحول آسیب زدہ سا ہو جاتا تھا۔ اس مخصوص چراغ کی روشنی میں مخصوص روغن زدہ چہرہ کچھ عجیب سا بھیانک لگتا تھا اور آدمی غیر معمولی ہو جاتا تھا۔ جب اس کو یہ اندازہ ہو گیا کہ اب اسے کچھ کرنا چاہیے تو ایک رات اس نے اپنے چہرے پر یہ روغن خوب ملا اور چراغ جلا کر بیٹھ گیا۔ آئینے میں اپنا نظارہ کیا کچھ جھرجھری سی آگئی۔ اب وہ ایک غیر معمولی انسان بن چکا تھا۔

اسحاق نے باہر نکل کر ماحول کا جائزہ لیا تو لوگ آسودہ خواب محسوس ہوئے۔ چاروں طرف گہرا سناٹا طاری تھا۔ کوٹھڑی کے ساتھ صحن تھا۔ اور صحن کی دوسری طرف مدرسے کے اساتذہ کی رہائش گاہ تھی۔ ان رہائش گاہوں کے درمیان سے ایک راستہ مسجد کے اندر جاتا تھا۔

اسحاق اخرس کچھ دیر صحن میں ٹہلتا رہا۔ اس وقت وہ بہت بے چین تھا کیونکہ اس نے اپنے سلسلے میں جو عظیم الشان منصوبہ بنایا تھا۔ اس کے عمل اور اظہار کا وقت قریب تھا۔ اس نے جس استقلال اور پامردی سے دس سال گزارے تھے' کچھ وہی جانتا تھا۔

کچھ دیر ٹہلنے کے بعد اس نے چیخنا چلانا شروع کر دیا۔ اس شور نے لوگوں کی نیندیں حرام کر دیں۔ لوگ گھروں سے نکل آئے۔ اتنی دیر میں اسحاق مسجد میں داخل ہو چکا تھا اور مسجد میں داخل ہوتے ہی وہ نیت باندھ کر کھڑا ہو گیا۔

Marfat.com

اس نے بہ آواز بلند قرآن پاک کی سورتیں پڑھنی شروع کردیں اور یہ سورتیں نہایت فصاحت کے ساتھ پڑھی جارہی تھیں۔ ان میں فنِ قرأت اور تجوید کا پورا پورا خیال رکھا گیا تھا۔ مسجد میں جو شمعیں روشن تھیں ان میں وہی مخصوص اسحاق کا تیار کردہ تیل ڈالا گیا تھا اور اب اس روشنی میں اسحاق کا چہرہ دمک رہا تھا۔

اساتذہ اور مدرسے کے دوسرے لوگ چیخوں کی آواز پر بیدار ہوگئے تھے اور وہ ادھر ادھر چیخنے والے کو تلاش کرتے رہے تھے اور جب یہ لوگ تلاش کرتے ہوئے مسجد میں داخل ہوئے تو دور ہی سے انہیں مسجد میں روشنی دکھائی دی' اس میں انہیں اسحاق اخرس نماز پڑھتا دکھائی دیا۔ یہاں انہیں دلکش آواز بھی سنائی دی۔ اب سب لوگ اس کے آس پاس جمع ہوچکے تھے۔

اسحاق نے ان سب کی آمد کو محسوس کرلیا تھا۔ وہ سب یہ دیکھ کر اور زیادہ حیرت زدہ اور پریشان تھے کہ اسحاق نہایت روانی سے قرآنی سورتیں پڑھ رہا تھا اور اس کے چہرے پر ایک خاص قسم کی چمک دمک پائی جاتی تھی۔

ان جمع ہونے والوں میں صدرِ مدرس سب سے آگے تھا۔ وہ اپنے ماتحتوں سے پوچھ رہا تھا "لوگو! بتاؤ کہ یہ کیا ہے؟"

ایک مدرس نے اپنے دونوں کان پکڑے اور کہا "توبہ ہے' خدا کی قدرت! لوگو! کبھی تم نے یہ سنا ہے کہ ایک گونگا بہرا اس طرح باکمال قاری ہوگیا ہو اور اسے فنِ قرات اور علم تجوید پر پورا پورا عبور حاصل ہو۔"

صدر مدرس کی عقل ہی جاتی رہی تھی۔ وہ سادہ لوحی سے دوسروں سے کہہ رہا تھا "تاریخِ انسانی میں ایسا عجیب وغریب واقعہ پہلے کبھی نہیں پیش آیا ہوگا۔ یہ تو مجھے عجوبۂ روزگار انسان معلوم ہوتا ہے۔"

یہ لوگ آپس میں چہ میگوئیاں کررہے تھے اور منتظر تھے کہ اسحاق سلام پھیرے تو وہ اس سے سوالات کی بوچھاڑ کریں۔

صدر مدرس نے اساتذہ سے پوچھا "تم میں کوئی ایسا شخص ہے جو اسی وقت حاکم شہر کے پاس جائے اور اس کو یہاں بلا لائے تاکہ وہ یہ محیر العقول منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔"

صدر مدرس کی اس خواہش کو پورا کرنے کے لیے کئی لوگ سامنے آگئے اور کہا "اگر آپ حکم دیں گے تو ہم حاکم شہر کو اسی وقت لے آئیں گے اور یہ منظر اس کو بھی دکھلا دیں گے۔"

Marfat.com

صدر مدرس نے دو تیز رفتار آدمیوں کو اسی وقت حاکم شہر کے پاس روانہ کر دیا۔ یہ لوگ دربانوں کی پرسش میں پڑ گئے۔ ایک دربان ان کو دروازے پر روک کر کھڑا ہو گیا۔ وہ یہ جاننے کی کوشش کر رہا تھا کہ گہری نیند سے حاکم کو کیوں بیدار کیا جائے؟"

دونوں آدمیوں نے اس عجیب و غریب گونگے' اس کی قوت گویائی کی بحالی اور کمالات کا ذکر کیا اور کہا "تم لوگ بھی مدرسے کے اسحاق گونگے سے اچھی طرح واقف ہو گے کیونکہ وہ پچھلے دس سال سے مدرسے کی ایک کوٹھڑی میں رہ رہا ہے۔ ہم نے آج اس کو جس حال اور کیفیت میں دیکھا ہے جب تم لوگ اسے دیکھو گے تو دنگ رہ جاؤ گے۔ اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آئے گا۔"

دربان ان دونوں کو پاگل سمجھ رہا تھا۔ ایک نے کہا "اگر ایسی کوئی بات ہے تو وہ دن میں بھی دیکھی جا سکتی ہے اس لیے ہم حاکم شہر کو نہیں جگائیں گے۔"

دونوں دربانوں کے پیچھے پڑ گئے اور کہا "نہیں' ہمیں حاکم شہر کے پاس صدر مدرس نے بھیجا ہے اور کہا ہے کہ ہم حاکمِ شہر کو اسی وقت لے کر مسجد پہنچیں۔"

رات کے سناٹے میں ان کی بحث و تکرار نے شدت اختیار کر لی۔ مدرسے کے دونوں آدمی چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے "ہم حاکمِ شہر کے بغیر واپس نہیں جائیں گے۔"

اور دربان کہہ رہے تھے کہ "ہم اس وقت حاکمِ شہر کو نہیں جگائیں گے۔"

یہ جھگڑا اتنا بڑھا کہ حاکمِ شہر کے بیوی بچے اور نوکر سبھی جاگ گئے۔ خود حاکمِ شہر بھی بیدار ہو گیا اور پوچھنے لگا "یہ شور و غل کیسا ہے؟"

غلاموں نے بتایا "مدرسے کے کچھ لوگ عجیب و غریب خبریں لے کر آئے ہیں اور چاہتے ہیں کہ آپ ان کے ساتھ جائیں اور وہ عجیب و غریب نظارہ آپ بھی کریں۔"

حاکم شہر نے کہا "مدرسے کے لوگوں سے کہو کہ وہ واپس جائیں۔ میں خود ہی مدرسے پہنچ جاؤں گا۔"

لیکن مدرسے کے دونوں آدمی اڑ گئے اور کہا "ہم دونوں حاکم شہر کا انتظار کر رہے ہیں۔ اس کو اپنے ساتھ لے جائیں گے۔"

یہ مدرسہ' مسجد اور حاکمِ شہر کا محل شہری فصیل سے ملحق اس طرح واقع تھے کہ یہ لوگ جب چاہتے شہر کے باہر ہو جاتے اور وقتِ ضرورت اندر ہی اندر شہر میں داخل ہو جاتے۔

مسجد کے دونوں آدمیوں کی واپسی میں دیر ہوئی تو صدر مدرس صبر نہ کر سکا اور کہا "لوگو! چلو شہریوں

Marfat.com

کو دعوت عام دیں کہ وہ .... قدرت کا یہ ناقابل یقین نظارہ اپنی آنکھوں سے کرلیں۔"

صدر مدرس پر اسحاق کا جادو ایسا اثر کر گیا تھا کہ اس نے حاکم شہر کا انتظار بھی نہیں کیا اور فصیل کے اندر آباد شہریوں اور اعلیٰ منصب داروں کے پاس ایک ہجوم کے ساتھ چل پڑا۔ مسجد اور مدرسے سے متعلق لوگ اس کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ چلتے چلتے شہر کے پھاٹک پر پہنچے وہ مقفل تھا۔ اسے اندر سے دربانوں نے بند کر رکھا تھا کیونکہ شہر پناہوں ور فصیلوں کے بارے میں یہ قانون عام تھا کہ شام کے بعد اس کو بند کر دیا جاتا تھا اور صبح فجر کی نماز کے بعد کھول دیا جاتا تھا۔

شہر کے صدر دروازے پر جب ہجوم اکٹھا ہوا تو سوئے ہوئے دربان جاگ گئے اور پھاٹک کے سوراخوں سے جھانک جھانک کر تجسّس آمیز نظروں سے اس ہجوم کو دیکھنے لگے لیکن دروازہ نہیں کھولا۔

صدر مدرس نے پھاٹک کو پیٹنا شروع کر دیا اور کڑک دار آواز میں حکم دیا "پھاٹک کھولو۔"

اندر سے کسی دربان نے پوچھا "تم کون ہو؟ یہ پھاٹک آدھی رات کو نہیں کھلتا۔"

صدر مدرس نے دربانوں کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا اور دھمکی دی "پھاٹک کھول دو میں مدرسے کا صدر مدرس ہوں۔"

اندر سے جواب ملا "پھاٹک نہیں کھلے گا' خواہ کوئی بھی ہو۔"

صدر مدرس نے خوف ناک لب و لہجے میں کہا "دیکھ حاکم شہر میرا شاگرد ہے اور قاضی شہر سے میری دوستی ہے۔ میں تم سب کو نوکریوں سے نکلوا دوں گا۔"

اب دربانوں میں پھوٹ پڑ گئی کیونکہ ان میں سے کئی صدر مدرس کی حیثیت سے اچھی طرح آگاہ تھے اور وہ یہ جانتے تھے کہ صدر مدرس کی یہ محض دھمکی نہیں ہے بلکہ اس کے سبھی سے بہت اچھے تعلقات ہیں۔ دربان آپس میں مشورے کرنے لگے کہ اس نازک و خطرناک مسئلے سے کس طرح نمٹا جائے۔

ایک نے سبھی دربانوں سے کہا "ہم رات کو کسی طور بھی یہ پھاٹک نہیں کھول سکتے۔ اب اگر صدر مدرس دباؤ ڈال رہا ہے اور ہم اس کا حکم بھی نہیں مانتے تو یہ ہمارے خلاف ایک مصیبت کھڑی کر دے گا۔ اس لیے یہ سمجھ لو کہ پھاٹک بھی نہیں کھولنا ہے اور صدر مدرس کو ناراض بھی نہیں کرنا ہے۔ میرے نزدیک یہ بہتر ہے کہ ہم ایک معمولی سے جھوٹ کا سہارا لیں۔"

ساتھیوں نے پوچھا "ہم اپنے بچاؤ کے لیے کیا کریں گے۔ کس قسم کا جھوٹ بولیں گے۔"

Marfat.com

دربان نے جواب دیا "ہم سب صدر مدرس سے کہیں گے کہ اندر سے قفل پڑا ہوا ہے اور اس کی چابی گھبراہٹ میں مل نہیں رہی ہے۔"

چنانچہ یہی عذر بیان کر دیا گیا۔

صدر مدرس نے باہر سے ڈانٹا "چابی بہت جلد تلاش کرو ورنہ میری ایک شکایت پر تم سب کی نوکریاں چلی جائیں گی۔"

ایک دربان نے پوچھا "اگر ہمیں چابیاں نہیں مل رہی ہیں تو ہم انہیں کہاں سے پیدا کریں؟"

صدر مدرس نے کہا "تالا توڑ دو۔"

ایک دربان نے باہر صدر مدرس کے ساتھ جو ہجوم تھا' اس کے بارے میں سوال کیا "جناب صدر مدرس صاحب! آپ کے ساتھ یہ بھیڑ بھاڑ کیسی ہے؟"

صدر مدرس نے کہا "یہ لوگ ایک ایسی چیز دیکھ کر آ رہے ہیں کہ پورے شہر کا اس کو دیکھنا واجب اور فرض ہے۔ میں وہ نادر شے تم لوگوں کو بھی دکھلانا چاہتا ہوں۔"

صدر مدرس نے اسحاق کا تفصیلی ذکر کیا اور کہا "میں اس گونگے کو دس سال سے دیکھ رہا ہوں' یہ گونگا بھی ہے اور بہرا بھی مگر آج اللہ کی مہربانی سے اسے قوت گویائی حاصل ہو گئی ہے اور اب وہ نہایت عالمانہ انداز میں باتیں کرتا ہے۔ وہ فنِ تجوید سے بھی واقف ہے۔ وہ اس وقت مسجد میں موجود ہے۔ دروازہ کھولو تاکہ میں پورے شہر کو اس شخص کے سامنے لے جا کر کھڑا کر دوں۔"

لیکن دربانوں کو نہ تو چابیاں ملیں اور نہ انہوں نے دروازہ کھولا۔

صدر مدرس نے دربانوں پر غیر معمولی دباؤ ڈالا اور حکماً کہا "دروازہ کھول دو ورنہ یہ ہجوم دروازے کو آگ لگا دے گا۔"

دربانوں نے صاف صاف انکار کر دیا "ہم دروازہ نہیں کھولیں گے۔"

صدر مدرس نے ہجوم کو حکم دیا کہ "تم لوگ چاروں فصیلوں کا جائزہ لو۔ جہاں کمزور حصہ نظر آئے اسی جگہ سے فصیل کو ڈھا دو اور سب ایک ساتھ شہر میں داخل ہو جاؤ۔ اس کے بعد جو کچھ ہو گا دیکھا جائے گا۔ ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

لوگوں نے کدالیں' بیلچے سنبھالے اور فصیل پر ضربات لگنے لگیں۔

لیکن اپنے ساتھیوں سے دور چند شاگردوں کے ساتھ صدر مدرس نے پھاٹک کا پورا محاصرہ کر لیا اور پھاٹک کو آگ لگا دی جس سے شعلے بلند ہوئے۔ دربانوں نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا اور خود

Marfat.com

راہ فرار اختیار کرلی۔ اس طرح شہر کا پھاٹک بھی صدر مدرس کے قبضے میں آگیا اور یہ لوگ شہر میں داخل ہوگئے۔

یہ لوگ شہر میں داخل تو ہوگئے مگر ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آرہی تھی کہ وہ رات میں لوگوں کو کس طرح بیدار کریں گے کیونکہ شہر کے ہر گھر میں لوگ خواب خرگوش کے مزے لوٹ رہے تھے۔

اب رات کا سناٹا رخصت ہوچکا تھا اور چاروں طرف بھاگم بھاگ شروع ہوگئی تھی۔

صدر مدرس ابھی شہر میں زیادہ دور نہیں گیا تھا کہ حاکم شہر اس سے ملا اور پوچھا "یہ کیا شور وغل مچا رکھا ہے، تم لوگ اپنے اپنے گھروں کو واپس جاؤ جو مدرسے میں سوتا ہے وہ مدرسے میں جاکر سوئے اور اب تم لوگ شہریوں کی نیند نہ خراب کرو۔"

صدر مدرس نے حاکم کی عقل کا ماتم کیا اور کہا "میں جس معجزے کو تجھے دکھانا چاہتا ہوں، جب تو دیکھے گا تو عش عش کر اٹھے گا۔" اب صدر مدرس نے اسحاق گونگے کے بارے میں بالتفصیل بتاتے ہوئے کہا "میں اس کو دس سال سے گونگا اور بہرا دیکھ رہا ہوں لیکن آج وہ اللہ کی مہربانی سے قوت گویائی رکھتا ہے۔ کانوں کو قوت سماعت مل گئی ہے اور اس کے بھیجے میں معلوم نہیں کتنی عقل اور علمی قوت سما گئی ہے۔ جب وہ بات کرتا ہے تو علم کا سمندر ٹھاٹیں مارتا ہے۔ جب وہ قرات کرتا ہے تو لحن داؤدی بھی ماند پڑ جاتا ہے۔ اس کے چہرے پر ایک ایسا نور پایا جاتا ہے جس کی کہیں اور مثال نہیں ملے گی۔"

حاکم نے کہا "تم چلو میں آرہا ہوں۔"

یہاں سے قاضی شہر کا گھر قریب تھا۔ صدر مدرس الٹے سیدھے نعرے لگاتا ہوا قاضی شہر کی حویلی کے در پر پہنچ گیا اور بے اختیار اور بے تحاشا قاضی کو آوازیں دینے لگا۔

کچھ دیر بعد چھت پر چند سائے نظر آئے جنہیں تاروں کی روشنی میں پہچاننا ناممکن تھا۔ غالباً کسی خطرے کے پیش نظر قاضی حویلی کے دروازے پر آنے کے بجائے چھت پر چلا گیا اور اپنے غلام کو حکم دیا "تو ذرا اونچی آواز میں پوچھ کہ یہ کون لوگ ہیں اور کیا چاہتے ہیں؟"

غلام نے چیخ کر دریافت کیا "قاضی صاحب دریافت فرما رہے ہیں کہ تم لوگ کون ہو اور اس رات کے اندھیرے میں کیا لینے آئے ہو؟"

صدر مدرس نے اپنے کسی شاگرد کے ذریعے جواب دیا "ہم صدر مدرس کے ساتھ یہاں آئے ہیں اور آپ کو اپنے ساتھ مدرسے تک لے جانا چاہتے ہیں۔ وہاں ایک ایسا شخص موجود ہے جسے ہم دس سال سے گونگا اور بہرا دیکھ رہے تھے مگر ابھی کچھ دیر پہلے وہ باتیں کرنے کے لائق ہوگیا ہے اور اس کی

Marfat.com

علمیت کا یہ حال ہے کہ اس سے جس موضوع پر چاہو بات کرلو۔ وہ شخص اپنے عہد کا چلتا پھرتا معجزہ ہے۔"

قاضیِ شہر نے اپنے غلام کے ذریعے جواب میں کہلوایا "جناب صدر مدرس! آپ نے جو کچھ فرمایا وہ درست لیکن یہ رات کے اندھیرے میں ہجوم کو ساتھ لیے جو دورہ فرما رہے ہیں' سوچیے وہ کہاں تک مناسب ہے۔ بہتر ہے آپ لوگ اپنے مدرسے اور مسجد واپس جائیں۔ ہم خود صبح وہیں پہنچ جائیں گے۔"

لیکن صدر مدرس نے قاضی کو حکم دیا "آپ اسی وقت میرے ساتھ چلیں حاکمِ شہر بھی اس وقت وہاں پہنچ رہا ہے۔"

قاضیِ شہر نے صدر مدرس کو بتایا "آپ کو نہیں معلوم کہ وزیرِ موصوف بھی اصفہان میں تشریف رکھتے ہیں۔ آپ ان کو بھی اپنے ساتھ لے جانے کی کوشش کریں۔ میں خود پہنچ جاؤں گا۔"

صدر مدرس کو وزیر کی اصفہان میں موجودگی سے بڑی خوشی ہوئی اور کہا "ٹھیک ہے' میں وزیر کے پاس پہنچتا ہوں' اس کو بھی اسی وقت اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔"

اسی وقت چند لوگ فریاد کرتے ہوئے آئے اور قاضی شہر سے کہا "جناب والا! ہم لوگ شہر کے صدر پھاٹک اور فصیلوں کے دربان ہیں۔ یہ صدر مدرس ہجوم کے ساتھ آیا۔ صدر دروازے کو آگ لگادی اور کئی جگہ سے فصیلوں میں شگاف ڈال دیے اور اس کو توڑ کر یہ لوگ اندر داخل ہوگئے۔ اب یہ مجرم آپ کے سامنے موجود ہیں آپ ان کو گرفتار کروائیں اور ان پر مقدمے چلوائیں۔"

صدر مدرس نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا "ان دربانوں کو پکڑو اور گرفتار کرکے مدرسے بھجوا دو۔"

دربانوں نے جو ہجوم کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا تو گھبرا کر قاضی کی حویلی میں داخل ہوگئے۔

قاضی نے معاملے کی نزاکت کا اندازہ لگایا اور صدر مدرس سے کہا "اب یہ دربان میری حویلی میں قید ہیں' میں ان پر مقدمے چلاؤں گا۔"

ادھر سے مطمئن ہونے کے بعد صدر مدرس نے وزیر کے محل کا رخ کیا لیکن راستے میں اتنا شور مچایا کہ سوئے ہوئے لوگ بیدار ہوگئے اور اپنے اپنے گھروں سے نکل کر پوچھنے لگے کہ "اتنی رات گئے یہ کیا ہو رہا ہے؟"

صدر مدرس نے شہریوں کو اسحاق گونگے بہرے کے بارے میں بتایا "آپ لوگ ہمارے ساتھ چلیں اور پھر ہم آپ کو دکھائیں گے کہ خدا کی قدرت کیا ہوتی ہے۔"

اسحاق اخرس

Marfat.com

کچھ شہری ساتھ چلنے پر آمادہ ہوگئے۔ صدر مدرس نے وزیر کے محل کا رخ کیا اور محل کے چاروں طرف اس طرح کھڑے ہوگئے گویا وزیر کے محل کا محاصرہ کرلیا ہو۔ وزیر بھی گھبرا گیا اور اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ تیار ہو کر ان فسادیوں کو پیچھے دھکیل دیں۔

لیکن اسی دوران میں صدر مدرس نے تعارف کروایا اور تنبیہاً کہا "میں مدرسے کا صدر مدرس ہوں۔ میرے شاگرد ہر طرف موجود ہیں۔ آج اگر میں چاہوں تو ان سے تیری معزولی کا فرمان لا کر کسی اور کو وزیر بنوادوں۔ خلافتِ عباسیہ میری بے حد قدر دان ہے۔"

وزیر بھی گھبرایا کہ یہ کیسی مصیبت رات کے سناٹے میں محل کو چاروں طرف سے گھیر کر کھڑی ہوگئی۔ اس نے صدر مدرس کو سمجھانے کی کوشش کی "جناب استاد محترم! آپ جس عجیب وغریب شخص کا ذکر فرما رہے ہیں میں اس کو اسی وقت چل کر دیکھتا بلکہ اس کی زیارت کرتا مگر مجبوری یہ ہے کہ میں جس مقصد سے یہاں آیا ہوں۔ جب تک اسے پورا نہ کرلوں میں کہیں اور نہیں جاسکتا۔ ویسے میرا وعدہ ہے کہ کل میں دن کے اجالے میں اس شخص سے ضرور ملوں گا اور اس شخص کی اور آپ کی جو بھی خدمت کرسکا' کروں گا اور ضرور کروں گا۔"

یہ بات صدر مدرس کی سمجھ میں آگئی۔ اس نے وزیر سے دوسرے دن آنے کا حلفیہ وعدہ لیا اور اپنے ہجوم کے ساتھ پورے شہر کو بیدار کرنے کا عزم لیے ہوئے در در دستک دینا شروع کردی۔ عجوبہ پسند لوگ صدر مدرس کے گرویدہ ہوگئے اور بہت سے لوگوں نے اسی وقت ساتھ چلنے کی ہامی بھری بلکہ تیار ہو کر ساتھ ہولیے۔

اپنی ان کوششوں میں صدر مدرس کو کئی گھنٹے لگ گئے اور جب صبح فجر کے قریب وہ مسجد میں پہنچا تو مسجد میں اسحاق اخرس موجود نہیں تھا۔ چند آدمی جو مسجد میں نظر آئے ان سے اسحاق کی بابت دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ اسحاق اپنے حجرے میں موجود ہے اور کلام پاک کی تلاوت کررہا ہے۔

صدر مدرس نے اپنے ساتھ آنے والے ہجوم کو مسجد کے اندر اور باہر ٹھہرایا اور کہا "آپ لوگ اس عجیب الخلقت جوان کو دیکھنے آئے ہیں جو دس سال سے گونگا بہرا تھا۔ اب وہ مزے مزے کی پر لطف باتیں کرتا ہے اور دنیا بھر کی معلومات رکھتا ہے۔ آج آپ لوگ فجر کی نماز اسی کی امامت میں ادا فرمائیں گے۔"

ہجوم نے وضو کرنا شروع کردیا۔ اور صدر مدرس اسحاق اخرس کے پاس گیا اور پوچھا "حضرت! آپ یہاں کیا کررہے ہیں؟"

Marfat.com

اسحاق نے جواب دیا "جناب والا! میں ابھی تک اپنے آپ کو سنبھال نہیں سکا ہوں۔ لوگ مجھ سے جس قسم کی باتیں کرتے ہیں، میں ان کا عادی نہیں ہوں۔ میرے پیرو مرشد کہتے ہیں کہ "اے اسحاق! تجھے اپنے آپ پر نازاں نہیں ہونا چاہیے۔ غرور کے خول سے باہر نکل آ ورنہ تیری زندگی اجیرن ہو جائے گی۔ تو ابھی دنیا اور دنیا والوں سے واقف نہیں ہے حالانکہ تو خود اس لائق ہے کہ دربارِ سرکار سے تجھ کو کوئی اعلیٰ عہدہ دلوا دیا جائے۔"

صدر مدرس حیرت اور سوالیہ نظروں سے اسحاق کو دیکھنے لگا، پوچھا "تو دس سال سے ہم میں رہ رہا ہے اور ہم سب تجھ سے اچھی طرح واقف ہیں مگر میں نے آج تک کسی شخص کو تجھ سے بے تکلف اور ہم کلام ہوتے نہیں دیکھا۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں یہاں تیرا استاد کون ہے جو تجھ کو مشورے دیتا رہتا ہے۔ اگر یہ کوئی پیرو مرشد ہیں تو ان سے ہمیں بھی ملوا۔"

اسحاق ہنسنے لگا اور کہا "میں جس استاد یا پیرو مرشد کی بات کر رہا ہوں۔ اس سے آپ اچھی طرح واقف ہیں یعنی ہر شخص کا اپنا ضمیر کیونکہ محمدؐ عربی سے کسی نے ایک بار یہ سوال کیا تھا کہ ہر جگہ ہمیں عالم، فقیہہ یا قاضی میسر نہیں ہو سکتا لیکن ہمیں کسی سلسلے میں مشورہ درکار ہو اور یہ معلوم کرنا ہو کہ جائز کیا ہے اور ناجائز کیا ہے تو اس سوال کا جواب محمدؐ عربی نے یہ دیا تھا کہ اپنے ضمیر سے معلوم کر لیا کرو، کیا جائز ہے اور کیا ناجائز ہے۔"

اس جواب نے صدر مدرس کو خوش کر دیا اور کہا "میں حیران ہوں کہ یہ ساری باتیں تجھ کو کس طرح معلوم ہو گئیں؟"

اب صدر مدرس نے اسحاق سے درخواست کی "جناب! شہر کی بیشتر آبادی حاکم اور محکوم، قاضی اور اس کے ماننے والے یہ سب یہاں آ چکے ہیں یا آنے والے ہیں۔ وہ تیری اقتدا میں نماز فجر ادا کرنی چاہتے ہیں۔ اس لیے تو ہمارے ساتھ چل اور فجر کی نماز کی امامت کر۔"

اسحاق نے وضو کیا، عمامہ سر پر رکھا اور صدر مدرس کے ساتھ ہاتھ میں ہاتھ ڈالے دونوں مسجد میں داخل ہو گئے۔

ہجوم نے اس گونگے بہرے کو باتیں کرتے دیکھا تو بڑی حیرت ہوئی۔ شہر کے بہت سے لوگ اسحاق سے واقف تھے اسی لیے اس کو گھور گھور کر دیکھ رہے تھے اور انہیں اس پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

صدر مدرس نے ہجوم کے سامنے ایک مختصر سی تعارفی تقریر کی اور کہا "آج وہ نادر روزگار ہستی نماز کی امامت کرے گی۔ میں اگر چاہتا تو یہ شرف و فضیلت خود حاصل کر لیتا لیکن میں نے اس میں آپ

Marfat.com

کو بھی شریک کرلیا۔ آپ کو نہیں معلوم کہ آج میں نے کیسی کیسی خواریاں اٹھائی ہیں۔"

اس کے بعد اس نے اس ہجوم میں وزیر' حاکم شہر اور قاضی کو تلاش کیا۔ وہ اس ہجوم میں کہیں بھی نظر نہیں آئے۔ اس نے افسوس کرتے ہوئے کہا "افسوس! اس سعادت سے وزیر' حاکم اور قاضی محروم رہ گئے کیونکہ انہیں توفیق ایزدی حاصل نہیں تھی۔ اب ہم لوگ اس بزرگ ہستی کے پیچھے نماز فجر ادا کریں گے۔"

امام کی جگہ اسحاق کو دے دی گئی اور بالکل اس کے پیچھے صدر مدرس کھڑا ہو گیا۔ اس نے آہستہ آہستہ اقامت کہی اور اسحاق نے نیت باندھی۔ اس کی اقتدا میں دوسروں نے بھی نیت باندھ لی۔

اب امام نے قرات شروع کی تو تجوید اور مخارج سے لوگ انتہائی حیرت زدہ ہوئے۔ ایسی قرات انہوں نے پہلے کبھی نہیں سنی تھی۔ اس نماز میں لوگوں کو بے انتہا مزہ آیا۔

نماز کے بعد لوگوں نے اسحاق کو گھیرے میں لے لیا۔ کوئی اس کا ہاتھ چومتا تھا' کوئی پیشانی پر بوسے دیتا تھا' کوئی قدموں میں گرا جا رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ جملہ حقوق صدر مدرس محفوظ ہیں۔ صدر مدرس کی کوشش یہی تھی کہ کسی اور کو اسحاق کی قربت حاصل نہ ہو۔

اچانک قاضی آتا ہوا دکھائی دیا۔ قاضی نے پہلے بھی اس گونگے بہرے انسان کو دیکھا تھا اب جو باتیں کرتے دیکھا تو اسے بھی بڑی حیرت ہوئی۔

صدر مدرس نے قاضی کو آگے آنے کا راستہ دیا۔ جب قاضی بھی اسحاق کے قریب پہنچ گیا تو اسحاق نے رعونت کا انداز اختیار کیا۔ اس نے قاضی کو دیکھا تک نہیں۔ جب صدر مدرس نے قاضی کا تعارف کروایا تو اسحاق نے کہا "اس شخص کو تو رات کو بلایا گیا تھا مگر یہ اب آیا ہے۔ کیا یہ کوئی بہت بڑا آدمی ہے۔"

قاضی نے شرمندگی سے کہا "جناب! مجھے افسوس کہ بعض مجبوریوں کی وجہ سے فوری حاضری نہ دے سکا مگر اب آگیا ہوں تو آپ کچھ خیال نہ فرمائیں۔"

صدر مدرس نے قاضی کی سفارش کی "حضرت! آپ ان کا کوئی خیال نہ فرمائیں۔"

قاضی نے بھی مزید معذرت خواہی کی "حضرت! جن کے جتنے رتبے ہوتے ہیں۔ اتنی ہی ان کی مشکلات بھی ہوتی ہیں۔"

اسحاق نے بے نیازی سے کہا "بے شک! اللہ تیری مشکلوں میں اضافہ فرمائے۔"

سامنے جو نظر اٹھائی تو دیکھا کہ حاکم شہر چلا آرہا تھا۔

Marfat.com

صدر مدرس نے بے اختیار کہا "لو حاکمِ شہر بھی آگیا۔"

حاکمِ شہر نے اپنی صفائی پیش کی "میں تو آنا چاہتا تھا مگر یہاں پہنچنے سے پہلے میرے لیے ضروری تھا کہ میں وزیر سے ملوں اور اس سے اجازت چاہوں۔ چنانچہ اس کی اجازت کے بعد میں یہاں آیا ہوں۔"

صدر مدرس نے وزیر کے بارے میں پوچھا "کیا بات ہے وہ ابھی تک نہیں آیا۔ جب کہ اس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ ضرور آئے گا۔"

حاکم شہر نے کہا "اس نے مجھ سے کہا کہ پہلے تم پہنچو بعد میں 'میں بھی پہنچوں گا۔"

اسحاق کو معلوم نہیں کیا سوجھی کہ وہ چپ چاپ اٹھا اور مسجد کے حجرے میں چلا گیا۔ اندر سے قفل لگالیا اور کہا "لوگو! میں نے قفل لگالیا ہے۔ اب یہ اس وقت تک لگا رہے گا جب تک خدا چاہے گا۔ میں اسے اپنے ہاتھ سے نہیں کھولوں گا بلکہ دور ہی سے قفل کو حکم دوں گا کہ یہ کھل جائے اور جب یہ کھل کر خود بہ خود زمین پر گر جائے گا تب میں باہر نکلوں گا۔"

اب باہر سے اسحاق کی خوشامدیں ہونے لگیں۔ صدر مدرس خوشامد کرنے والوں میں سب سے آگے تھا۔ وہ اس طرح خوشامد کر رہا تھا جیسے کوئی ادنیٰ حقیر انسان اپنے ملجا و ماوا سے کرتا ہے۔

قاضی شہر بھی صدر مدرس سے پیچھے نہیں رہنا چاہتا تھا۔ اس نے بہ آواز بلند کہا "حضرت والا! آپ کو اسی خدائے ذوالجلال کی قسم جس نے آپ کو اس کرامت اور منصب جلیل سے نوازا ہے۔ ذرا دروازہ کھولئے اور مشتاقانِ جمال کو شرفِ دیدار سے مشرف فرمایئے۔"

اب اسحاق نے تحکمانہ لہجے میں کہا "اے قفل کھل جا۔"

اور باہر لوگوں نے قفل کے زمین پر گرنے کی آواز سنی۔ دروازہ خود بہ خود کھل گیا اور لوگوں نے دیکھا کہ اسحاق دروازے سے کسی قدر فاصلے پر سر جھکائے بیٹھا ہوا ہے۔

لوگ بے تحاشا اندر داخل ہو گئے اور اسحاق سے کسی قدر فاصلے پر ادب سے بیٹھ گئے۔

قاضی صاحب نے نہایت نیازمندانہ لہجے میں درخواست کی "حضور والا! سارا شہر اس قدرتِ خداوندی پر متحیر ہے۔ اگر حقیقت حال کا چہرہ کسی قدر بے نقاب فرمایا جائے تو بڑی نوازش ہوگی۔"

اسحاق جو اس وقت کا پہلے سے منتظر تھا۔ ریاکارانہ لہجے میں بولا "چالیس روز پیشتر ہی فیضان کے کچھ آثار نظر آنے لگے تھے۔ آخر روز بروز القا ربانی کا سرچشمہ دل میں موجیں مارنے لگا حتیٰ کہ آج رات خدائے قدوس نے اپنے فضلِ مخصوص سے اس عاجز پر علم و عمل کی وہ راہیں کھول دیں کہ مجھ

Marfat.com

سے پہلے لاکھوں رہروانِ منزل اس کے خیال اور تصور سے بھی محروم رہے تھے اور مجھ پر وہ اسرار ورموز اور حقائق منکشف فرمائے کہ جن کا زبان پر لانا بھی مذہبِ طریقت میں ممنوع ہے۔ البتہ مختصراً اتنا کہنے کا مجاز ہوں کہ آج رات دو فرشتے حوضِ کوثر کا پانی لے کر میرے پاس آئے۔ مجھے اپنے ہاتھوں سے غسل دیا اور کہنے لگے "السلام علیکم یا نبی اللہ۔" مجھے جواب میں تامل ہوا اور گھبرایا کہ واللہ اعلم یہ کیا ابتلا ہے۔ ایک فرشتہ بہ زبان فصیح یوں گویا ہوا **یا نبی اللہ افتح ناک بسم اللہ الازلی** "(اے نبی بسم اللہ کہہ کر ذرا منہ تو کھولیے) میں نے منہ کھول دیا اور دل میں بسم اللہ الازلی کا ورد کرتا رہا۔ فرشتے نے ایک سفید سی چیز میرے منہ میں رکھ دی۔"

قاضی شہر نے پوچھا "یہ سفید سی چیز کیا تھی؟"

اسحاق نے جواب دیا "میں نہیں جانتا کہ وہ کیا چیز تھی البتہ اتنا جانتا ہوں کہ وہ شہد سے زیادہ شیریں اور مشک سے زیادہ خوشبودار اور برف سے زیادہ ٹھنڈی تھی اس نعمت خداوندی کا حلق سے نیچے اترنا تھا کہ میری زبان گویا ہو گئی اور میرے منہ سے بے اختیار یہ کلمہ نکلا **اشھدان لا الہ اللہ واشھدوان محمد رسول اللہ** یہ سن کر فرشتوں نے کہا "محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح تم بھی رسول اللہ ہو۔"

میں نے کہا "میرے دوستو! تم یہ کیسی باتیں کر رہے ہو، مجھے اس سے سخت حیرت ہے بلکہ میں تو عرقِ خجالت میں ڈوبا جاتا ہوں۔"

فرشتے کہنے لگے "خدائے قدوس نے تمہیں اس قوم کے لیے نبی مبعوث فرمایا ہے۔"

میں نے فرشتوں سے کہا "تم یہ کس قسم کی باتیں کرتے ہو جبکہ اللہ تعالیٰ نے سیدنا محمد علیہ الصلوۃ والسلام روحی فداہ کو خاتم الانبیا قرار دیا ہے اور آپ کی ذات اقدس پر نبوت کا سلسلہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا ہے تو اب میری نبوت کیا معنی رکھتی ہے؟"

فرشتے کہنے لگے "یہ درست ہے مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت مستقل حیثیت رکھتی ہے اور تمہاری نبوت بالتبع اور ظلی وبروزی ہے۔ بالکل ہارون علیہ السلام کی طرح جو ایک غیر شرعی اور تابع نبی تھے۔"

اسحاق کی عالمانہ، عاجزانہ، مدلل اور مختصر سی روداد نے سبھی کو متاثر کیا۔ ایسا لگتا تھا جیسے لوگ خود کوئی اعتراض کرنے کے قابل نہیں رہے اور انہیں اسحاق کی ہر بات کا یقین تھا۔ قاضیِ شہر، حاکم اور صدرِ مدرس اسحاق کے ادنیٰ خادم نظر آ رہے تھے۔

ہجوم نے اپنے بڑوں کو اتنا گرویدہ اور فدوی دیکھا تو تقریباً سبھی اسحاق کی نبوت پر ایمان لے آئے۔

Marfat.com

لیکن قاضی شہر نے ہجوم کو اسحاق کی نبوت پر ایمان لانے سے روکا اور کہا "لوگو! ابھی بات جاری ہے جب تک اسحاق کو خود اپنی نبوت کا یقین اور اعتبار نہ ہو، ہم کس طرح اسے نبی مانیں گے۔"

صدر مدرس نے اسحاق سے پوچھا "ہاں تو پھر ملائکہ نے آپ کو تلّی و بروزی نبوت کا منصب تفویض فرمایا ہے تو کیا آپ نے اسے قبول کر لیا؟"

اسحاق نے جواب دیا "نہیں۔ میں نے معذوری ظاہر کی اور کہا "دوستو! میرے لیے تو نبوت کا دعویٰ بہت سی مشکلات سے لبریز ہے کیونکہ میں غیر شرعی اور تابع نبی ہونے کی وجہ سے کوئی معجزہ تو دکھا نہیں سکتا اس لیے لوگ میری نبوت پر ایمان نہیں لائیں گے۔ پھر میں کس طرح نبوت کا دعویٰ کروں گا۔"

فرشتوں نے کہا "تو کس معجزے کی بات کرتا ہے۔ ذرا غور کر اللہ نے تجھے بہرا اور گونگا پیدا فرمایا تھا اور لوگوں میں تجھے حقیر کر رکھا تھا پھر تجھے قوتِ سماعت عطا ہوئی اور اس علم سے نوازا جسے تو نے مروجہ طریقوں سے حاصل نہیں کیا اور آج تو جس عالمانہ لب و لہجے میں لوگوں سے بات کرے گا کیا یہ کسی معجزے سے کم ہے۔ تجھے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ آج تو بہترین متکلم اور فصیح و بلیغ شخص ہے۔ جو سالہا سال سے تجھے گونگا اور بہرا دیکھتے چلے آئے ہیں وہ جب تجھے باتیں کرتے دیکھیں گے اور انہیں تیری نبوت کا علم ہو گا تو وہ آنکھیں بند کر کے تیری نبوت پر ایمان لے آئیں گے۔" اب ہر بات شک و شبے سے بالاتر ہو چکی تھی لیکن میں اپنی نبوت پر خود ایمان لانے سے قاصر تھا۔ میں نے پھر اپنی بے بسی کا اظہار کیا اور کہا "جس نبوت پر میں خود شک و شبے کا اظہار کر رہا ہوں لوگ اس پر کس طرح ایمان لائیں گے۔"

شاید فرشتوں کو میری بے قراری کا صحیح علم نہیں تھا۔ میں نے ان سے پوچھا "اچھا میں نبوت کا اعلان کرتا ہوں۔ کیا تم میں سے کوئی یہ بتا سکتا ہے کہ میری نبوت پر سب سے پہلے کون ایمان لائے گا؟"

ایک فرشتے نے جواب دیا "تو اپنی نبوت کا اعلان کر تو سہی پھر دیکھ زمین و آسمان کس طرح تیری تصدیق کرتے ہیں۔"

میں نے فرشتوں سے صاف صاف کہہ دیا "میں ایسی خشک نبوت کو قبول کرنے سے انکار کرتا ہوں جو کسی معجزے سے محروم ہو۔ میں معجزے چاہتا ہوں کیونکہ انسانوں کی اکثریت مجھ سے معجزے طلب کرے گی۔ اس وقت میں انہیں کیا جواب دوں گا۔"

فرشتوں نے کہا "ہم تیری یہ درخواست اللہ کے سامنے پیش کر دیں گے پھر وہاں سے جو جواب

Marfat.com

ملے گا تجھ تک پہنچادیں گے۔"

مجھے کچھ دیر جواب کا انتظار کرنا پڑا۔ آخر مجھے بتایا گیا کہ اللہ نے مجھے جملہ آسمانی کتابوں کا علم ودیعت فرمادیا ہے۔ تمہیں لکھنے کا ہنر بھی دیا گیا ہے اور اب تم کئی زبانوں کے ماہر مانے جاؤ گے اور اب تمہیں کسی اور معجزے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔"

مجھے اب بھی شبہ تھا کہ فرشتوں نے جو کچھ بھی کہا ہے' وہ کس حد تک درست ہے۔ میں نے فرشتوں سے پوچھا "تم نے جو کچھ کہا' وہ کس حد تک درست ہے۔ میں اس پر کس طرح یقین کروں؟"

فرشتے نے مجھ سے کہا "ہم نے جو کچھ کہا اس کا امتحان بہت آسان ہے۔ تم کو قرآن کا علم دیا گیا ہے۔ اب تم قرآن کی آیات کو اس ترتیب سے پڑھ کر سناؤ جس ترتیب سے ان کا نزول ہوا ہے۔"

میں نے قرآن پاک کو دیکھے بغیر اسی ترتیب سے پڑھنا شروع کردیا اور میری ترتیب اتنی درست تھی کہ فرشتے اس کی گواہی دے رہے تھے۔

اس کے بعد ایک فرشتے نے کہا "اب تم توریت کو پڑھ کر سناؤ۔"

اور میں نے کتاب پیدائش سے پڑھنا شروع کردی۔ یہاں تک کہ بات کافی آگے بڑھ گئی تو فرشتوں نے میرے سامنے زبور رکھ دی۔ میں نے اسے بھی پڑھنا شروع کردیا اور دیر تک زبور پڑھتا رہا۔ یہاں تک کہ فرشتے عاجز آگئے۔

مجھے خود حیرت تھی کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے "کیا یہ سارے علوم جو مجھے بخشے گئے ہیں۔ میرے سینے میں ہمیشہ محفوظ رہیں گے؟"

فرشتے نے جواب دیا "ہاں! یہ سارے علوم اس وقت تک تیرے سینے میں محفوظ رہیں گے جب تک تو زندہ رہے گا۔ اس کے بعد تیری نبوت کے ساتھ ساتھ یہ بھی تیرے ساتھ چلے جائیں گے اور تیری نبوت کا چرچا قیامت تک ہوتا رہے گا۔"

"فرشتے دیر تک مجھے نبوت پر آمادہ کرتے رہے اور آخر میں مجھ سے کہا کہ "چاروں آسمانی کتابوں کے علاوہ جو آسمانی صحیفے اترے ہیں' انہیں پڑھ کر سناؤ۔"

جب میں نے آسمانی صحیفوں کو پڑھنا شروع کیا تو بالکل اسی طرح جس طرح ان کی تنزیل ہوئی تھی' اس میں کسی تحریف' تصحیف اور اختلافات قرات کا کوئی شائبہ نہ تھا۔

فرشتے اس کی تصدیق کرتے جاتے تھے۔ آخر میں فرشتوں نے کہا "قم فانذر الناس" (کہ اب کمر ہمت باندھ لے اور لوگوں کو غضب الٰہی سے ڈرا۔)

Marfat.com

یہ کہہ کر فرشتے رخصت ہو گئے اور میں نماز اور ذکر الٰہی میں مشغول ہو گیا۔ "آج رات سے جن انوار و تجلیات کا میرے دل پر ہجوم ہے' زبان اس کی شرح سے قاصر ہے۔"

اب اسحاق نے سر اٹھا کر لوگوں کی طرف دیکھا۔ ہر شخص گم اور کھویا کھویا سا نظر آ رہا تھا۔ قاضیِ شہر' حاکم شہر اور صدرِ مدرس مجسمہ حیرت بنے ہوئے تھے۔ انہیں افسوس تھا کہ وزیر ابھی تک نہیں پہنچا تھا جو کچھ اسحاق نے بیان کیا تھا' اگر وزیر بھی سن لیتا تو بہتر ہوتا کیونکہ اس کے ایمان لانے سے یہ مسئلہ حل ہو جاتا۔

اسحاق امید لگائے بیٹھا تھا کہ اس کی نبوت پر کون ایمان لاتا ہے اور کسے اب بھی تامل ہے؟

آخر صدر مدرس نے غصے میں کہا "یہ بدبخت وزیر کہاں رہ گیا۔ کیا اللہ نے اس کے دل پر مہر لگا دی ہے۔"

قاضی شہر نے کہا "وزیر کے پاس کچھ آدمی بھیجے جائیں جو اس کو کسی بھی طرح یہاں تک لے آئیں۔"

حاکم شہر نے اجازت چاہی "اگر مجھے اجازت دی جائے تو میں وزیر کو یہاں تک لانے کی کوشش کروں گا۔"

اسحاق نے حاکم سے پوچھا "کہیں جانے سے پہلے تو مجھے بتا کہ تو میری نبوت پر ایمان لایا یا نہیں؟"

حاکم شہر نے اعلان کیا "یوں تو میں آپ کی نبوت پر ایمان لے آیا مگر میں وزیر کے سامنے اپنے ایمان کا اعلان کروں گا اس لیے مجھے وقت دیا جائے کہ وزیر کو بھی یہیں لے آؤں اور اس کے سامنے اپنے ایمان لانے کا اعلان کروں اور پھر ہم سب مل کر اس پر دباؤ ڈالیں گے اور اسے آپ پر ایمان لانے پر مجبور کر دیں۔"

صدر مدرس اور قاضی شہر ایک دوسرے کی شکل دیکھ رہے تھے اور یہ نہیں چاہتے تھے کہ حاکم شہر اسحاق کی نبوت پر ایمان لائے بغیر ہی چلا جائے۔

قاضی شہر نے کہا "وزیر کا کچھ پتا نہیں کہ وہ ایمان لائے گا بھی یا نہیں اس لیے ہم سب یہ چاہتے ہیں کہ اس کے آنے سے پہلے ہی ایمان لے آئیں۔"

حاکم شہر کو معلوم نہیں کیوں کچھ تامل تھا جبکہ دوسروں کے دل اعلان و اقرار نبوت کے لیے بے چین و بے قرار ہو رہے تھے۔

اچانک اسحاق نے حاضرین سے پوچھا "کیا تم لوگ میرے چہرے پر انوار و تجلیات کے آثار

Marfat.com

محسوس نہیں کررہے؟"

لوگوں نے متفقہ طور پر اقرار کیا "بے شک آپ کا چہرہ منور اور پراز تجلی ہے۔"

اسحاق نے تحکمانہ لہجہ اختیار کیا اور کہا "لوگوں! جو کچھ میں نے بیان کیا اور وہ میری سرگزشت تھی۔ اس سرگزشت کو سننے بعد میں نے تم کو متنبہ کرتا ہوں کہ جو شخص خدا پر، محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور مجھ پر ایمان لایا اس نے فلاح و رستگاری پائی اور جس نے میری نبوت سے انکار کیا اس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو بے کار کردیا۔ ایسا منکر ابدالآباد جہنم کا ایندھن بنا رہے گا۔"

صدر مدرس نے سب سے پہلے اس کی نبوت کا اقرار کیا جب کہ قاضیِ شہر اس سے بھی پہلے ایمان لانا چاہتا تھا لیکن چالاک صدر مدرس نے اسے اس کا موقع نہیں دیا تھا۔

حاکمِ شہر بدستور پابہ رکاب تھا وہ وزیر سے پہلے اس طرف کوئی قدم اٹھاتے ہوئے ڈرتا تھا۔

جب صدرِ مدرس اور قاضی شہر نے اس پر دباؤ ڈالا کہ پہلے وہ ایمان لے آئے اس کے بعد وزیر کے پاس جائے تو حاکم شہر نے معذرت کرتے ہوئے کہا "اگر میں نے وزیر کی منشا کے خلاف ایمان قبول کرلیا تو وہ مجھے معزول کردے گا جبکہ میں نے یہ منصوبہ بنایا ہے کہ وزیر کے سامنے ایمان لاؤں گا اور اسے بھی ایمان لانے پر مجبور کردوں گا۔ جب ہم دونوں اس نئے دین میں داخل ہوجائیں گے تو پورے شہر کو ایمان لانے پر مجبور کیا جائے گا اور امید ہے کہ اس کا خاطر خواہ اثر پڑے گا۔"

قاضیِ شہر اور صدرِ مدرس نے بے حد دباؤ ڈالا مگر حاکمِ شہر نے اپنی ضد نہیں چھوڑی اور ایمان لائے بغیر ہی وزیر کے پاس پہنچ گیا۔

حاکمِ شہر، وزیر سے ملا اور اس کو ان تمام واقعات کی خبر دی اور کہا "آپ کا وہاں چلنا بے حد ضروری ہے۔"

وزیر نے کہا "رات مجھے بھی چند آدمیوں نے جگا دیا تھا اور وہ مجھے اس شخص کے پاس لے جانا چاہتے تھے۔"

حاکم شہر نے پوچھا "پھر آپ وہاں پہنچے کیوں نہیں؟"

وزیر نے جواب دیا "میں جب تک دوسروں سے یہ تصدیق نہ کرلوں کہ یہ شخص آخر کہتا کیا ہے اس سے نہیں ملوں گا۔"

حاکمِ شہر نے جو کچھ سنا تھا یا جو کچھ معلوم تھا سب کچھ وزیر کے سامنے بیان کردیا اور کہا "اب آپ ہی بتائیں کہ میں کسی ذیلی اور ظلّی نبی پر کس طرح ایمان لاسکتا ہوں جبکہ قرآن اور احادیث سے یہ

Marfat.com

ثابت نہیں ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یا اللہ نے ایسے کسی نبی کی بشارت دے رکھی ہو مجھ کو تو یہ شخص بہت ہی چالاک معلوم ہوتا ہے۔"

وزیر نے پوچھا "یہ شخص اصفہان میں کہاں سے اور کب آیا؟"

حاکم شہر نے جواب دیا "کہتے ہیں کہ دس سال پہلے یہ شخص ملک مغرب سے اصفہان آیا تھا۔ اس وقت یہ بہرا اور گونگا تھا لیکن یہاں آنے سے پہلے وہ کیا تھا کوئی نہیں جانتا۔"

وزیر نے کہا "یہ تیری ذمے داری ہے کہ تو کسی بھی طرح یہ معلوم کر کہ یہ شخص افریقہ کے کس شہر سے یہاں آیا تھا تاکہ اس کی پچھلی زندگی کے حالات معلوم کیے جا سکیں۔"

حاکم شہر نے اپنی بے بسی اور مجبوری کا اظہار کیا "جناب! اب اگر میں اس کے سامنے گیا تو وہاں جتنے لوگ بھی موجود ہوں گے، وہ مجھ پر دباؤ ڈالیں گے کہ میں پہلے تو ایمان لاؤں اس کے بعد کوئی بات کروں۔"

وزیر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا "اچھا تو پھر تو بھی یہیں رہ، میں اس کو یہیں بلوا لیتا ہوں۔"

حاکمِ شہر، وزیر کے پاس رک گیا۔ وزیر کے پیادے اسحاق کے پاس پہنچے اور بتایا کہ وزیر نے اس عجیب و غریب شخص کو اپنے محل میں طلب کیا ہے۔

صدرِ مدرس کو غصہ آیا کہ وزیر کی یہ ہمت کہ وہ اسحاق کو اپنے دربار میں طلب کرے، اس نے بار بار زمین پر پاؤں مارے اور غصے میں کہا "وزیر کی یہ ہمت کہ وہ ایک نبی کو اپنے محل میں طلب کرے۔"

اسحاق نے نرم دلی کا مظاہرہ کیا "یہ کوئی ایسی قابل اعتراض بات نہیں ہے۔ ایک وزیر نبی کو دربار میں طلب کر سکتا ہے کیونکہ واقعات شاہد ہیں کہ ہمیشہ موسیٰؑ فرعون کے دربار میں جایا کرتے تھے۔ جبکہ فرعون ایک بار بھی موسیٰؑ کے گھر میں نہیں گیا۔" اس کے بعد اس نے وزیر کے پیادوں سے کہا "تم لوگ واپس جا سکتے ہو اور وزیر سے کہہ دو کہ مجھے جب بھی فرصت میسر آئی اس سے ملنے آؤں گا۔"

پیادوں نے اصرار کیا کہ وہ ان کے ساتھ ہی وزیر کے دربار تک چلیں لیکن ان کی یہ درخواست مسترد کر دی گئی۔

آخر پیادوں نے دھمکی دی "اگر تم ہمارے ساتھ نہیں گئے تو وزیر کی طرف سے تمہاری گرفتاری کا فرمان بھی جاری ہو سکتا ہے۔"

صدر مدرس نے دھمکی دی "اپنے وزیر سے کہہ دو کہ وہ اللہ کے ایک سچے نبی کو حقیر نہ جانے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس نبی کی بددعاؤں سے وہ برباد ہو جائے۔"

Marfat.com

پیادے کسی ڈر یا خوف کے بغیر اپنی بات پر اڑے رہے اور کہا "تم لوگ بلاوجہ اس جھوٹے نبی کی طرف سے وکالت کرتے ہو اگر یہ سچا ہے تو ہمارے ساتھ چلے۔"

صدر مدرس نے اسحاق کی طرف سے جواب دیا "تم لوگ وزیر سے جاکر کہہ دو کہ وہ خود یہاں آجائے۔ ہم اللہ کے نبی پر دباؤ نہیں ڈال سکتے۔"

پیادوں کی تعداد کم تھی اور اسحاق کو نبی مان لینے والوں کی تعداد بہت زیادہ اس لیے پیادوں نے دھمکی تو دی لیکن عملاً کچھ نہیں کیا۔

قاضی شہر ابھی تک خاموش تھا جب اس نے یہ دیکھا کہ پیادے مرعوب ہو چکے ہیں تو کہنے لگا "تم لوگ وزیر کے ملازم ہو' کیوں اپنی عاقبت خراب کرتے ہو۔ تم اپنی جہالت اور نادانی کی وجہ سے اللہ کے اس نبی کے مقام سے ناواقف ہو اس لیے میرا مشورہ ہے کہ تم واپس جاؤ اور وزیر سے کہہ دو کہ وہ خود یہاں آجائے اور جو کچھ پوچھنا ہو خود آکر پوچھ لے۔"

پیادے واپس چلے گئے اور جو کچھ وہاں دیکھا اور سنا تھا بے کم و کاست وزیر کے سامنے بیان کر دیا۔

وزیر نے پوچھا "جب وہ آنے پر آمادہ نہیں تھا تو تم اسے زبردستی لے آتے۔"

ایک پیادے نے کہا "جناب والا! ہم کل سات آدمی تھے جبکہ نبوت کے دعوے دار کے حامی صدرِ مدرس اور قاضیِ شہر کے علاوہ سیکڑوں وہاں موجود تھے اور ایسا لگتا تھا کہ اگر ہم زبردستی کرتے تو وہ لوگ ہمیں قتل کر دیتے۔"

وزیر نے پیادوں کو ہٹا کر حاکم شہر سے مشورہ کیا "آخر اس شخص میں ایسی کون سی خوبی ہے کہ اچانک اس کے سیکڑوں حامی پیدا ہو گئے؟"

حاکم شہر نے جواب دیا "جہاں تک میں جانتا ہوں یہ شخص دس سال پہلے بہرا گونگا آیا تھا اور اب اچانک وہ باتیں کرنے لگا ہے اور اس کو کئی زبانوں پر عبور حاصل ہے۔ وہ چاروں الہامی کتابوں اور صحیفوں کو پڑھنے اور سمجھنے اور ان کے مفاہم کو بیان کرنے پر غیر معمولی قدرت رکھتا ہے اسی لیے لوگ اس کے گرویدہ ہو گئے ہیں۔"

وزیر نے حیرت سے پوچھا "کیا یہ جو کچھ تو نے بتایا درست ہے؟"

حاکم شہر نے جواب دیا "میں نے جو کچھ دوسروں سے سنا ہے' وہ بیان کر دیا ہے۔ بہتر ہو گا کہ اس کو کسی بھی طرح یہاں آنے پر مجبور کر دیا جائے اور آپ خود اس کا امتحان کر لیں۔"

وزیر نے فکرمند لہجے میں کہا "میں نے اس کو بلوایا تھا لیکن وہ یہاں نہیں آیا۔ سوچتا ہوں ایک

Marfat.com

فوجی دستہ بھیج کر اس کو اٹھوالوں۔"

حاکم شہر ہر حال میں اپنا ایمان بچانا چاہتا تھا کیونکہ اس کا ایمان تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اس لیے یہ شخص جھوٹا ہے۔ اس نے وزیر کو مشورہ دیا کہ اسحاق کو کسی بھی طرح محل میں بلوالیا جائے اور اس سے باتیں کر کے معاملے کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کی جائے۔

ابھی وزیر نے فوجی دستہ بھیجنے کا سوچا ہی تھا کہ اسحاق، قاضی شہر، صدر مدرس اپنے سیکڑوں ارادت مندوں کے ساتھ وزیر کے پاس خود پہنچ گیا۔

وزیر نے اسے عزت و احترام سے بٹھایا اور پوچھا "اے اسحاق! یہ تو نے کیسا ہنگامہ برپا کر رکھا ہے۔"

اسحاق نے جواب دیا "میں نے کوئی ہنگامہ برپا نہیں کیا۔ اللہ نے مجھ پر مہربانی کی کہ مجھ گونگے بہرے کو اپنی رحمتوں سے نواز دیا۔ اب اگر اس سے کوئی ہنگامہ کھڑا ہوتا ہے تو میں کس حد تک خطا کار یا گناہ گار ٹھہروں گا۔"

وزیر نے صدرِ مدرس سے پوچھا "تم اس شخص کے بارے میں کیا جانتے ہو؟"

صدرِ مدرس نے جواب دیا "دس سال پہلے جب یہ ہمارے مدرسے میں آیا تو بہرا اور گونگا تھا۔"

وزیر نے سوال کیا "پھر اس گونگے بہرے کو تو نے رہنے کے لیے حجرہ کیوں دے دیا؟"

صدرِ مدرس نے جواب دیا "از راہِ ہمدردی اور یہ سوچ کر کہ اس شہر میں بے کار آدمی کو کون رکھے گا۔"

وزیر نے طنزیہ سوال کیا "اصفہان شہر میں تم کس کس سے ہمدردی کرتے رہے ہو اور کتنوں کو رہنے کے لیے حجرے دیتے رہے ہو؟"

صدر مدرس نے جواب دیا "صرف اسحاق کو اور کسی کو نہیں۔"

وزیر نے پوچھا "ان دس سالوں میں اس کی گزر بسر کس طرح ہوتی رہی؟"

صدر مدرس نے جواب دیا "فی سبیل اللہ۔ ہم نے اس سے کبھی کوئی رقم نہیں لی۔"

اب وزیر قاضی شہر سے مخاطب ہوا اور پوچھا "ہاں تو جناب قاضی صاحب! سننے میں آیا ہے کہ آپ بھی اس کی نبوت کا اقرار کر چکے ہیں۔ کیا آپ کو یہ نہیں معلوم کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا؟"

قاضی شہر نے جواب دیا "مجھے اس کا یقین ہے لیکن یہ اپنی نبوت کے سلسلے میں جو کچھ کہتا ہے اس

Marfat.com

کو آپ بھی غور سے سنیں۔ اس کے بعد آپ یہ فیصلہ کریں گے کہ اس کی نبوت شک و شبے سے بالا تر ہے۔"

وزیر کو غصہ آرہا تھا بگڑ کر کہا "تو قاضیِ شہر ہونے کے باوجود کیسی گمراہی کی باتیں کر رہا ہے۔"

قاضی نے بھی غصہ دکھایا اور کہا "اتنی بین نشانیوں کے بعد بھی اگر آپ اس کی نبوت کا اقرار نہیں کریں گے تو اپنے ساتھ ظلم کریں گے۔"

وزیر کو بھی طیش آیا اور اس نے قاضی کے رخسار پر طمانچہ رسید کیا۔ "جب ایک مسلمان کی حیثیت سے ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔ ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا تو تو فضول باتیں کیوں کر رہا ہے؟"

قاضی شہر نے گال سہلاتے ہوئے کہا "جب کسی کے پاس دلیلیں ختم ہو جاتی ہیں تو وہ مار پیٹ کرنے لگ جاتا ہے' آپ اسحاق کی پوری بات تو سنیں' اس کے بعد کوئی فیصلہ کریں۔"

اب اسحاق نے مداخلت کی اور کہا "میری نبوت ہارون جیسی ہے۔ جس طرح حضرت موسیٰؑ کی موجودگی میں ہارون بھی نبی تھے۔ اسی طرح ملتِ اسلامیہ میں' میں بھی نبی ہوں۔ ذیلی اور ظلّی اور بروزی نبی' موقتی نبی۔ جس کی اپنی کوئی شریعت نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر سایہ نبی ہوں کیونکہ جب فرشتوں نے مجھ سے کہا کہ تو نبی ہے تو میں خود حیران ہو گیا تھا اور فرشتوں سے کہا تھا کہ یہ میرا ایمان ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا تو میں کس طرح نبی ہو سکتا ہوں۔ جس کا فرشتوں نے یہ جواب دیا کہ میں ذیلی اور ظلّی نبی ہوں میری اپنی کوئی شریعت نہیں ہے۔"

وزیر نے پوچھا "تو دس سال پہلے کہاں رہتا تھا یعنی یہاں اصفہان میں آنے سے پہلے؟"

اسحاق نے جواب دیا "چونکہ میں بہرا اور گونگا تھا اس لیے میں کچھ نہیں جانتا کہ جہاں میں رہتا تھا اس کا کیا نام تھا؟"

وزیر نے مزید استفسار کیا "کیا تو اپنے خاندان اور بزرگوں کے بارے میں کچھ بتا سکے گا؟"

اسحاق نے جواب دیا "میں نے کہہ تو دیا کہ جب میں بہرا اور گونگا تھا تو اس زمانے کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتا۔ چہروں سے انہیں پہچان سکتا ہوں لیکن ان شکلوں سے میرا کیا رشتہ تھا' میں نہیں جانتا۔"

وزیر نے اس کو منع کیا "میں تجھ کو حکم دیتا ہوں کہ تو اپنی نبوت کے دعوے سے باز رہ۔ اس وقت

Marfat.com

تک جب تک میں تیرے ماضی سے اچھی طرح واقف نہ ہو جاؤں۔ تیرے وطن اور آباؤ اجداد کا پتا نہ چلالوں۔ مجھ کو تیرے دعوے میں گڑبڑ نظر آتی ہے۔"

صدرِ مدرس نے اسحاق کی حمایت کی اور کہا "جب اسحاق کے دس سال ہمارے سامنے ہیں تو سوچنے کی بات تو یہ ہے کہ یہ پیدائشی گونگا اور بہرا شخص ایک دم کس طرح گویا ہو گیا اور اسے کس طرح کئی زبانوں پر عبور حاصل ہوا اور اسے کس طرح الہامی کتابوں اور صحیفوں کا مدلل اور غیر معمولی علم حاصل ہوا۔"

وزیر نے ان باتوں کا کوئی اثر نہیں لیا اور کہا "بہرحال میں اس شخص کو منع کرتا ہوں کہ یہ اپنی نبوت کے دعوے سے باز رہے ورنہ میں سختی پر مجبور ہو جاؤں گا۔"

اسحاق نے درشت لہجہ اختیار کیا "مجھے اللہ کے فرشتوں نے جو حکم دیا ہے۔ میں اسے پورا کروں گا۔"

وزیر نے بھی سختی ظاہر کی اور کہا "اگر تو باز نہ آیا تو میں طاقت کا استعمال کروں گا اور تجھ کو قید خانے میں ڈلوا دوں گا۔ جہاں سے تو مر کر ہی نکل سکے گا۔"

اسحاق اپنے ارادت مندوں پر اکڑ رہا تھا جو سیکڑوں کی تعداد میں محل کے باہر موجود تھے اور اسے یقین تھا کہ یہ سیکڑوں چند دنوں میں ہزاروں ہو جائیں گے اور پھر یہ ہزاروں لاکھوں کی شکل اختیار کر لیں گے۔

وزیر نے صدرِ مدرس سے کہا "مجھ کو ایسا لگتا ہے کہ اس فتنہ کا روح رواں تو ہے۔ تیرے خلاف ایک مقدمہ بھی زیرِ سماعت ہے کہ تو آدھی رات کو شہر کا صدر دروازہ زبردستی کھلوا کر اندر داخل ہو گیا اور تیرے پیچھے چلنے والوں نے فصیل کو کئی جگہ سے نقصان پہنچایا۔"

صدرِ مدرس نے اسحاق کی حمایت جاری رکھی "جناب! میں اس شخص پر ایمان لا چکا ہوں اگر کوئی اور میری جگہ ہوتا تو وہ بھی ایمان لے آتا۔ میرے سامنے اسحاق کا دس سالہ ماضی ہے اور میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں آپ کو کس طرح قائل کروں۔ بس اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ آپ کو توفیق دے اور آپ کے دل و دماغ پر وہ سب منکشف ہو جائے جو مجھ پر منکشف ہو چکا ہے۔"

وزیر نے صدرِ مدرس کو بھی پابند کر دیا "تو بھی اپنی زبان بند رکھے گا اور میری اجازت کے بغیر تو مدرسہ چھوڑ کر کہیں اور نہیں جائے گا۔"

اب وزیر، قاضی شہر سے مخاطب ہوا۔ "تو قاضی ہے اور قاضی کو اتنا ضعیف الاعتقاد نہیں ہونا

Marfat.com

چاہیے۔"

قاضی شہر نے جواب دیا "جناب! اسحاق کے پاس آیات بینات ہیں' ان کی موجودگی میں کسی اور بات کی ضرورت باقی نہیں رہتی اس لیے مجھے آپ گمراہی کا طعنہ نہ دیں۔"

وزیر نے قاضی کو بھی حکم دیا "اب تو بھی خود کو اپنے گھر میں قیدی سمجھ' اپنی زبان بند رکھ اور اس دوران میں اس جھوٹے نبی کے بارے میں تیری زبان سے کچھ نہ سنا جائے۔ یہاں تک کہ نہ تو تجھ سے یہ جھوٹا نبی ملے گا اور نہ تو اس سے ملاقات کرے گا۔"

وزیر نے اسحاق کے سوا سبھی کو جانے کی اجازت دے دی اور اسحاق سے کہا "تو ہمارا اس وقت تک مہمان ہے جب تک میں تیرے ماضی کی اچھی طرح چھان بین نہ کرلوں۔"

وزیر کے اس اعلان سے ہر کوئی ناخوش ہوا اور صدر مدرس سے کہا "آپ ایسا حکم نہیں دے سکتے۔ آپ اس شخص کو قید کرنا چاہتے ہیں تو یہ آپ کے حق میں بہت برا ہوگا کیا آپ کو یہ نہیں معلوم کہ محل کے باہر اسحاق کے سیکڑوں حامی موجود ہیں اور جب وہ یہ سنیں گے کہ اسحاق کو آپ نے قید کردیا ہے تو وہ باہر ہنگامہ کردیں گے۔"

وزیر نے غصے میں حکم دیا "اسحاق کے ساتھ قاضی شہر اور صدر مدرس کو بھی قید کردیا جائے اور باہر جو اصفہانی موجود ہیں انہیں حکم دیا جائے کہ وہ یہاں سے چپ چاپ چلے جائیں اور اگر وہ میرا حکم نہ مانیں تو انہیں فوجی دستے کے حوالے کردیا جائے۔"

اسحاق' صدر مدرس اور قاضی شہر کو محل کے ایک حصے میں قید کردیا گیا اور محل کے باہر ہجوم کو ڈنڈوں سے منتشر کردیا گیا۔

لیکن ان منتشر ہونے والوں نے اپنا کام شروع کردیا اور افواہوں کی شکل میں اسحاق کی عجیب وغریب شخصیت کی تبلیغ ہونے لگی۔ اصفہان کے بہت سے لوگ بہرے اور گونگے اسحاق سے اچھی طرح واقف تھے اس لیے اس کی نبوت کے سلسلے میں کسی کو زیادہ محنت بھی نہیں کرنی پڑی اور اسحاق کی نبوت اصفہانیوں میں مقبول ہونے لگی اور یہ ہوا ایسی چلی کہ حاکم شہر اور وزیر کئی ہفتے اس سے بالکل بے خبر رہے۔

ابتدا میں شہر کے کئی چوراہوں پر یہ صدا بلند ہوئی کہ اللہ کے نبی کو چھوڑا جائے۔

اور پھر یہی نعرہ اصفہان کے گلی کوچوں سے بلند ہونے لگا۔

آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ حاکم شہر نے وزیر سے کہا "اگر ہم نے اس مسئلے پر فوری توجہ نہ دی تو

Marfat.com

پھر یہ مسئلہ خطرناک صورت بھی اختیار کر سکتا ہے۔"

وزیر نے کہا "تو اس کی تو فکر ہی نہ کر۔ میں ان بلوائیوں پر قابو رکھوں گا۔ تو کسی بھی طرح اسحاق کے خاندان اور وطن کا پتا لگا۔ بس ہم اسی طرح اس فتنے کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں گے۔"

حاکم شہر نے کہا "گو کہ کام دشوار ہے مگر اللہ اور اس کے نبی نے چاہا تو میں اسحاق کے وطن اور خاندان تک پہنچنے میں کامیاب ہو جاؤں گا اور آپ یہ سمجھ لیں کہ کام کا آغاز ہو گیا۔"

حاکمِ شہر مہینوں کی جستجو کے بعد اسحاق کے بارے میں صرف اتنا پتا چلا سکا کہ یہ شخص مراکش، تیونس اور الجزائر میں سے کسی ایک جگہ کا رہنے والا ہے۔ ان تینوں جگہوں میں سے خاص اس جگہ کا پتا چلانا جہاں سے اسحاق کا تعلق ہو سکتا تھا بہت مشکل کام تھا۔ اسحاق نے دس سال تک بہرے گونگے کی اداکاری کر کے اپنے آبائی وطن پر ایسا دبیز پردہ ڈالا تھا کہ اب اس کا پتا چلانا تقریباً ناممکن ہو گیا تھا۔ بس ایک صورت ایسی تھی کہ جس سے اسحاق کی وطنیت کا کچھ پتا چل سکتا تھا۔ وہ یہ کہ اصفہان میں ہر سال دور دراز ملکوں سے لوگ آیا کرتے تھے اور ان میں سے اتفاق سے کوئی ایسا آدمی آجائے جو اسحاق کو اس کے ماضی سے جانتا ہو۔

اب اصفہان کی سرائے کے چکر لگنے لگے۔ وہ ہر روز صبح، دوپہر، شام سرائے پہنچ جاتا اور شمالی مغربی افریقہ کے مسافروں کی جستجو میں رہتا لیکن وہ کئی ماہ کی مسلسل جدوجہد کے بعد بھی کسی ایسے شخص کو پانے میں ناکام رہا جس کا تعلق مراکش، تیونس یا الجزائر سے ہوتا۔ جب اس کوشش میں بھی ناکامی ہوئی تو حاکم شہر نے ایک دوسرا طریقہ اختیار کیا۔ اس کا اپنے وزیر سے مسلسل رابطہ قائم تھا۔

اصفہان میں اسحاق کے ماننے والوں کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس نئے نبی کے ماننے والوں پر سختیاں ہونے لگیں۔

اصفہان کے راسخ العقیدہ اور دین دار مسلم بہت پریشان تھے۔ انہیں خوف تھا کہ کہیں پورا اصفہان اس جھوٹے نبی کے چکر میں نہ آجائے۔

یہ خبریں سامرہ بھی پہنچ رہی تھیں اور سامرہ میں پہلے عباسی خلیفہ ابوالسفاح کا انتقال ہو چکا تھا اس کی جگہ اس کے بھائی ابو جعفر منصور نے مسندِ خلافت سنبھالی تھی۔ خلیفہ بنتے ہی اس نے اپنے لیے پایہ تخت کی حیثیت سے جس جگہ کا انتخاب کیا تھا اس کا نام سرمن رائے رکھا تھا۔ سرمن رائے کا مطلب تھا وہ جگہ جسے میں نے پسند کیا۔ بعد میں سرمن رائے مختصر ہو کر سامرہ ہو گیا۔ یہ اب بھی بغداد کے محاذی کسی قدر فاصلے پر موجود ہے۔

Marfat.com

ابو جعفر منصور کو اس کے واقعہ نویس نے خبر دی کہ اصفہان میں ایک جھوٹا نبی پیدا ہو گیا ہے اور یہ جھوٹا نبی تقریباً پورے اصفہان کو گمراہ کر چکا ہے۔ اگر اس فتنے پر جلد قابو نہ پایا گیا تو یہ اصفہان سے نکل کر قرب و جوار کے دوسرے شہروں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔

اس نے اصفہان میں جس وزیر کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا تھا اس کو حکم دیا گیا "جھوٹے نبی کو گرفتار کر کے سامرہ روانہ کر دیا جائے۔"

وزیر نے حاکم شہر سے مشورہ کیا اور پوچھا "اب تو بتا کہ اسحاق کو خلیفہ ابو جعفر کے حوالے کیا جائے یا نہ کیا جائے کیونکہ خلیفہ تو اس کو فوراً قتل کروا دے گا اور اس قتل سے اسحاق کے رازوں پر ایسا پردہ پڑے گا کہ پھر کبھی اٹھانا ناممکن ہو جائے گا۔"

لیکن ابو جعفر منصور کے غیظ و غضب سے ہر کوئی واقف تھا۔ یہ خلیفہ اپنے علم و فضل میں کوئی ثانی نہ رکھتا تھا۔ بڑے بڑے فقیہہ اور علما بھی اس کے علم و فضل کے قائل تھے۔ وزیر بھی خوب جانتا تھا کہ ابو جعفر منصور کو باتوں سے نہیں بہلایا جا سکتا۔ کچھ دن تو حاکم ٹال مٹول سے کام لیتا رہا مگر جب دوسرا فرمان پہنچا کہ اس جھوٹے نبی کو فوراً سامرہ روانہ کیا جائے تو وزیر گھبرا گیا اور اس کو حاکم شہر کی نگرانی میں سامرہ روانہ کر دیا۔ ابھی وہ اصفہان سے نکلا بھی نہیں تھا کہ اس پر اسحاق کے ماننے والوں نے حملہ کر دیا اور معمولی سی جدوجہد کے بعد اسحاق کو آزاد کرا لیا اور اس کو شہر کے باہر کسی ایسی جگہ چھپا دیا جہاں وزیر یا خلیفہ کی پہنچ ممکن نہ تھی۔

اسحاق اپنے پرستاروں کا شکر گزار تھا اور اس کو یہاں بھی صدر مدرس اور قاضی شہر کا بڑا خیال تھا جو ابھی تک وزیر کی قید میں تھے اور ان دونوں کی رہائی بھی اسحاق کی رہائی کی طرح بہت ضروری تھی۔

جس شخص نے اسحاق کو رہائی دلوائی تھی۔ اس کا نام ابو حنف تھا اور اس کے دو خاص ساتھی اسعدی اور بکیر تھے۔ ابو حنف کا خیال تھا کہ اسحاق ایک ایسا قیمتی شخص اس کے ہاتھ آ گیا تھا جس کے ذریعے ایک حکومت قائم کی جا سکتی تھی لیکن وہ اتنا بڑا کام اسحاق کی منظوری اور اجازت کے بغیر نہیں انجام دے سکتا تھا۔ وہ اسحاق کے سامنے دو زانو بیٹھ گیا اور عرض کیا "حضرت! میں نے آپ کو وزیر کی قید سے رہائی دلوائی اب آپ حکم دیں کہ مجھے اور کیا کرنا چاہیے؟"

اسحاق نے جواب دیا "وہی سب کچھ جو ایک نبی کے پیرو ماضی میں اپنے نبی کے لیے کرتے رہے ہیں یعنی اپنے دین کی ترویج و اشاعت۔"

ابو حنف نے کہا "یہ کام اتنا آسان نہیں ہے، بہت دشوار ہے۔ کیونکہ ہمارے پاس فی الحال کوئی

Marfat.com

فوج بھی نہیں ہے۔" اس مسئلے پر دیر تک باتیں ہوتی رہیں اور یہ طے پایا کہ فی الحال جنگ وجدل سے گریز کیا جائے اور پرامن طریقے سے اپنے دین کی اشاعت کی جائے اور ساتھ ہی اپنے ارادت مندوں کو فوجی تربیت بھی دی جائے۔ جب یہ فوج اس لائق ہو جائے کہ عباسی فوجیوں کا مقابلہ کر سکے تو جنگ وجدل کی راہ اختیار کی جائے۔ یہ کام طویل اور صبر آزما ضرور ہے مگر اس کے نتائج بہت اچھے نکلیں گے۔"

یہ بات کسی کو بھی معلوم نہیں تھی کہ بکیر، وزیر اور حاکم شہر کا آدمی ہے اور اسحاق کی حقیقت جاننے کے لیے اسحاق کے قریب پہنچایا گیا ہے کہ کسی بھی طرح اسحاق کے ماضی کو کرید کر اس کے وطن تک پہنچنے کی کوشش کرے۔

ابو حنف، بکیر اور اسعدی میں مشورے ہوتے رہتے۔ بکیر نے اسحاق کا بہت زیادہ قرب حاصل کر لیا وہ اپنی باتوں سے اسحاق کا سب سے بڑا جاں نثار نظر آتا تھا۔

وہ اکثر و بیشتر اسحاق سے کہتا رہتا تھا "نبیوں کی اپنی شہروں میں عزت نہیں ہوتی۔ وہ ہمیشہ غیروں میں عزت پاتے ہیں لیکن ہر نبی کا وطن اس کی وجہ سے مقدس حیثیت اختیار کر جاتا ہے۔ میری بھی یہی خواہش ہے کہ آپ کے وطن کو وہ مقام حاصل ہو جو یروشلم کو حضرت عیسیٰؑ کی وجہ سے حاصل ہوا اور مکے کو محمدؐ ابن عبداللہ کی وجہ سے ملا۔"

اسحاق نے اس مسئلے پر سکوت اختیار کیا کیونکہ وہ خوب جانتا تھا کہ اس نے جس دن بھی اپنے وطن کا ذکر کر دیا، اس کے سارے منصوبے کو زوال آنا شروع ہو جائے گا۔

اسحاق کے سامرہ نہ پہنچنے کی وجہ سے خلیفہ ابو جعفر منصور بہت برہم تھا اور جب اسے معلوم ہوا کہ اسحاق کے ماننے والے جنگ وجدل کی تیاریاں کر رہے ہیں تو اس نے سختی سے اپنے نمائندہ وزیر کو لکھا "کیا بات ہے کہ تو اب تک اس معمولی آدمی پر قابو نہیں پا سکا۔ کیا میں تیری جگہ کسی اور کو بھیج دوں۔ میں صرف دو ماہ انتظار کروں گا۔ اس کے بعد تیرا کوئی عذر یا حیلہ مجھے مطمئن نہ کر سکے گا۔"

وزیر نے حاکم شہر سے کہا "اگر تو اسحاق کو دوبارہ گرفتار نہ کر سکا تو میں تجھ کو ملازمت سے نکال دوں گا اور تیری جگہ اس شخص کو حاکم بناؤں گا جو اسحاق کو گرفتار کر کے مجھے سرخرو کرے گا۔"

حاکم شہر نے کہا "آپ امیر المومنین کو لکھ دیں کہ اسحاق کی گرفتاری کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اگر اس کو گرفتار کر کے سامرہ روانہ کر دیا گیا اور وہاں اسے قتل کر دیا گیا تو اس طرح یہ مظلوم ہو جائے گا اور ہمیں زندگی بھر اس کے حامیوں سے جنگ کرنی پڑے گی اور یہ حامی اپنی تعداد میں اضافہ کرتے چلے

Marfat.com

جائیں گے۔ جب تک میں اسحاق کے وطن کا پتا نہیں چلا لیتا اس وقت تک میں جنگ سے باز رہنا چاہتا ہوں اور اللہ نے چاہا تو اب میں بہت جلد اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤں گا۔"

ابو جعفر منصور کو لکھ دیا گیا "امیر المومنین! اک ذرا صبر سے کام لیں۔ میں اور حاکم شہر اس جھوٹے نبی اسحاق کی سات پشتوں تک پہنچنا چاہتے ہیں کیونکہ اس جھوٹے نبی کی جان اس کی پشتوں میں ہے۔"

خلیفہ کی طرف سے کچھ وقت اور مل گیا اور اب حاکم شہر بکیر کے پیچھے پڑ گیا اور خفیہ طریقوں سے بکیر کو حکم دیا "دور دراز علاقوں سے آنے والوں پر گہری نظر رکھی جائے ان کی باتیں سنی جائیں اور افریقہ کے شمال مغرب سے آنے والوں پر خاص توجہ دی جائے۔"

آخر چھ ماہ کی جدوجہد کے بعد ایک بوڑھا مل گیا۔ یہ شخص الجزائر سے آیا تھا اور اسے اسحاق کی جستجو تھی۔ یہ بالکل اتفاق کی بات تھی کہ عبدالرحمٰن نامی اس بوڑھے نے سرائے میں قیام کیا اور وہاں لوگوں سے یہ پوچھا کہ مجھے وہ شخص کہاں ملے گا جس کا نام اسحاق ہے اور جو دس سال تک بہرا اور گونگا رہا اس کے بعد اچانک نبی بن گیا۔

حاکمِ شہر تو عرصے سے ایسے شخص کی تلاش میں تھا۔ وہ جیسے ہی عبدالرحمٰن سے ملا' عبدالرحمٰن کو اپنے قبضے میں لے لیا۔ عبدالرحمٰن کی نگرانی اس طرح کی جانے لگی کہ عبدالرحمٰن اسے محسوس نہ کر سکے۔ اس نے عبدالرحمٰن سے اسحاق کی بڑی تعریفیں کیں اور کہا "افسوس کہ میں خود بھی اس کی لیاقت اور قابلیت کا بے حد قائل ہوں۔ پہلے وہ ہمارے ساتھ ہی رہتا تھا مگر میرے حاکم شہر ہونے کی وجہ سے اس نے مجھ پر اعتبار کرنا چھوڑ دیا اور اپنے ماننے والوں کے ساتھ کہیں روپوش ہو گیا۔ اب ہم اس کو آسانی سے نہیں پا سکتے۔"

بوڑھے عبدالرحمٰن نے کہا "میں اپنے جس اسحاق کو تلاش کر رہا ہوں اس کے گلے میں ایک بڑا سا مسا ہے اور اس کی آنکھیں ہمیشہ سوئی سوئی سی رہتی ہیں۔ یعنی مخمور اور خوابیدہ آنکھیں۔"

حاکمِ شہر کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی کیونکہ اسحاق میں یہ ساری چیزیں موجود تھیں۔ اس نے کہا "بے شک یہ وہی انسان ہے جس کی تلاش میں تو یہاں آیا ہے۔ میں تجھ کو اس سے ملوا دوں گا مگر اس سے پہلے تو مجھے یہ بتا کہ "تو کہاں سے آیا ہے؟"

عبدالرحمٰن نے جواب دیا "میں الجزائر سے آیا ہوں اسحاق کا تعلق بھی الجزائر سے ہے۔"

اب حاکمِ شہر کی حالت دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی ایسا لگتا تھا جیسے کوئی خزانہ اس کے ہاتھ لگ گیا ہو۔

Marfat.com

عبدالرحمٰن نے اس کو بتایا "اسحاق کا بہت بڑا خاندان ہے۔ اس کے کئی بھائی ہیں' کئی بہنیں ہیں۔ اس کے والدین ابھی زندہ ہیں اور اپنے گمشدہ بیٹے کا انتظار کر رہے ہیں۔ سب سے زیادہ لائق ان کا یہی بیٹا تھا اور اسی سے انہوں نے امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں لیکن اسحاق کی اچانک گمشدگی نے والدین کو اتنا پریشان کیا جتنا حضرت یعقوبؑ کو حضرت یوسفؑ کی گمشدگی نے کیا ہو گا۔"

حاکمِ شہر نے کہا "لیکن بڑے میاں آپ نے اپنے اسحاق کی جو علامتیں اور نشانیاں بیان کی ہیں وہ اس اسحاق میں بھی پائی جاتی ہیں مگر سب سے بڑی نشانی آپ بتانا بھول گئے۔"

عبدالرحمٰن نے پوچھا "کون سی بڑی نشانی کیا یہ کہ اس کا سر غیر معمولی بڑا ہے؟"

حاکمِ شہر نے کہا "ہاں! اس کا سر بھی بہت بڑا ہے مگر ذرا سوچیں ایک ایسی علامت ہے جو کم لوگوں میں ملے گی اور اسی علامت کی وجہ سے وہ دس سال تک لوگوں کے رحم و کرم پر رہا۔"

عبدالرحمٰن نے اپنے حافظے پر زور دیا اور کہا "میرے خیال میں اس میں کوئی ایسا نقص یا خرابی نہیں تھی جس سے وہ دوسروں کی ہمدردی کا مستحق قرار پاتا۔"

حاکم شہر نے بتایا "جب وہ اصفہان سے آیا تھا تو وہ بہرا اور گونگا تھا مگر دس سال بعد اس کی قوت گویائی اور اس کی علمیت ہم سب کی حیرت کا سبب بن گئی۔"

عبدالرحمٰن نے کہا "میں جس اسحاق کی تلاش میں آیا ہوں' وہ بہرا اور گونگا نہیں تھا اس نے تو الجزائر کے بڑے بڑے علماؒ سے تعلیم حاصل کی تھی۔ وہ بہترین محرر تھا اور بہترین مقرر بھی۔ میں اگر ایک نظر اس کو دیکھ لوں تو پہچان لوں گا۔"

حاکمِ شہر نے اس کو ڈرایا "آپ جس اسحاق کی تلاش میں یہاں آئے ہیں؟ بے شک یہی وہ شخص ہے مگر میں آپ کی زندگی کو خطرے میں محسوس کرتا ہوں۔ اسحاق آپ کو قتل کروا دے گا۔ وہ کسی ایسے شخص کو برداشت نہیں کر سکتا جو اس کے ماضی سے واقف ہو۔ وہ بہت بڑا منصوبہ ساز ہے اور یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہمیں ایک عرصے سے جس شخص کی تلاش تھی وہ ہمیں آپ کی شکل میں مل گیا۔"

یہ ساری باتیں عبدالرحمٰن کی سمجھ سے بالاتر تھیں۔

حاکمِ شہر نے کہا "آپ بالکل پریشان نہ ہوں' میں آپ کو سب کچھ بتا دوں گا۔ آپ کچھ دن ہمارے ساتھ رہیں اور بس۔"

حاکمِ شہر نے وزیر سے بوڑھے عبدالرحمٰن کا ذکر کیا اور بتایا "ہمیں جس شخص کا انتظار تھا یا تلاش تھی' وہ اتفاق سے ہمیں مل گیا ہے لیکن اس کی سخت نگرانی کی ضرورت ہے۔"

Marfat.com

اور اس نے عبدالرحمٰن کو وزیر سے ملوا دیا۔ دونوں کی سمجھ میں یہ بات آگئی تھی کہ الجزائر سے چل کر اصفہان تک آنے والے اسحاق کی کیا منصوبہ بندی تھی لیکن یہ بات قابل داد تھی کہ اسحاق دس سال تک بہرا اور گونگا بنا رہا۔

حاکم شہر نے بکیر کو بتایا۔ "ہمیں اتفاق سے الجزائر کا ایک بوڑھا مل گیا ہے جو اس جھوٹے نبی کی سات پشتوں سے واقف ہے لیکن ابھی میں اس بوڑھے کو اسحاق سے دور رکھنا چاہتا ہوں اور نفسیاتی طور پر اسحاق کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میں یا اصفہان کے لوگ اسحاق کی حقیقت سے واقف ہو گئے ہیں۔"

بکیر نے کہا "اسحاق بہت چالاک انسان ہے۔ اس کا جادو لوگوں پر چل گیا ہے اسے کسی طرح اتارنا بہت مشکل ہے۔"

بکیر کو ابھی تک عبدالرحمٰن سے نہیں ملوایا گیا تھا۔ حاکم شہر اور وزیر کو بکیر پر بھی بھروسا نہیں تھا کیونکہ اسحاق کی صحبت میں رہنے والوں پر اس کا جادو کام کر رہا تھا۔

اسی دوران میں شہر میں اسحاق کا چرچا اس طرح ہونے لگا کہ اسحاق کا بوڑھا باپ رزاق اور دو بھائی یعقوب اور یوسف اصفہان آچکے ہیں وہ ایک عرصے سے اسحاق کو تلاش کر رہے ہیں۔ یہ لوگ الجزائر سے آئے ہیں۔

بکیر نے یہ خبر اسحاق کو پہنچادی اور کہا "حضور والا! الجزائر سے تین اشخاص آپ کی تلاش میں یہاں آئے ہیں۔ ایک بوڑھا رزاق جو خود کو آپ کا باپ کہتا ہے اور اس کے دونوں بیٹے یعقوب اور یوسف وہ آپ کو اپنا بھائی بتاتے ہیں۔"

اسحاق چراغ پا ہو گیا اور کہا "تینوں جھوٹے ہیں کیونکہ میرا باپ میرے بچپن میں ہی مر گیا تھا اور میں اپنے باپ کا تنہا بیٹا ہوں اور میں یہ بھی نہیں جانتا کہ الجزائر کہاں ہے؟ اور میرا تعلق الجزائر سے ہے بھی یا نہیں۔"

بکیر نے کہا "حضرت! آپ تو نبی ہیں اپنے فرشتوں سے معلوم کریں کہ آپ کے باپ کا کیا نام تھا اور آپ کے کتنے بھائی تھے اور یہ کہ آپ کا الجزائر سے کوئی تعلق ہے بھی یا نہیں۔"

اسحاق نے غضب ناک لہجے میں پوچھا "کیا تجھ کو بھی مجھ پر کوئی شبہ ہے جو اس قسم کی باتیں کر رہا ہے۔"

بکیر نے جواب دیا "میری توبہ میں نے تو وہ سب آپ کو بتا دیا جو سنا تھا اور جس کا بازاروں میں چرچا ہے۔"

Marfat.com

اسحاق نے رازداری سے کہا "ان خبروں کو اپنے تک ہی رکھ اور میرے ان تینوں رشتے داروں تک پہنچنے کی کوشش کر اور ان کا کام تمام کردے۔"

لیکن اب اسحاق کسی قدر فکرمند ہوگیا تھا۔ اس نے اپنے کئی جاں نثاروں کو نہایت خاموشی اور رازداری سے مذکورہ تینوں آدمیوں کی تلاش اور قتل پر مامور کردیا مگر اسحاق کو یہ خبر دی گئی "شہر میں ایسے تین آدمیوں کا کچھ پتا نہیں چلتا لیکن صرف ایک شخص موجود ہے جو خود کو الجزائری کہتا ہے اس کا نام عبدالرحمٰن ہے اس کے علاوہ دوسرا کوئی شخص نہیں۔"

عبدالرحمٰن کے ذکر نے اسحاق کو واقعی پریشان کردیا کیونکہ عبدالرحمٰن سے اسحاق نے کچھ تعلیم بھی حاصل کی تھی۔

اب اسحاق نے بکیر کو سخت سرزنش کی اور حکم دیا "جس طرح بھی ممکن ہو اس عبدالرحمٰن نامی شخص کو میرے پاس لایا جائے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو اسے قتل کردیا جائے۔"

اب اسحاق نے اپنے جاں نثاروں کی چھوٹی سی فوج بھی تیار کرلی تھی۔ تقریباً دس ہزار آدمی اس فوج میں موجود تھے اور یہ اپنے نبی کی حفاظت کے لیے سر سے کفن باندھ چکے تھے۔

دوسری طرف ابو جعفر منصور پھر دباؤ ڈالنے لگا تھا کہ اسحاق کو گرفتار کرکے سامرہ روانہ کردیا جائے لیکن یہ کام اتنا آسان نہیں تھا جتنا آسان ابو جعفر منصور سمجھ رہا تھا۔ چھوٹی موٹی جھڑپیں شروع ہوگئیں اور ان جھڑپوں میں اسحاق کو کامیابی حاصل ہوئی۔

اب اسحاق کی خواہش تھی کہ پورا اصفہان اس کے قبضے میں ہونا چاہیے۔ کیونکہ جب تک پورا شہر اس کے قبضے میں نہ ہو وہ اپنے دین کی ترویج و اشاعت اچھی طرح نہیں کرسکتا تھا۔

اس کے دس ہزار جاں نثاروں نے باقاعدہ جنگیں شروع کردیں اور وزیر کے محل کو نشانہ بنایا کیونکہ اس کو یقین تھا کہ الجزائری بوڑھا اسی محل میں روپوش ہوگا۔

وزیر بھی اس کے لیے تیار تھا اور اس کی محافظ فوج تجربہ کار ہونے کے ساتھ ساتھ جذبہ جہاد بھی رکھتی تھی۔ اس نے اسحاق کے کئی حملے پسپا کردیے لیکن مشکل یہ پیش آئی کہ اسحاق کی نبوت جاہل عوام کے دلوں میں گھر کرتی جارہی تھی اور یہ جاہل لوگ ہر جگہ موجود تھے۔ وزیر اور حاکم شہر کے جاہل خدمت گار بھی اسحاق کی نبوت پر ایمان لاچکے تھے۔ یہ لوگ درپردہ عبدالرحمٰن کی تلاش میں تھے مگر عبدالرحمٰن کو اصفہان کے قلعے میں منتقل کردیا گیا۔

وزیر کی درخواست پر سامرہ سے پندرہ ہزار فوجی اصفہان پہنچ گئے۔

Marfat.com

اب وزیر کا پلڑا بھاری تھا لیکن سازش اور سیاست میں اسحاق وزیر پر فوقیت رکھتا تھا۔ اس نے اپنے کئی آدمی اس کام پر لگا دیے کہ جس طرح بھی ممکن ہو عبدالرحمٰن کو قلعے سے نکال کر اس کے پاس پہنچایا جائے۔

بکیر جو بظاہر اسحاق کا خاص معتمد علیہ تھا۔ اب اپنا اعتماد کھو چکا تھا۔ اسے حکم دیا گیا کہ وہ تائب ہو کر حاکم شہر کے پاس چلا جائے اور اس سے کہے کہ میں نے اسحاق کی نبوت سے توبہ کی اور اور اب اس کے پاس واپس نہیں جاؤں گا۔ اس طرح اس کی رسائی قلعے تک ہو جائے گی۔ وہ قلعے میں عبدالرحمٰن سے ملنے کی کوشش کرے گا اور جب عبدالرحمٰن سے ملاقات ہو جائے تو اس کو قلعے سے باہر لانے کی کوشش کرے۔ قلعے کے آس پاس اسحاق کے آدمی گلے بانوں کی شکل میں پہلے سے موجود رہیں گے۔

لیکن اسحاق کا اصل منصوبہ کچھ اور ہی تھا۔ اس طرح وہ یہ جاننے اور سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ بکیر کس حد تک اس کا آدمی ہے اور کس حد تک حاکمِ شہر کا۔

حاکمِ شہر نے بکیر سے کہا "بظاہر تُو منحرف ہو کر ہمارے پاس آگیا مگر ہم تو تیری حیثیت سے آگاہ ہیں۔ تیرے سپرد اسحاق نے جو کام کیا ہے تو اسے کس طرح انجام دے گا۔ اگر تو اسحاق کے مجوزہ منصوبے پر کام نہ کر سکا تو تیرا نام ہمیشہ کے لیے اس کے معتمدین کی فہرست سے خارج کر دیا جائے گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ تجھے بھی قتل کر دیا جائے اس لیے تجھے بہت محتاط رہنا چاہیے۔"

بکیر واقعی شش و پنج میں مبتلا تھا اور اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ کیا کرے اور کیا نہ کرے۔

قلعے کے باہر جو سبزہ زار تھا وہاں مویشیوں کے کئی ریوڑ مستقل چرتے رہتے تھے اور بکیر قلعے کی بلندی سے ان چرواہوں اور مویشیوں کو دیکھتا رہتا تھا جو اسے ننھے منے نظر آتے تھے۔

عبدالرحمٰن نے بھی ان مویشیوں اور چرواہوں کو دیکھا اور بکیر سے پوچھا "بھائی! کیا بات ہے۔ کیا تو نے کبھی مویشی اور چرواہے نہیں دیکھے جو انہیں اتنے شوق سے دیکھتا رہتا ہے۔"

بکیر نے کہا "بڑے میاں! بات کچھ اور ہے، تمہاری وجہ سے میری زندگی بھی خطرے میں پڑ گئی ہے۔"

عبدالرحمٰن نے کہا "اسحاق نے بڑے ہنگامے کھڑے کر رکھے ہیں۔ میں اکثر سوچتا ہوں کہ یہ اسے سوجھی کیا ہے اور اس جھوٹی نبوت سے وہ حاصل کیا کرنا چاہتا ہے؟ کیا حکومت؟ کیا خلافت عباسیہ! اتنی کمزور ہو گئی ہے جسے وہ اپنے دس پندرہ ہزار ماننے والوں کی مدد سے سر کر لے گا۔"

Marfat.com

بکیر نے جواب دیا "بڑے میاں آپ وہ عزت اور وقعت یہاں قلعے میں بیٹھ کر نہیں دیکھ سکتے اور نہ محسوس کر سکتے ہیں جو نبوت کا دعویٰ کر کے اسحاق کو حاصل ہو گئی ہے۔ اس کے لیے تو انسان اپنی جان تک دے سکتا ہے۔"

عبدالرحمٰن نے اس سے پوچھا "تیرا کیا کام ہے۔ تو کبھی نظر آتا ہے اور کبھی غائب ہو جاتا ہے اور اب تو مستقل قلعے میں آگیا ہے، آخر تو ہے کیا؟"

بکیر نے کہا "میں نے جو کام نیک نیتی سے حاکمِ شہر اور وزیر کے کہنے سے شروع کیا تھا اسے انجام نہیں دے سکا مگر اب وہ کام آپ کے ذریعے انجام پا گیا۔ اب میری وہاں ضرورت باقی نہیں رہی اور اب اگر میں اپنی اس جگہ سے ہٹنا چاہوں تو یہ بھی ممکن نہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں، ہر وقت میری زندگی کو خطرہ لاحق رہتا ہے۔"

یہ سب کچھ بتا کر بکیر اداس ہو گیا۔

عبدالرحمٰن نے پوچھا "اگر میں کسی طرح تیرے کام آسکتا ہوں تو حاضر ہوں۔"

بکیر کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آئی اور غائب ہو گئی، پوچھا "کیا آپ میرے لیے اپنی جان دے سکتے ہیں؟"

عبدالرحمٰن نے حیرت سے پوچھا "میرے جان دے دینے سے تجھ کو کیا فائدہ پہنچے گا۔"

بکیر نے جواب دیا "تو مر جائے گا تو میں زندہ رہوں گا اور اگر تو نہ مرا تو میں مارا جاؤں گا۔"

یہ ساری باتیں ایسی گول مول اور پیچ دار تھیں کہ عبدالرحمٰن کی سمجھ میں نہیں آرہی تھیں۔ اس نے کہا "یہ وزیر اور حاکمِ شہر بھی عجیب لوگ ہیں۔ میں نے ان سے کئی بار کہا کہ تم لوگ کسی طرح میری ملاقات اسحاق سے کراؤ تاکہ میں اسحاق کو پہچان لوں اور اس کو منع کروں کہ وہ نبوت کے جھوٹے دعوے سے باز آجائے اور چپ چاپ الجزائر واپس چلا جائے۔"

بکیر نے بڑے میاں کا مذاق اڑایا اور کہا "جناب! وہ اتنا آسان آدمی نہیں ہے کہ آپ اپنے سیدھے سادے لفظوں اور لہجوں سے اس کو راضی کر لیں گے بلکہ وہ آپ کو دیکھتے ہی اپنے ارادت مندوں سے قتل کروا دے گا۔"

نیچے میدان میں مویشیوں کے کئی ریوڑ سبزہ زار چرنے میں مشغول تھے اور ان کے چرواہے الگ الگ درختوں کے سائے میں بیٹھے قلعے کی طرف دیکھ رہے تھے۔

بکیر نے ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا "بڑے میاں! آپ ان درختوں کے سائے میں بیٹھے

Marfat.com

ہوئے چرواہے کو دیکھ رہے ہیں' کچھ جانتے ہیں کہ یہ کون ہیں؟"

عبدالرحمٰن نے جواب دیا "تو خود ہی تو بتا رہا ہے کہ یہ چرواہے ہیں اور مجھ سے پوچھتا ہے کہ وہ کون ہیں؟"

بکیر نے جواب دیا "ہاں' بظاہر یہ چرواہے ہیں مگر حقیقتاً وہ ملک الموت ہیں جو تیری روح قبض کرنے کے لیے درختوں کے سائے میں بیٹھے تیرا انتظار کر رہے ہیں۔"

عبدالرحمٰن کے لیے یہ باتیں عجیب و غریب تھیں۔ پوچھا "ملک الموت تو ایک ہوتا ہے' یہ کئی ملک الموت اتنی دور سے میری جان کس طرح قبض کرلیں گے۔"

بکیر نے کہا "جناب! مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں بہلا پھسلا کر آپ کو ان چرواہوں کے پاس لے جاؤں اور پھر چرواہے آپ کا کام تمام کردیں۔"

ابھی یہ گفتگو یہیں تک پہنچی تھی کہ قلعے کے ایک عام آدمی نے عبدالرحمٰن پر حملہ کردیا۔ بکیر نے عبدالرحمٰن کو بچانے کی کوشش کی تو اسے بھی زخمی کردیا۔ جب قاتل کے ہاتھ کا خنجر چھوٹ کر گر گیا تو وہ یہ کہتا ہوا بھاگا "بکیر! اب پتا چلا کہ تو بھی حاکمِ شہر کا آدمی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اس بوڑھے کو کبھی نہ بچاتا۔"

اس بھاگتے ہوئے حملہ آور کو قلعے کے پہرے داروں نے پکڑ لیا اور اس کو باندھ کر ایک طرف ڈال دیا اور پوچھا "ظالم! یہ تو نے کیا کیا؟"

ایک بار پھر سامرہ سے حکم موصول ہوا "کسی بھی مصلحت کے بغیر اسحاق کو گرفتار یا قتل کردیا جائے۔"

اب وزیر اور حاکم شہر بے بس ہو چکے تھے۔ جھوٹا نبی زمین دوز تھا۔ وہاں تک پہنچنا کسی بھی حکومتی آدمی کے بس کی بات نہیں تھی اور اسحاق کے آدمی ہر جگہ موجود تھے اور ہر کسی کو بہ آسانی قتل کرسکتے تھے۔

صدرِ مدرس اور قاضیِ شہر بھی اسحاق کے ساتھ روپوش ہو چکے تھے۔ بالکل اتفاقی طور پر قاضیِ شہر کو ایک جگہ سے گرفتار کرلیا گیا۔ قاضی شہر کو اسحاق کے آدمیوں کے لیے ہتھیاروں کی ضرورت تھی اور وہ ان ہتھیاروں کے لیے لوہاروں سے بات کرنے نکلا تھا ایک لوہار کی مخبری پر قاضی کو گرفتار کرلیا گیا۔

قاضی نے اسحاق کے باپ اور دونوں بھائیوں کا ذکر تو سنا تھا مگر وہ اس خبر کو افواہ سے زیادہ نہیں

Marfat.com

سمجھتا تھا جو اسحاق کے ماننے والوں کو گمراہ کرنے کے لیے وزیر اور حاکم شہر پھیلا رہے تھے۔

جب قاضیِ شہر کو وزیر کے سامنے پیش کیا گیا تو وزیر اس سے بہت اچھی طرح پیش آیا یہاں حاکم شہر بھی موجود تھا۔

حاکمِ شہر نے قاضی سے پوچھا "حضرت! آپ تو بہت پڑھے لکھے آدمی ہیں اور جتنا دینی علم آپ کے پاس ہے کسی اور کے پاس نہیں پھر آپ اس جھوٹے نبی کے گرویدہ کیوں ہو گئے؟"

قاضیِ شہر نے پھر اسحاق کے بہرے گونگے ہونے کا ذکر کیا اور اس کے بعد اچانک قوتِ گویائی مل جانے کے معجزے کا ذکر کرتے ہوئے کہا "کیا اس علم کا کوئی مقابلہ کر سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے ذات کے ذرا سے حصے میں اپنے نبی کے سینے میں اتار دیا۔"

حاکمِ شہر نے پوچھا "محترم قاضی! اصفہان کے لوگ اسحاق کو صرف دس سال سے جانتے ہیں۔ اس کا نام اسحاق کس نے رکھا اور یہاں اسحاق کی حیثیت سے کس طرح مشہور ہو گیا کوئی نہیں جانتا۔ یہ جہاں سے بھی آیا تھا اپنے ساتھ اپنا نام لے کر آیا تھا۔ آپ لوگوں نے اس کے دس سال پہلے کے واقعات جاننے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ ہم لوگ بھی اس کی جھوٹی نبوت پر ایمان لا سکتے تھے مگر ہمارے ایمان راسخ ہیں۔ اس لیے ہم اس کے دس سال پہلے کے حالات جاننے کی کوشش کرتے رہے۔ جوینده پائنده جو تلاش کرے گا وہ پائے گا۔ ہم نے اس کے دس سال پہلے کے عرصے کو تلاش کیا اور اسے پالیا۔ یہ الجزائر کا رہنے والا شخص رزاق نامی باپ کا بیٹا ہے۔ یعقوب اور یوسف اس کے بھائی ہیں۔ یہ لوگ الجزائر میں موجود ہیں اور اس کی مفارقت میں بڑی پریشانیاں اٹھا چکے ہیں۔"

قاضیِ شہر نے پوچھا "یہ ساری باتیں آپ کو کس طرح معلوم ہو گئیں؟"

حاکمِ شہر نے بتایا "بالکل اتفاق کہ ایک بوڑھا الجزائر سے آیا اس نے لوگوں سے یہاں یہ سنا کہ یہاں ایک جھوٹا نبی پیدا ہو گیا ہے۔ یہ نبی دس سال پہلے بہرا گونگا اصفہان آیا تھا اور اب خدا کی قدرت سے نبی بن گیا ہے۔ اس الجزائری بوڑھے نے اپنے ہم وطن اسحاق کی جو نشانیاں اور علامتیں بتائیں وہ ساری اسحاق میں موجود ہیں۔ اسحاق نے اس بوڑھے کو قتل کروا دینا چاہا مگر ناکام رہا۔ اب وہ الجزائری بوڑھا ہماری حفاظت میں ہے۔"

قاضیِ شہر کا ایمان ڈگمگایا پوچھا "وہ بوڑھا کہاں ہے؟ کیا میں اس سے مل سکتا ہوں؟"

حاکمِ شہر نے کہا "کیوں نہیں، ہم نے اسے قلعے میں بحفاظت رکھا ہے۔"

یہ لوگ ڈانواں ڈول قاضی کو قلعے میں لے گئے اور الجزائری عبدالرحمٰن سے ملوا دیا۔"

Marfat.com

قاضی شہر کچھ دیر اس لمبے چوڑے بوڑھے الجزائری کو دیکھتا رہا اور الجزائری بوڑھا قاضی شہر کو اس کی مخصوص وضع قطع میں دیکھتا اور غور کرتا رہا۔ قاضی شہر نے پوچھا "آپ الجزائر سے آئے ہیں؟"

عبدالرحمٰن نے جواب دیا "ہاں' میں الجزائر سے آیا ہوں اور اس عیار و مکار اسحاق کو تلاش کر رہا ہوں جو اپنے کنبے کو چھوڑ کر لاپتا ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے خاندان کو برسوں سے پریشان کر رکھا ہے۔"

قاضی نے حیرت سے پوچھا "یہ آپ اس اسحاق کی بات کر رہے ہیں جس کو اصفہان والوں نے بہرا اور گونگا دیکھا ہے۔"

عبدالرحمٰن نے قاضی کو بتایا "وہ بہت ہی عیار اور چالاک انسان ہے۔ اس نے الجزائر میں جو تعلیم حاصل کی تھی وہ قابل رشک تھی اس نے چاروں آسمانی الہامی کتابوں کے علاوہ آسمانی صحیفے بھی پڑھ رکھے ہیں۔ اس کو کون جاہل کہے گا!"

قاضیِ شہر یہ سب کچھ سن کر حیران ہو رہا تھا' کہنے لگا "یہ جو کچھ آپ نے بتایا کیا درست ہے اور واقعی ہم سے یہ بھول ہوئی کہ ہم نے اس کے دس سال پہلے کے عرصے پر کبھی غور ہی نہیں کیا۔"

عبدالرحمٰن نے کہا "یہ شخص بچپن ہی سے سخت محنتی اور قوتِ ارادی کا حامل ہے۔ یہ جب اپنے گھر والوں سے جھگڑتا تھا تو کئی کئی دن تک کھانا نہیں کھاتا تھا۔ بات نہیں کرتا تھا۔ بڑی مشکل سے قابو میں آتا تھا۔"

قاضیِ شہر کے لیے یہ بڑی خجالت کا مقام تھا اور اسے اپنی زود اعتقادی پر دکھ ہو رہا تھا۔ کہنے لگا "میں صدرِ مدرس کے کہنے میں آگیا وہ تو مجھ سے زیادہ بدحواس تھا۔ اب میں کسی طرح صدرِ مدرس کو بھی راہ راست پر لانے کی کوشش کروں گا حالانکہ میں سمجھتا ہوں کہ اس کی واپسی بہت مشکل ہے لیکن کوشش کرنے میں کیا حرج ہے۔"

حاکمِ شہر نے قاضی کو بتایا "اب تو اسحاق کے پاس جا بھی نہیں سکتا کیونکہ تیرے بارے میں یہ ساری خبریں اسحاق تک پہنچ چکی ہوں گی۔"

قاضی نے جواب دیا "اب تو میں یہ کام اپنی زندگی کو خطرے میں ڈال کر انجام دوں گا کیونکہ اگر میں اس میں کامیاب ہو گیا تو اللہ تعالیٰ کے ہاں میری بخشش ہو جائے گی۔" قاضی شہر رونے لگا۔ یہ رونا پشیمانی کا تھا۔ اس کی آنکھیں ایک دم ابل پڑیں۔ داڑھی آنسوؤں سے بھیگ گئی اور رخسار نم ہو گئے۔

حاکمِ شہر اس کو تسلی دے رہا تھا۔ "امید ہے' اللہ تجھ کو معاف کر دے گا اور تجھ کو دوبارہ اسلام قبول کرنے کا اجر الگ عطا فرمائے گا۔"

Marfat.com

قاضی شہر جب اسحاق کے پاس واپس گیا تو اس کی پہلے سے زیادہ پذیرائی ہوئی۔ اسحاق نے قاضی سے پوچھا "تجھ کو حاکم شہر نے چھوڑ کس طرح دیا؟"

قاضی نے جواب دیا "میرا خیال ہے کہ اب حاکم شہر اور اس کے آدمی کسی قدر سنجیدگی سے آپ کے بارے میں غور کر رہے ہیں۔ بس کسی قدر ان کے سامنے بالواسطہ تبلیغ کی ضرورت ہے۔ میں نے ان لوگوں کو قائل کرنے کی کوشش کی تو انہوں نے یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ تمہارا دین تمہارے ساتھ اور ہمارا دین ہمارے ساتھ۔"

اسحاق نے وزیر کے بارے میں سوال کیا "اس وقت اصفہان میں اصل حکومت تو وزیر کے ہاتھ میں ہے وہ ہمارے بارے میں کیا کہتا ہے؟"

قاضی نے جواب دیا "وہ بھی خلیفہ ابو جعفر منصور کے احکام کی تکمیل پر مجبور ہے کیونکہ سامرہ سے مسلسل یہ احکام موصول ہو رہے ہیں کہ اسحاق کو گرفتار کر کے سامرہ بھیج دو۔"

اسحاق کچھ دیر خاموش سوچتا رہا اور آخر میں اپنا فیصلہ سنا دیا "تو نے الجزائر کے عبدالرحمٰن نامی بوڑھے سے ملاقات کی جس کا دعویٰ ہے کہ وہ مجھ سے اور میرے خاندان سے اچھی طرح واقف ہے۔ جب کہ میرا الجزائر سے کوئی تعلق نہیں۔ میں نے بچپن میں ہی اپنا وطن چھوڑ دیا تھا۔ میں اپنے وطن کا نام تک نہیں جانتا لیکن یہ معلوم ہے کہ میرا گاؤں ایک دریا کے کنارے آباد تھا اور دریا کے دوسری طرف ریگستانی سلسلہ حد نظر تک پھیلا ہوا تھا۔ میں اپنے گاؤں سے نکلنے کے بعد کہاں کہاں گھومتا پھرا کچھ یاد نہیں۔ اب اگر میں انہی راستوں سے وطن جانا چاہوں تو یہ بات تقریباً ناممکن ہو گئی ہے۔"

قاضیِ شہر نے عبدالرحمٰن کا مذاق اڑایا اور کہا "معلوم نہیں یہ مخبوط الحواس بوڑھا ان لوگوں کو کہاں سے مل گیا کہ اسے یہ لوگ اپنے مقصد کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔"

اسحاق نے پوچھا "تیری اس سے ملاقات ہوئی؟"

قاضیِ شہر نے جواب دیا "ملاقات ہوئی اور کچھ باتیں بھی۔ وہ کچھ اس قدر پریشان تھا کہ اگر وہ کسی طرح یہاں آجائے تو خود بھی آپ پر ایمان لے آئے گا۔"

اسحاق کو اس پر حیرت ہوئی مگر اب وہ اصفہان کو چھوڑ رہا تھا اس کے داعیوں نے عمان میں کامیاب تبلیغ کر کے تقریباً مسخر کر لیا تھا اور اسحاق کو یہ مشورہ دیا تھا کہ وہ عمان کو اپنا مستقر بنائے اور یہاں سے دوسرے شہروں اور علاقوں میں اپنے داعی بھیجے۔

اصفہان کے آس پاس یہ لوگ خطرے میں تھے۔

Marfat.com

قاضیِ شہر کے لیے یہ بری خبر تھی وہ کسی نہ کسی طرح صدرِ مدرس کو یہاں سے نکال لے جانا چاہتا تھا لیکن صدر مدرس کہیں نظر نہیں آرہا تھا۔ شاید وہ بھی کہیں داعی کی خدمت انجام دے رہا تھا۔

اسحاق نے ہزاروں سواروں کے ساتھ عمان کا رخ کیا۔ جب وزیر اور حاکمِ شہر کو یہ خبریں پہنچیں تو وہ شرمندہ ہو گئے۔ اب انہیں ابو جعفر منصور کو یہ اطلاع دینی پڑی کہ اسحاق اور اس کے پیرو یہاں سے فرار ہو گئے ہیں اور اب عمان کو اپنا مستقر بنالیا ہے۔

وزیر نے اسحاق کا پیچھا کیا۔ اب وہ طاقت کے ذریعے گھیر گھار کر اسحاق کو ختم کر دینا چاہتا تھا لیکن اسحاق کے پیروکاروں نے اسلامی فوج کو سخت نقصان پہنچایا اور دھمکی دی کہ وہ اصفہان پر زبردستی قبضہ کرلیں گے۔

قاضیِ شہر کو کئی دنوں بعد احساس ہوا کہ اب وہ اسحاق کی حراست میں ہے کیونکہ اسحاق کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ قاضیِ شہر اس سے منحرف ہو گیا ہے۔

صدرِ مدرس حیران تھا کہ قاضیِ شہر منحرف کیوں ہو گیا۔ اس نے قاضیِ شہر سے ملاقات کرنی چاہی تو اسے ملنے نہیں دیا گیا۔

عمان سے تیاریوں کے بعد اسحاق نے بصرہ پر حملہ کر دیا اور سخت معرکہ آرائی کے بعد بصرہ پر قابض ہو گیا۔

ابو جعفر منصور نے اسحاق کو حکم دیا "وہ اپنے عقائد سے توبہ کرلے اور سامرہ میں حاضر ہو جائے پھر دربار خلافت سے باقاعدہ معافی نامہ حاصل کرے۔"

اسحاق نے ابو جعفر منصور کے فرمان کو چاک کر دیا اور قاصد سے کہا "خلیفہ سے کہہ دے کہ میں بہت جلد سامرہ پہنچنے والا ہوں کیونکہ حق آچکا ہے اور باطل کو ہر حال میں جانا پڑے گا۔ ہاں اگر ابو جعفر منصور بھی میرے دین میں آجائے تو میں اس کو کوئی علاقہ حکومت کے لیے دے دوں گا۔"

ابو جعفر منصور کے لیے اسحاق کا یہ لہجہ تازیانہ ثابت ہوا۔ بصرہ میں سخت معرکہ آرائی ہوئی لیکن اسحاق اس پر قابض ہوا تو کچھ عرصہ قابض ہی رہا۔

اسی دوران میں قاضیِ شہر کی ملاقات صدر مدرس سے ہو گئی۔ صدرِ مدرس کا خیال تھا کہ قاضیِ شہر اصفہان میں ہی رہ گیا لیکن جب ملاقات ہوئی تو صدرِ مدرس نے حیرت سے کہا "تو بھی ہم میں موجود ہے اور ہمیں اس کا پتا بھی نہیں۔"

قاضیِ شہر نے صدرِ مدرس کو سب کچھ بتادیا اور کہا "جناب! آپ ایک بار عبدالرحمٰن نامی بوڑھے

Marfat.com

سے مل تو لیں۔"

اب صدرِ مدرس کا ایمان بھی ڈانواں ڈول تھا۔ وہ بار بار قاضیِ شہر سے یہی پوچھ رہا تھا "اگر یہ سب کچھ صحیح ہے تو میں اس بوڑھے سے ضرور ملوں گا۔"

صدرِ مدرس کو داعی بنا کر واسطہ بھیجا گیا۔ تو وہ راستے سے فرار ہو کر اصفہان پہنچا اور وہاں عبدالرحمٰن بوڑھے سے ملاقات کی اور اسی طرح دونوں میں باتیں ہوئیں۔ صدر مدرس کو عبدالرحمٰن کی باتوں پر یقین کرنا پڑا لیکن اب بات اتنی بڑھ چکی تھی کہ وہاں سے ہزاروں آدمیوں کی واپسی تقریباً ناممکن ہو گئی تھی۔

اب صدرِ مدرس بھی حاکمِ شہر کے ساتھ قاضیِ شہر کی فکر میں تھا جو اسحاق کے چنگل میں پھنس چکا تھا۔

عبدالرحمٰن کی اب بھی حفاظت کی جا رہی تھی کیونکہ یہ بوڑھا شخص اسحاق کی سات پشتوں سے واقف تھا۔

آخر کار قاضیِ شہر بھی کسی نہ کسی طرح اصفہان پہنچ گیا لیکن اب یہ قاضی بالکل بدلا ہوا اسلام کا پرجوش مبلغ تھا کیونکہ اسے اپنی سابقہ گمراہی کا شدید احساس تھا۔ وہ ہر وقت اس صدمے سے دوچار رہتا اور بار بار یہی سوچتا تھا کہ اس کی توبہ قبول ہو گی یا نہیں۔ صدرِ مدرس بھی شرمندہ تھا کہ وہ بلاوجہ اسحاق کے بہکاوے میں آگیا اور اسحاق کے دس سالہ دور سے پہلے کے زمانے پر کبھی غور ہی نہیں کیا۔ ان دونوں نے عبدالرحمٰن کے ساتھ الجزائر جانے کا منصوبہ بنایا کیونکہ وہ مزید تصدیق کرے بعد ہنگامی بنیادوں پر اسحاق کے خلاف کام کرنے کا منصوبہ بنا چکے تھے۔

چنانچہ یہ دونوں الجزائر پہنچے اور اسحاق کے والدین سے ملاقات کی۔ اسحاق کی ماں بیمار تھی جب ان کو اسحاق کے کرتوتوں کا علم ہوا تو دونوں بے حد شرمندہ ہوئے۔

اسحاق کے باپ نے کہا "وہ بچپن ہی سے فطین ہے۔ طرح طرح کے منصوبے بنایا کرتا تھا اور اس کے منصوبوں میں طبعاً خامیاں کم ہوتی تھیں۔ اسحاق اپنے معاملات میں سفاک اور بے رحم واقع ہوا تھا۔"

اسحاق کے باپ نے اس پر افسوس کیا کہ اس کا بیٹا دنیاوی دولت اور عزت کے لیے خود بھی گمراہ ہوا اور تمام آدمیوں کو بھی گمراہ کیا۔

دور دور تک اسحاق کی خبریں پھیل گئیں اور لوگ حقیقت حال جاننے کے لیے قرب و جوار سے

Marfat.com

اسحاق کے گھر پہنچ رہے تھے۔ انہیں حیرت تھی کہ ایک شخص جو کبھی یہاں رہتا تھا۔ اب وہ تخت خلافت کی طرف قدم بڑھا رہا تھا۔ انہیں خوشی تھی کہ ان کے علاقے میں ایک اتنا بڑا آدمی پیدا ہوا کہ اس کا نام ہر طرف ہے اور خلافت عباسیہ اس سے خوف زدہ ہے۔

ان دونوں نے اسحاق کے والدین سے پوچھا "ہم دونوں اصفہان واپس جائیں گے۔ آپ اپنے بیٹے کو کوئی پیغام دینا چاہیں تو دے دیں۔"

اسحاق کے باپ نے کہا "اس سے ہماری طرف سے کہہ دینا کہ تو نے بہرے گونگے ہونے کا جو ڈھونگ رچایا تھا تو تو اب بھی گونگا اور بہرا ہی ہے بلکہ میری نظر میں تو اندھا بھی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تیرے ہی لیے یہ فرمایا ہے **صم بکم عمی فھم لا یرجعون۔**"

دونوں الجزائر کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں دو ہفتے رہ کر اصفہان واپس چلے گئے۔ اب انہیں ندامت کی وجہ سے اپنی زندگی دوبھر محسوس ہو رہی تھی۔ انہیں یہ دکھ ہر وقت پریشان رکھتا تھا کہ اگر ان دونوں نے اسحاق کی مدد نہ کی ہوتی تو وہ اتنا کامیاب کبھی نہ ہوتا۔ دونوں دن رات نمازیں پڑھتے اور توبہ و استغفار کرتے رہتے۔

اسی دوران میں صدرِ مدرس نے ایک بدو کے ذریعے اسحاق کو اس کے باپ کا پیغام پہنچایا اور لکھ بھیجا "تو اب بھی گونگا اور بہرا ہی ہے تو نے اب تک جو کچھ حاصل کیا ہے وہ سب دنیا میں رہ جائے گا اور تو جب اپنے اعمال کا بوجھ لادے ہوئے اللہ کے سامنے پیش ہو گا تو شیطان لعین تیرے پاس کھڑا ہوا خوشی سے اللہ تعالیٰ کو بتا رہا ہو گا کہ تو شیطان لعین کا سب سے زیادہ فرماں بردار بندہ ہے۔ اب بھی وقت ہے کہ توبہ کر لے اور اللہ سے معافی مانگ لے کہ اللہ کی ذات غفور الرحیم بھی ہے اور ستار العیوب بھی۔"

بدو نے صدر مدرس کا یہ پیغام بصرہ پہنچایا۔ ان دنوں وہ خلافت عباسیہ کی فوجوں سے جنگ میں مشغول تھا اور اس کی طبیعت میں غصہ اور جھنجلاہٹ نمایاں تھی۔ اس عالم میں جب صدر مدرس کا نصیحت نامہ ملا تو اس نے بدو کو اسی وقت قتل کروا دیا اور صدر مدرس کا نصیحت نامہ پرزے پرزے کر کے ہوا میں اڑا دیا۔

اسی دوران میں ابو جعفر منصور نے ان دونوں کو سامرہ طلب کر لیا کیونکہ یہ باتیں مشہور ہو چکی تھیں کہ قاضی شہر اور صدر مدرس الجزائر میں اسحاق کے خاندان سے مل کے واپس آگئے ہیں اور گمراہوں کو اسحاق کی اصلیت اور حقیقت بتاتے پھر رہے ہیں۔

Marfat.com

جب ان دونوں کو خلیفہ کے سامنے پیش کیا گیا تو خلیفہ نے ان کے علم و فضل کے حوالے سے باتیں کیں اور پوچھا۔

جب تم دونوں مذہبی معاملات میں نہایت عالم و فاضل تھے تب پھر تم اس جھوٹے مکار کی باتوں میں کیوں آگئے۔ کیا تمہارے لیے صرف یہی جاننا کافی نہیں کہ میرے چچا کے بیٹے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اور ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ تم دونوں پھر بھی گمراہ ہو گئے؟"

صدرِ مدرس نے عرض کیا "ہم پر اس مکار کی دس سالہ مکاری اثر کر گئی اور شیطان لعین ہمیں ورغلانے میں کامیاب ہو گیا۔ مگر اللہ کو شاید ہماری یہ ادا پسند آجائے کہ ہم نے ہی اسحاق کی مکاری کا پردہ چاک کیا۔ آج ہم دونوں دنیا کو یہ بتانے میں کامیاب ہو گئے ہیں کہ اسحاق جھوٹا ہے اس کی نبوت مکر و ریا پر قائم ہے۔ ہم ہی اصفہان اور گردو پیش' اس کے بڑھتے چڑھتے نبوت کے دھارے کو روکنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔"

ابو جعفر منصور نے دونوں کو مشورہ دیا "تم دونوں مدینہ منورہ جاؤ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزارِ اقدس پر حاضری دو اور رو رو کر اپنے گناہوں کی معافی مانگو۔"

دونوں مدینہ منورہ چلے گئے اور شب و روز نوافل پڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار اقدس پر حاضریاں دیتے رہے اور معافی مانگتے رہے۔

ابو جعفر منصور نے غضب ناک ہو کر بصرہ پر لشکر کشی کی اور اسحاق کو بصرہ سے بے دخل کر دیا۔ اسحاق نے بھاگ کر عمان میں پناہ لی۔ ابو جعفر کی فوجیں اس کا پیچھا کرتی ہوئی عمان پہنچ گئیں۔ وہ یہاں بھی نہ ٹھہر سکا اور بھاگ کر اصفہان میں پناہ لینے کا ارادہ کیا لیکن پکڑا گیا۔ اس کو گرفتار کر کے سامرہ لے جایا گیا۔ جہاں ابو جعفر منصور اس کا بے چینی سے انتظار کر رہا تھا۔

جب اس کو پابجولاں خلیفہ کے سامنے پیش کیا گیا تو ابو جعفر منصور نے اس سے پوچھا "تیری نبوت کہاں گئی؟"

اسحاق نے جواب دیا "نبوت جو مجھ میں ودیعت کی گئی ہے وہ ہر حال میں میری ذات میں رہے گی۔ میں پہلے بھی نبی تھا اور اب بھی نبی ہوں۔"

خلیفہ نے کہا "جس شیطان نے تجھ کو نبی بننے کا مشورہ دیا تھا' اس نے تیری کوئی مدد نہیں کی۔"

اسحاق نے جواب دیا "شیطان نے تو مجھے پابجولاں کر دیا ہے اور نبیوں کو اس قسم کی مصیبتیں کئی بار جھیلنا پڑتی ہیں۔"

Marfat.com

ابو جعفر نے پوچھا "کیا تجھ کو اپنے والدین کی بھی کچھ خبر ہے وہ بھی تیرے حق میں دعائے خیر کرتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قرآن کی آیت صمٌ بکمٌ تیرے لیے نازل ہوئی تھی۔"

اسحاق نے بے باکی سے جواب دیا "میں نے کبھی بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے انکار نہیں کیا۔ اللہ کی وحدانیت کا میں قائل ہوں۔ میں تو صرف یہ کہتا ہوں کہ اللہ کے فرشتوں نے مجھے یہ بتایا ہے کہ میں ذیلی اور ظلّی نبی ہوں۔ میں صاحبِ شریعت نہیں ہوں اس لیے جو مجھ پر ایمان نہیں لائے گا۔ قرآن کی اس آیت کا اس پر اطلاق ہو گا۔"

ابو جعفر منصور نے اسحاق کو شرم دلائی "میرا خیال تھا کہ اپنی اس ناکامی اور پابہ زنجیر ہونے پر تجھے شرم آئے گی جو نہیں آئی۔ میں تجھ کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں کہ اب بھی وقت ہے اپنے عقائد سے توبہ کر اور دوبارہ مسلمان ہو جا۔ میں بھی اللہ سے دعا کروں گا کہ وہ تجھے معاف کر دے۔ اگر تجھ کو جاہ و اقتدار مطلوب ہے تو میں تجھے کسی جند کا والی بنا دوں گا ورنہ گمراہی میں تیری موت دوسروں کے لیے نمونہ عبرت بن جائے گی۔"

اسحاق نے نہایت دلیری سے جواب دیا "میں نے اللہ کے فرشتوں کی ہدایت پر جس نبوت کا اعلان کیا تھا اب تیرے کہنے سے اپنے طور پر اس سے منکر نہیں ہو سکتا۔"

ابو جعفر منصور نے اس کو قید کر دیا اور سوچنے کے لیے ایک ماہ کی مدت دی۔ ایک ماہ کے بعد بھی وہ اپنے عقیدے پر قائم رہا اور خلیفہ کے حکم سے قتل کر دیا گیا۔

اس کے مرنے کے بعد عمان اور بصرہ میں بار بار یہ اعلان کروایا گیا کہ اسحاق جھوٹا تھا وہ پیدائشی بہرا اور گونگا نہیں تھا۔ اس نے کئی اساتذہ سے باقاعدہ پڑھا تھا اور تحصیلِ علم میں بڑی محنت اور جانفشانی سے کام لیا تھا۔ اس کے ماں باپ اور دوسرے رشتے دار الجزائر کے ایک گاؤں میں آج بھی موجود ہیں اور وہ سب اسحاق پر لعنتیں بھیجتے ہیں۔ اس لیے اسحاق کو نبی ماننے والوں کو اپنے اعتقادات سے توبہ کر لینی چاہیے اگر وہ اب بھی اپنے عقیدے پر قائم رہے تو اپنے جھوٹے نبی کی طرح وہ بھی جہنم میں جھونکے جائیں گے۔"

کچھ لوگوں نے توبہ کر لی اور دوبارہ مسلمان ہو گئے لیکن اکثریت اسحاق کی نبوت کی قائل رہی کیونکہ اس کے لیے یہ بات کافی تھی کہ خود اسحاق مرتے مرگیا اپنی نبوت سے منکر نہیں ہوا۔ ان کے خیال میں اسحاق ذیلی اور ظلّی نبی تھا اور قیامت تک نبی رہے گا۔

اس بات کو صدیاں گزر گئیں اور اسحاق کو ذیلی اور ظلّی نبی کہنے اور ماننے والوں کی تعداد میں کمی

Marfat.com

ہوتی چلی گئی کیونکہ اسحاق کے دین کی تجدید کے لیے دوسری کوئی آواز بلند نہیں ہوئی اور یہ کتنے تعجب کی بات ہے کہ اس جھوٹ کا اثر آج بھی کہیں کہیں پایا جاتا ہے اور مشہور محقق ابوالقاسم رفیق دلاوری کے بقول آج بھی عمان میں اسحاق کے ماننے والے پائے جاتے ہیں۔

Marfat.com

عہد مہدی عباسی کا وہ

فتنہ جس نے سالوں خلافت
عباسیۃ کو مضطرب اور منتشر رکھا۔
وہ خود ساختہ پیامبر نہیں بلکہ خود کو
خدا کہلواتا تھا۔ وہ فلسفی، ماہر نفسیات، ماہر
طبیعات اور کیمیا دان تھا اور اس نے ان علوم کی
مدد سے ایک زمانے کو اپنا گرویدہ کرلیا۔ اس نے ایک
چاند تخلیق کیا اور شاعروں نے اس کو اپنا موضوع
بنایا۔ اس کی سوچ، اس کی فکر اور اس کی تنظیمی
صلاحیتوں نے اس کو سالوں ناقابل شکست بنائے
رکھا۔ سادہ لوح عوام اس پر اپنی جانیں قربان کرتے
رہے اور پھر جب مسلمانوں نے اس کو بے بس کردیا
تو یہ شخص اپنے کنبے کے ساتھ آسمانوں پر
چلاگیا۔ فرشتوں کی مدد حاصل کرنے۔ اس کے
ماننے والے اس کا انتظار کرتے رہے کیونکہ
وہ ان کے دلوں پر حکومت کرتا تھا۔

مضمون کے مآخذ

ائمہ تلبیس	تاریخ ابن خلدون	تاریخ الکامل	تاریخ طبری	تاریخ الخلفا
ابوالقاسم رفیق	علامہ ابن خلدون	ابن اثیر	جریر ابوطبری	جلال الدین سیوطی

ابن مقنع

Marfat.com

ابن مقنع

۱۴ سال سرگرم رہا۔ ۷۸۰ء میں مارا گیا

دنیا بھر میں چھوٹے چھوٹے گاؤں وجود میں آتے ہیں اور ناپید ہو جاتے ہیں۔ کبھی کبھی یہ گاؤں قصبے کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور پھر شہر بن جاتے ہیں اور اپنے نام سے زندہ رہتے ہیں لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ کسی گاؤں میں کوئی غیر معمولی شخص پیدا ہو گیا۔ اس شخص نے غیر معمولی کارنامے انجام دیے اور تاریخ عالم میں ایک جاودانی مقام حاصل کر لیا۔ تاریخ کا یہ بڑا آدمی اپنی جائے ولادت کو بھی شہرت دوام بخش دیتا ہے اور ایک چھوٹا سا غیر معروف گاؤں بڑے بڑے نامی گرامی مشہور شہروں کی ہم سری کا دعوے دار ہو جاتا ہے۔

ایران کے شہر مرو کو تاریخ میں ہمیشہ بڑی اہمیت حاصل رہی ہے۔ نیشاپور، طوس، گیلان، تبریز، اصفہان، رے، اہواز اور کرمان آج ہم سب کے لیے معروف ترین مقامات ہیں۔ ان شہروں کو چار چاند لگانے والی وہ نامی گرامی شخصیتیں ہیں جو یہاں پیدا ہوئیں اور اپنے کمالات سے ایک عالم کو متاثر اور مرعوب رکھا۔ جہاں ایران کے مشہور شاعر شمس الدین حافظ اور مصلح الدین سعدی کا ذکر آئے گا، وہاں شیراز کا نام بھی لیا جائے گا۔ جہاں پیران پیر غوث پاک شیخ عبدالقادر کا نام لیا جائے گا وہاں ان کے نام کے ساتھ گیلان کا نام بھی لیا جائے گا۔ مولانا جلال الدین رومی کے پیر و مرشد شمس الدین کا ذکر ہو گا تو ان کے نام کے ساتھ تبریزی ضرور لگا ہو گا۔ عمر خیام کا ذکر آئے گا تو نیشاپور کا ذکر لازم ہو جائے گا۔ یہ شہر، قصبات اور گاؤں اپنے مولدین اور مساکین کی وجہ سے شہرت و مقام حاصل کرتے رہے۔

مرو اور اس کا ایک گاؤں کازہ کیمن وات آج بھی کتابوں میں محفوظ اور موجود ہے۔ مرو تو تاریخ

ابن مقنع

Marfat.com

میں کئی وجوہ اور اسباب سے زندہ ہے لیکن اس کے گاؤں کا زہ کیمن دات کو اگر کوئی جانتا ہے تو صرف ابن مقنع کی وجہ سے۔ یہ نقاب پوش پیغمبر اسی گاؤں میں پیدا ہوا تھا۔

اس کا باپ دھوبی تھا اور اس کے خاندان میں یہ کام عرصہ دراز سے چلا آیا تھا۔ گھر والے اپنا یہ آبائی کام بڑے انہماک سے انجام دیتے تھے۔ گھروں سے میلے کچیلے کپڑے اکٹھا کرنا اور انہیں دھو کر گھروں میں پہنچا دینے کا یہ کام برسہا برس سے جاری تھا۔ اسی خاندان میں ایک بدصورت بچہ پیدا ہوا۔ والدین اس کی پیدائش سے خوش نہیں ہوئے کیونکہ یہ بدصورت بچہ جب گھر والوں کو پسند نہیں آیا تھا تو اسے دوسرے کیا پسند کرتے۔ اس بچے کا نام ہاشم رکھا گیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس کا نام عطار رکھا گیا تھا لیکن شہرت ہاشم کے نام سے پائی۔ جیسے جیسے بچہ پروان چڑھا اسے خود بھی اپنی بدصورتی کا احساس ہونے لگا۔ اس کے ہم سن بچے اس سے گریزاں رہتے۔

ہاشم نے اپنے آبائی کام کو معاشرے کی نظر سے دیکھا تو اس سے بھی کراہیت محسوس ہونے لگی۔ ایک تو بدصورتی دوسرے معمولی خاندانی پیشہ۔ ان دونوں خامیوں نے ہاشم میں احساس کمتری پیدا کر دیا۔ وہ اپنے خاندانی کام سے پیچھا چھڑانا چاہتا تھا مگر یہ کام بہت مشکل تھا۔ اس نے اپنے آس پاس عالموں کو دیکھا تھا۔ ان میں شاعر بھی تھے' جو شہرت و ناموری میں درجہ کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔ ہاشم نے بھی اپنے لیے علم و فن کو چنا۔ وہ اپنے آبائی کام کو ترک کر کے پڑھ لکھ کر کوئی بڑا مقام حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس نے مختلف علوم حاصل کیے مگر ان علوم کی یکسانیت نے اسے مایوس اور آزردہ کیا۔ وہ ایسے علوم کا جویا تھا جس سے دوسرے لوگ محروم ہوں۔ آج ان علوم کو علم کیمیا اور طبیعیات کہا جاتا ہے لیکن ماضی میں انہیں علم طلسم اور نیرنجات کہا جاتا تھا۔ اس نے طبیعیات کا علم بڑی محنت سے حاصل کیا اور ساتھ ہی علم کیمیا بھی۔ کہتے ہیں کہ یہ علم کیمیا میں خاصی شہرت رکھتا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس نے پارہ پر بہت کام کیا۔

ہاشم جن علوم کا شیدائی تھا' اس کے گھر والے انہیں ناپسندیدہ قرار دیتے تھے کیونکہ یہ نامانوس علوم کمائی کے لیے استعمال نہیں ہوتے تھے اور جن علوم سے معاش وابستہ نہ ہو' ہر زمانے میں انہیں ناقدری حاصل رہتی ہے۔

ہاشم اپنے مقصد کے حصول میں مشغول اور منہمک رہا اور لوگوں کو یہ پتا نہ چل سکا کہ ہاشم نے ترقی کی کتنی منزلیں طے کر لی ہیں۔ اسی دوران میں ہاشم عارضہ چیچک میں مبتلا ہو گیا اور چیچک بھی ایسی شدید نکلی کہ گھر کے لوگ اس کی زندگی کی طرف سے مایوس ہو گئے تھے۔

ابن مقنع

Marfat.com

ہاشم نے اپنا علاج بھی خود ہی کیا اور جب وہ صحت یاب ہوا تو اس کا پورا چہرہ داغ دار ہو چکا تھا اور ستم بالائے ستم یہ کہ اس کی ایک آنکھ بھی جاتی رہی تھی۔ اب ہاشم یک چشم ہو چکا تھا۔ بدصورت تو وہ پہلے ہی تھا مگر اب اس بدصورتی میں غیر معمولی اضافہ ہو چکا تھا۔ لوگ اس سے کترانے لگے اور وہ خود بھی لوگوں سے بچنے لگا۔ ان حالات میں وہ خاندان کی کفالت بھی نہیں کر سکتا تھا۔ آخر کار گھر والوں نے اس بے کار اور نکمے آدمی کو گھر سے دور کر دیا اور کہا "اگر تم گھر والوں کے لیے کچھ نہیں کر سکتے تو خود اپنے لیے کچھ کرو۔"

اس نے جن علوم میں کمال حاصل کیا تھا زمانے کی نظر میں ان کی کوئی خاص قدر و قیمت نہیں تھی۔ بس اسی چیز نے اس کو بے وقعت کر دیا تھا۔ اب اس نے چھوٹے موٹے تجربات کرنے شروع کر دیے تھے۔ صبح سے شام تک وہ انہی تجربات میں مشغول رہتا تھا۔ ملنے جلنے والے اس کی مصروفیت کی وجہ سے کنارہ کش ہو چکے تھے۔ ہاشم کو خود بھی ان لوگوں کی کوئی پروانہ تھی لیکن ایسا وقت بھی آیا کہ جب ہاشم کو دوسروں کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس کو جلد ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ اب وہ اتنا بڑا کام تنہا نہیں کر سکتا۔ چنانچہ غیر معروف اور مجبور لوگوں کو اپنے ساتھ کام میں لگانے لگا اور یہ کام چپکے چپکے ہوتا رہا۔ اس نے سوچا کہ اگر وہ یہ کام اپنے گاؤں اپنے شہر اور علاقے میں انجام دیتا رہا تو اسے اس کا کوئی معقول صلہ نہیں ملے گا۔ آخر اس نے اپنے لیے ایک بڑا منصوبہ تیار کیا۔ اسے اپنے عملی علوم پر بہت بھروسا تھا۔

اس نے علاقہ کش کو اپنی جولان گاہ بنایا۔ یہیں نخشب نامی جگہ بھی تھی۔ سرسبز و شاداب پہاڑیوں کا علاقہ۔ اس نے ترک سکونت کی اور اپنے لیے ایک خوب صورت نقاب تیار کروائی۔ بعض مورخ کہتے ہیں کہ یہ نقاب سونے کی تھی لیکن بعض کا خیال ہے کہ یہ نقاب ریشمی تھی اور اس میں سونے کے تار شامل کیے گئے تھے۔ اب اس نقاب نے اس کے مکروہ چہرے کو چھپا لیا تھا۔ جب وہ علاقہ کش میں داخل ہوا تو اس کے چہرے پر نقاب پڑی ہوئی تھی۔ اس لیے کش والے کبھی بھی اس کے مکروہ چہرے کو نہیں دیکھ سکے۔

اس نے نظری علوم بھی حاصل کیے تھے اور انسانوں کی نفسی کیفیات کا بھی وہ بہت بڑا عالم تھا اور خوب جانتا تھا کہ انسان کس قسم کے دام تزویر کا اسیر ہو جاتا ہے۔

اس کے سامنے پیغمبروں کے حالات تھے جن کا اس نے نہایت عمیق نظروں سے مطالعہ کیا تھا۔ تاریخ کے وہ سب بڑے لوگ جنہیں عوام میں برگزیدہ حیثیت حاصل تھی، اس کی نظر میں تھے۔ اس

Marfat.com

نے ایران کے زرتشت اور ہندوستان کے رشی منی حضرات کے کارنامے بھی بغور پڑھے تھے اور وہ اس راز سے واقف ہوگیا تھا کہ انسان فطری اور بنیادی طور پر پرستش کرنے کا عادی ہے۔ یہ اپنے معبود اپنے ہاتھوں سے تراشتا ہے اور پھر ان کی عبادت شروع کردیتا ہے۔ جب یہ بے جان چیزوں کی عبادت کرتا ہے تو پھر اگر اس کے سامنے کوئی جاندار چیز آجائے اور یہ جان دار چیز صاحب کمال بھی ہو تو اللہ کی مخلوق اس کی پرستش پر مجبور ہو جائے گی۔

اب ہاشم پیغمبر بلکہ پیغمبر سے بھی اعلیٰ درجے کی شخصیت بننے کی فکر میں تھا اور لوگوں میں وہ اپنی نقاب کی وجہ سے ابن مقنع مشہور ہو گیا تھا۔

اس نے کش کے قلعے کو اپنے مقصد کے لیے استعمال کیا اور قلعے میں سکونت اختیار کی۔ اس کے چند پیرو ادھر ادھر نکل جاتے اور ابن مقنع کی تعریفیں کرتے پھرتے۔ وہ سادہ لوح عوام کو یہ بتاتے پھر رہے تھے کہ خدا خود انسانی شکل میں نمودار ہو چکا ہے۔ شروع شروع میں لوگوں پر ان باتوں کا کوئی خاص اثر نہیں ہوا لیکن جب یہ بات مسلسل اور متواتر کہی گئی تو لوگوں نے اس پر توجہ دی اور اس نئے انسان نما خدا کے دیدار کی تمنا میں کش کی طرف دوڑنے بھاگنے لگے۔

ابن مقنع کے ماننے والے اور اس کے لیے تبلیغ کرنے والے اب لوگوں کو گھیر گھار کر کش کے قلعے میں پہنچا رہے تھے۔ وہاں ان سب کو ایک ایسے شخص کے سامنے کھڑا کر دیا جاتا جو پستہ قامت تھا اور انسانی لباس میں چہرے کو نقاب میں چھپائے ہوئے قلعے میں آنے والوں کو بشارتیں دے رہا تھا اور انہیں اس اعتبار سے خوش قسمت کہہ رہا تھا کہ خدا ان میں انسانی شکل و صورت میں موجود تھا۔ ماننے والوں کو ابھی تک ابن مقنع پر اعتراض تھا کہ وہ اپنی شکل کیوں نہیں دکھاتا۔ وہ دیکھنا چاہتے تھے کہ اس نقاب کے پیچھے کیا ہے؟

لیکن وہ فی الحال یہ نہیں بتانا چاہتا تھا کہ وہ اپنا چہرہ لوگوں سے کیوں چھپائے ہوئے ہے۔

بہت جلد کش کے قلعے میں لوگوں کا اژدھام رہنے لگا۔ ان لوگوں کو کھانا پینا یہیں سے فراہم کیا جاتا کیونکہ جھوٹے خدا کو اپنی خدائی برقرار رکھنے کے لیے رزق تو فراہم کرنا ہی تھا۔ ابن مقنع نے بھی اپنے بندوں کے لیے کھانے پینے کا انتظام کر رکھا تھا۔ ان سب کو سفید لباس پہننے کی ہدایت کی گئی اور یہ سفید لباس بھی وہ خود فراہم کرتا تھا۔ اسی لیے لوگ ان کو سفید جامیان کہتے تھے۔

جب یہ خبریں ہر طرف گشت کرنے لگیں تو علما کو فکر لاحق ہوئی کہ یہ شخص دین میں فتنے برپا کر رہا ہے۔ ان علمائے کرام نے فیصلہ کیا کہ اس نقاب پوش جھوٹے خدا سے مناظرہ کیا جائے لیکن ان کا کش

Marfat.com

کے قلعے میں پہنچنا آسان نہیں تھا۔ جب ابن مقنع کو بتایا گیا کہ مسلمان علما اس سے مناظرہ کرنا چاہتے ہیں تو اس نے حقارت سے کہا "یہ عاجز اور درماندہ مسلمان جو انسان بھی ہیں' اپنے خدا سے کس طرح مناظرہ کریں گے؟"

لیکن دھن کے پکے اور غیرت و حمیت سے معمور دینی علماء کش کے قلعے میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ خلاف توقع انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ اب ابن مقنع کے لیے پیچھا چھڑانا بہت مشکل تھا لیکن اسے اپنے شجر علمی پر ناز تھا اور وہ جانتا تھا کہ یہ دینی علما ہمہ جہتی علوم کے ماہر کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

یہ تین عالم بہ مشکل کش کے قلعے میں پہنچے تھے اور انہیں معلوم تھا کہ وہ جس چالاک اور عیار انسان سے بات کرنے والے ہیں وہ ماہر طلسم بھی ہے اور سننے میں آیا تھا کہ وہ اپنے مخاطب کو سحر زدہ کر کے مغلوب کر دیتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ شعبدے بھی دکھاتا ہے اور یہ شعبدے عوام میں اس کی مقبولیت کا باعث بن گئے ہیں۔ جب یہ عالم ابن مقنع کے سامنے پیش کیے گئے تو وہ کچھ دیر تک اس پستہ قامت شخص کو دیکھتے رہے۔ دوسری طرف نقاب کے پیچھے سے ابن مقنع بھی ان علما کو غور سے دیکھ رہا تھا اور ان کی بے چارگی پر افسوس کر رہا تھا۔ آخر کار ایک عالم نے پوچھا "اے شخص! اگر ہم غلطی پر نہیں ہیں تو تو مرو کے ایک گاؤں سے تعلق رکھتا ہے اور تیرا نام ہاشم ہے؟"

ابن مقنع نے جواب دیا "میرے بہت سے نام ہیں اور ان میں سے ایک ہاشم بھی ہے۔ اب تو مطلب کی بات کر۔"

ایک عالم نے پوچھا "یہ بتا کہ تو یہاں کیوں آیا اور ہم سے کیا چاہتا ہے؟"

ابن مقنع نے کہا "یہ مت پوچھ کہ میں یہاں کیوں آیا۔ میں ہر جگہ موجود ہوں۔ میں تجھ سے کہیں بھی مل سکتا تھا مگر میں جانتا ہوں کہ میں تجھ سے جہاں بھی ملتا تو مجھ سے یہی سوال کرتا کہ میں یہاں کیوں آیا۔"

عالم نے کہا "تو خود بھی ایک عالم ہے۔ تجھے یہ ضرور معلوم ہو گا کہ اس دنیا میں جب بھی پیغمبر آئے تو وہ جن شہروں اور قصبوں میں وارد ہوتے تھے' لوگوں میں وعظ و تلقین شروع کر دیتے تھے مگر ان میں ایک بھی ایسا پیغمبر نہیں ملتا جو قلعے میں بند ہو کے اپنے پیروؤں کے ذریعے وعظ و تلقین کر رہا ہو۔ ایسا کیوں ہے؟"

ابن مقنع نے جواب دیا "اس سے پہلے جتنے بھی پیغمبر آئے وہ حقیقتاً اپنا کام اس طرح کر کے واپس

Marfat.com

چلے جاتے کہ ان کا کام ناقص رہ جاتا اور انسان کی گمراہی میں کوئی کمی نہ ہوتی۔"

عالم نے کہا "لیکن جب تو اتنی بڑی بات کہہ رہا ہے تو تجھ کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ تمام دینوں میں سچائیاں یکساں ہیں اور تمام ادیان میں یہی ایک قدر مشترک پائی جاتی ہے۔ کوئی بھی دین جھوٹ کو اچھا اور سچائی کو برا نہیں کہتا۔ ہر دین انہی بنیادوں پر کھڑا ہے۔ تیرا دین کیا ہے اور اس کی اساس کیا ہے؟"

ابن مقنع نے جواب دیا "نبیوں کو بھی میں نے ہی بھیجا تھا اور انہیں تعلیم بھی میں نے ہی ودیعت کی تھی لیکن پھر میں نے یہ بھی دیکھا کہ یہ سب ناکام و نامراد واپس چلے گئے اور آخر کار ان کا کام مجھے اپنے ذمے لینا پڑا اور میں انسانی شکل اختیار کر کے تم میں نازل ہو گیا ہوں۔"

ایک عالم نے توبہ و استغفار کی تلقین کی "ایسے مشرکانہ کلمات اپنی زبان سے مت ادا کر۔"

دوسرے عالم نے خواہش ظاہر کی "ذرا اپنے چہرے سے نقاب تو ہٹا تاکہ ہم بھی یزدانی روپ دیکھیں۔"

ابن مقنع نے ان عالموں کو یاد دلایا کہ کئی ہزار سال پہلے اسی قسم کی خواہش موسیٰ (علیہ السلام) نے بھی کوہ طور پر کی تھی۔ اس کے جواب میں 'میں نے ایک جھلک موسیٰؑ کو دکھائی تھی تو موسیٰؑ بے ہوش ہو گئے مگر آج تو پھر ویسی ہی درخواست کر رہا ہے۔ کیا تو بھی موسیٰؑ کی طرح بے ہوش ہو جانا چاہتا ہے۔"

عالموں نے متفقہ طور پر جواب دیا "جناب' آپ ہماری فکر نہ کریں۔ ہم لوگ یہاں خاکستر ہونے کے لیے آئے ہیں۔ آپ اپنے چہرے سے نقاب ہٹائیں تو سہی' ہماری فکر نہ کریں۔"

ابن مقنع نے اپنے ماننے والوں سے کہا "اب ان علما کے پاس سوال و جواب کے لیے کچھ بھی نہیں رہ گیا۔"

لیکن علما چہرے سے نقاب ہٹانے کی ضد کرتے رہے جو ناکامی پر ختم ہوئی اور علما کو زبردستی نکال دیا گیا۔

اب ابن مقنع کے پیروؤں نے کہنا شروع کر دیا کہ مسلمان علمأ لاجواب ہو کر واپس چلے گئے لیکن ہمارا خدا کش کے قلعے میں اب بھی موجود ہے۔ ان علمائے کرام نے عباسی خلیفہ مہدی کو دوسرے علمائے کرام کے دستخطوں کے ساتھ ایک محضر نامہ بھیجا۔ اس میں لکھا گیا تھا کہ خراسان کا ایک عالم اور ماہر طلسمات خود کو خدا کہتا ہے اور ہر طرف بغاوت پھیلا رکھی ہے۔ اب چونکہ اس کے پیروؤں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے اس لیے قصرِ خلافت کو مضبوط رکھنے کی ضرورت ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے پیرو بغداد تک پہنچ جائیں۔"

ابن مقنع

Marfat.com

مہدی عباسی نے اس محضر نامے کو پڑھا اور اسے احتیاط سے رکھوا دیا۔ اس نے اس بہت بڑے فتنے کو کوئی اہمیت نہ دی۔ وہ خاموش ہو گیا مگر کچھ دنوں بعد ماوراء النہر کے لوگوں نے بھی اسی قسم کی درخواست مہدی عباسی کے پاس روانہ کی اور یہ بتایا کہ اگر مزید غفلت برتی گئی تو ایک دن اس خطے میں اسلام تلاش کرنے کے باوجود نہیں ملے گا۔ اس وقت سے ڈریے جب ہم سب اس بہت بڑی آزمائش میں ڈال دیے جائیں۔"

اس بار مہدی عباسی نے ایک چھوٹی سی فوج ماوراء النہر کے گردونواح میں روانہ کردی اور دم سادھ کے بیٹھ رہا۔ اس کا خیال تھا کہ یہ چھوٹا سا دستہ ان مفروضہ دشمنوں کو بہت جلد قابو میں کرلے گا لیکن ابن مقنع زیادہ چالاک نکلا۔ اس نے اپنے ماننے والوں کو حکم دیا "شاید ہمیں مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنی پڑے اور یہ جنگ فیصلہ کن ہوگی۔ ہمیں ہتھیار درکار ہیں۔ اس لیے جہاں کہیں سے ملیں وہاں سے فراہم کیے جائیں اور اب ہمیں اس قلعے کے باہر کم رہنا چاہیے۔"

اس کے پیروؤں نے ہتھیاروں کے لیے لوٹ مار شروع کردی اور لوہاروں کا بھی بندوبست کیا تاکہ مزید اسلحہ تیار کیا جاسکے۔ وہ ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار تھا۔

اب اس کے ماننے والے پورے ماوراء النہر میں پھیل چکے تھے چونکہ ابن مقنع علم کیمیا اور علم طبیعیات کا ماہر تھا اس لیے وہ اپنے ماننے والوں کو ان کے شعبدے دکھاتا رہتا تھا اور یہ بھولے بھالے لوگ اس کے دام فریب میں آتے چلے گئے۔

یہ پہاڑی علاقہ تھا اور یہاں درختوں کی بھی کثرت تھی اس لیے یہاں رات کو اندھیرا بہت رہتا تھا۔ جب چاند نکلتا تھا تو لوگ اس کی روشنی سے فائدہ اٹھاتے تھے ورنہ اندھیروں میں پریشانیوں سے دوچار رہتے تھے۔ یہ مسئلہ ابن مقنع کے سامنے رکھا گیا۔ ابن منقع نے پوچھا "تم لوگ کیا چاہتے ہو؟"

لوگوں نے جواب دیا "روشنی اور اندھیرے سے نجات۔ آپ نے جو چاند آسمان پر پیدا کیا ہے وہ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔ کیا ایسا ممکن ہے کہ آپ اس چاند کو ہی ایک حالت میں مستقل قائم کردیں اور اس کے گھٹنے بڑھنے کا عمل ختم کردیا جائے۔"

ابن مقنع سوچتا رہا اور لوگوں نے اس کو سوچنے اور کام کرنے کا موقع فراہم کیا۔ آخر ابن مقنع نے خلوت اختیار کی اور وہ خاصے عرصے کے لیے غائب ہو گیا۔ وہ اپنی شاکی مخلوق کے لیے ایک نیا چاند تیار کر رہا تھا۔ ایک ایسا چاند جو طلوع ہو کر کش اور نخشب کے تیس میل کے علاقے کو ہر شب منور کردیا کرے اور جو گھٹتا بڑھتا بھی نہ ہو۔ یہ بظاہر بہت معجزاتی کام تھا اور اس پر اس کی خدائی کا انحصار تھا کہ

ابن مقنع

Marfat.com

اگر وہ ایک اور چاند طلوع کرنے میں کامیاب ہو گیا تو اس کی خدائی مستحکم ہو جائے گی۔ کئی ماہ بعد وہ ایک ایسا چاند بنانے میں کامیاب ہو گیا۔ لوگوں نے دیکھا کہ آسمان پر دو چاند طلوع ہو گئے۔ ایک چاند بہت دور تھا اور دوسرا چاند قریب۔ اس دوسرے چاند کی روشنی سے پورا علاقہ منور ہو گیا اور ابن مقنع کی خدائی کا چرچا عام ہو گیا۔ جو لوگ ابھی تک پس وپیش سے کام لے رہے تھے وہ بھی ابن مقنع پر ایمان لے آئے اور اب وہ بے دلیل اس علاقے کا خدا بن چکا تھا۔ اس چاند کو دیکھنے کے لیے دور دور سے لوگ آیا کرتے تھے۔

اب اس کے لب ولہجے میں بھی فرق آگیا تھا اور اس کے دعووں میں بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ اس جھوٹے خدا کو عورتوں کی بھی ضرورت پیش آئی اور اس کی خدمت میں حسین ترین عورتیں اور لڑکیاں پیش کر دی گئیں جو اس کی بیویاں بن گئیں اور ان سے اولادیں پیدا ہونے لگیں۔ اب اس کے سارے کام آسان ہو گئے تھے۔ اطراف وجوانب سے لوگ بھی چلے آرہے تھے۔ ہتھیار بھی آرہے تھے اور ان ہتھیاروں کو استعمال کرنے والوں کی بھی اب کوئی کمی نہیں رہی تھی۔ اب یہ جعلی خدا ان سب سے دور ہو گیا تھا کیونکہ اب اسے انسانوں میں نادیدہ خدا بن کے رہنا تھا۔

اس نے تحریری طور پر پیغامات لوگوں میں پہنچانے شروع کر دیے کہ خدا آدمؑ سے پہلے آدمؑ سے جدا تھا مگر جب وہ مجسم دنیا میں نمودار ہونے کا متمنی ہوا تو اس نے آدمؑ کو پیدا کیا اور اس میں خود منتقل ہو گیا اور معلم الملکوت عذازیل کو حکم دیا کہ وہ آدمؑ کو سجدہ کرے۔ وہ نادان یہ سمجھا کہ اس کو ایک خاک کے پتلے کو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے حالانکہ خود اللہ آدمؑ میں موجود تھا اور وہ خود کو سجدہ کروا رہا تھا۔ شیطان نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور راندہ درگاہ قرار پایا اور آج بھی وہ مردود اور مقہور ہے۔

اس کے بعد اللہ حضرت نوحؑ میں ظاہر ہوا اور انہیں بھی سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا لیکن شیطان بدستور اپنی ضد پر قائم رہا۔ نوحؑ کے بعد ابراہیمؑ موسیٰؑ عیسیٰؑ اور احمد عربیؐ میں ظاہر ہوا اور آخر میں وہ ابو مسلم خراسانی کی شکل میں ظاہر ہوا۔ ابو مسلم کے قتل کے بعد خدا میری ذات میں منتقل ہو گیا۔ اسی لیے میں خدائی کا دعویٰ کرتا ہوں کہ میں خدا ہوں اور بے شک وشبہ اسی لیے خدائی کا دعوے دار ہوں۔"

اب ابن مقنع کو خوب معلوم تھا کہ اس کا یہ دعویٰ اور باتیں خلافت عباسیہ تک ضرور پہنچیں گی اور وہاں سے اس کے خلاف فوجی کارروائی کی جائے گی اور یہ کارروائی معمولی نہیں ہو گی اس لیے اب وہ مسلسل، پوری طرح فوجی تنظیم کی طرف راغب ہو گیا۔ فوج میں جوانوں کی بھرتی شروع ہو گئی۔ ان جوانوں کو فوجی تربیت دی جانے لگی اور انہیں یہ باور کرایا گیا کہ جس جنت کا انسانوں سے وعدہ کیا گیا

Marfat.com

ہے' وہ تم لوگوں کے لیے ہے۔ تم مسلمانوں سے جنگ کرو گے' انہیں قتل کرو گے اور خود بھی قتل ہو گے تو تمہیں اس قتل کے صلے میں جنت ملے گی جہاں تم ہمیشہ ہمیشہ رہو گے۔"

ان پیغامات نے سفید جامیان میں روح پھونک دی اور یہ لوگ لڑنے بھڑنے پر آمادہ ہو گئے۔ عباسی خلافت نے ان کے خلاف روایتی کارروائی کا آغاز کر دیا لیکن اس تھکی ہوئی فوج کو کش تک پہنچنے میں کافی دیر لگ گئی۔ راستے کی تھکان سے ان کا برا حال تھا۔ یہ لوگ جیسے ہی کش کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ ان کے مقابلے میں ایک عظیم الشان لشکر جرار موجود ہے۔

خلافت کی فوج خیموں کی تنصیب کا کام انجام دینے لگی لیکن سفید جامیان نے انہیں اس کا موقع ہی نہیں دیا اور اسلامی لشکر پر حملہ آور ہو گئے۔ باقاعدہ جنگ چھڑ گئی اور ذرا سی دیر میں اس جنگ نے خوف ناک شکل اختیار کر لی۔ مسلمان ایک مرتد اور ملحد قوم سے لڑ رہے تھے اور ان کا بھی یہی یقین تھا کہ اگر شہید ہوئے تو انہیں جنت ملے گی۔ آخر کار سفید جامیان غالب آئے اور مسلمانوں کو شکست ہوئی۔ مسلمانوں کا لشکر منتشر ہو گیا اور ابن مقنع نے اعلان کیا "جدھر خدا ہو گا' وہ غالب آئے گا۔" ابن مقنع خوش تھا اور اس نے اسی خوشی میں حکم دیا کہ خدا سفید جامیان کو خوش خبری سناتا ہے کہ جو لوگ مسلمانوں سے جنگ کرتے ہوئے مارے گئے ہیں انہیں دوبارہ زندگی بخشی جائے گی۔

ابن مقنع سے پوچھا گیا "کیا مرنے والے دوبارہ زندہ ہو جائیں گے؟"

اس نے جواب دیا "تمہارے گھروں میں اب جو اولادیں پیدا ہوں گی' ان میں مرنے والوں کی روحیں حلول کر چکی ہوں گی اور اب یہ لوگ جب بڑے ہوں گے تو انہیں بلند مراتب سے نوازا جائے گا۔"

اسی دوران میں قلعے میں کئی بچے پیدا ہوئے۔ ان پیدا ہونے والوں کو بڑی عزت دی گئی اور ان کی اس طرح تعظیم کی گئی جیسے چھوٹے اپنے بزرگوں کی کرتے ہیں۔ ان میں ایک ایسا بچہ بھی تھا جس کے دونوں کان کٹے ہوئے تھے۔ اس کے لیے بطور خاص قلعے میں چرچا کیا گیا کہ دوران جنگ بچے کے چچا کے دونوں کان زخمی ہوئے تھے اور اب وہ چچا بھتیجے کی صورت میں اپنے ہی گھر میں دوبارہ واپس آ گیا تھا۔ اس بچے کو ابن مقنع کے پاس لے جایا گیا اور اس سے پوچھا گیا "کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ اس بچے کی شکل میں دوبارہ کون واپس آ گیا؟"

ابن مقنع کے سامنے بچے کے والدین موجود تھے۔ ان میں اگر باپ کی عمر چھبیس ستائیس سال کی تھی تو ماں کی عمر بیس بائیس سال۔

ابن مقنع

Marfat.com

ابن مقنع نے ان دونوں کی طرف دیکھا اور پوچھا "اس جنگ میں تیرے گھر کا کوئی فرد شہید ہوا تھا؟"

نومولود کے باپ نے جواب دیا "ہاں! اس نومولود کا چچا یعنی میرا بھائی قتل ہوا تھا اس کے دونوں کان زخمی ہو گئے تھے۔"

ابن مقنع نے جواب دیا "مبارک ہو کہ تیرا بھائی تیرے بیٹے کی شکل میں دوبارہ واپس آیا ہے۔"

ابھی یہ گفتگو جاری تھی کہ پانچ دوسرے نومولود بھی ابن مقنع کی خدمت میں پیش کیے گئے اور ان کے بارے میں بھی اسی قسم کے سوالات کیے گئے۔ ابن مقنع نے ان سب کو خوش کر دیا۔ بتایا کہ ان پانچوں میں عظیم روحیں سانس لے رہی ہیں اور یہ مستقبل کے بڑے لوگ ہیں۔ ان پانچوں کی بھی بڑی پذیرائی ہوئی۔ رات بھر جشن کا سماں رہا۔ گھروں سے گانے کی صدائیں بلند ہوئیں۔ ان سازوں کی آوازیں مدغم ہو کر عجیب کیفیت پیدا کر رہی تھیں۔

دوسرے دن صبح جھوٹا خدا اچانک کہیں غائب ہو گیا اور سارے دن غائب رہنے کے بعد جب وہ رات کو اچانک نمودار ہوا تو اس نے اپنے پیروکاروں کو بتایا "میں اچانک بغداد چلا گیا تھا۔ میں نے بغداد پر جو افسردگی کا سماں دیکھا ہے' وہ ناقابل بیان ہے۔ قصرِ خلافت میں خلیفہ مہدی اپنی قسمت پر آنسو بہا رہا تھا اور درباری بھی آنسو بہانے میں اس کا ساتھ دے رہے تھے۔ جن کے مرد مارے گئے تھے ان کے گھروں میں زیادہ کہرام برپا تھا۔"

کسی شکی نے سوال کیا "خداوند! یہ جگہ بغداد سے بہت دور ہے پھر یہ خبر دو دن کے اندر بغداد کس طرح پہنچ گئی؟"

ابن مقنع نے جواب دیا "میں نے اپنے فرشتوں کو حکم دیا تھا کہ شکست کی خبریں بغداد میں گھر گھر پہنچا دیں چنانچہ فرشتوں نے اپنا فرض انجام دیا۔"

لیکن ابن مقنع کو اپنے شکی پیرو کا سوال پسند نہیں آیا۔ اس نے بطور خاص اس شخص کو تنبیہہ کی "جب تمہارا خدا تمہیں کوئی خبر سنائے تو تم میں سے کسی کو بھی یہ زیب نہیں دیتا کہ اس پر کسی قسم کے شبے کا اظہار کرے۔"

اس شخص کو بڑی ندامت ہو رہی تھی۔ وہ اس محفل سے چپ چاپ اٹھ گیا اور کہاں گیا یہ کسی کو بھی نہ معلوم ہوا۔ کئی دن تک اس کا پتا نہ چلا اور جب پتا چلا تو اس طرح اور اس حالت میں کہ وہ پہاڑی کھڈ میں مردہ حالت میں پایا گیا۔ لوگوں کا خیال تھا کہ یہ سب کچھ عتابِ خداوندی سے ہوا ہے اور

Marfat.com

آئندہ کسی کو بھی خدا کے کسی معاملے میں نہ تو شبہ کرنا چاہیے اور نہ دخل دینا چاہیے۔"

اب لوگوں کا اصرار بڑھا کہ وہ خداوند کا دیدار کرنا چاہتے ہیں۔ خداوند نے انہیں جواب دیا "تم لوگ خدا کا دیدار نہیں کر سکتے کیونکہ تمہاری بینائی تاب جلوہ نہیں لا سکتی اور تمہارے دل اتنے مضبوط نہیں ہیں کہ خدا کا دیدار برداشت کر سکیں۔ تمہارے دماغ ماؤف ہو جائیں گے۔"

ابن مقنع کو معلوم تھا کہ بات ایک جنگ کے بعد ختم نہیں ہو جائے گی۔ خلافتِ عباسیہ خاموش نہیں بیٹھے گی اور اب جو عساکر بغداد سے آئیں گے وہ معمولی نہیں ہوں گے۔ اس لیے اس نے مقابلے کے لیے قلعوں کی تعمیر کا منصوبہ بنایا۔ چنانچہ فوری طور پر دو قلعوں کی تعمیر کا حکم دیا گیا۔ ایک قلعے کا نام ویثق رکھا گیا اور دوسرے کا صیام۔ صیام کے قلعے میں پہاڑی محل وقوع کا خاص خیال رکھا گیا تھا۔ یہ جگہ پر پیچ پہاڑیوں میں واقع تھی اور یہاں تک کسی فوج کا پہنچنا بہت مشکل امر تھا۔ اس کی تعمیر میں جو اینٹیں اور پتھر استعمال ہوئے تھے وہ نہایت بڑے بڑے تھے۔ دیوار کی چوڑائی میں سو اینٹیں استعمال کی گئی تھیں۔

دونوں قلعوں کی تعمیر کا کام بیک وقت شروع کیا گیا تھا اور اس کی تعمیر میں جو معمار اور مزدور کام کر رہے تھے' انہیں یا تو جبراً کام پر لگایا گیا تھا یا وہ ابن مقنع کی جھوٹی خدائی کے فریب میں آ گئے تھے۔

مال و زر اور سونے چاندی کی بہرحال ضرورت رہتی تھی۔ ان کی حصولیابی یوں ممکن بنائی گئی کہ اس کے پیروؤں نے اپنے جھوٹے خداوند کے حکم پر لوٹ مار اور ڈاکا زنی شروع کر دی تھی۔ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ انہیں مطلوبہ چیزیں جہاں سے بھی ملیں حاصل کریں کیونکہ جہان میں جو کچھ بھی ہے اور جہاں ہے' خداوند ابن مقنع کا ہی ہے۔ اس کے پیرو اسلامی شہروں میں داخل ہو کر لوٹ مار کرتے اور لوٹ مار سے جو کچھ حاصل ہوتا وہ ابن مقنع کے قدموں میں ڈال دیتے۔ ابھی قلعہ صیام کی تعمیر جاری تھی کہ چند معمار اس بات پر اڑ گئے کہ وہ یہ کام کوئی اجرت لیے بغیر نہیں کریں گے۔ یہ چند معمار مسلمان تھے اور وہ ابن مقنع کی خدائی کے قائل نہیں تھے۔ انہیں یہ پستہ قامت جعلی خدا' اس لیے بھی برا لگتا تھا کہ وہ عام انسانوں کی طرح کھاتا پیتا تھا' باتیں کرتا تھا اور حوائج ضروریہ کا پابند تھا۔ اس کی بہت ساری بیویاں تھیں۔ ان بیویوں سے بہت ساری اولادیں تھیں اور وہ عام انسانوں کی طرح سوتا جاگتا تھا۔ چنانچہ ان مسلمان معماروں نے اعلان کیا کہ وہ اپنے کام کی اجرت لیں گے اور بیگار میں کام نہیں کریں گے۔

ابن مقنع

Marfat.com

جب یہ خبر ابن مقنع کو پہنچائی گئی تو اس نے کسی قدر برداشت سے کام لیا اور اپنے پیروؤں کو سمجھایا "اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ مسلمان معماروں کے بغیر کام نہیں چلے گا تو ان کے خلاف جوش مت دکھاؤ۔ صبر و برداشت سے کام لو اور وہ جو اجرت مانگتے ہیں انہیں دیتے رہو بلکہ ان کے کھانے پینے کا ذمہ بھی خود لے لو۔ یہاں سے جو کچھ کماتے ہیں، کما لینے دو۔ یہ رقم تو ان کے پاس ہی رہے گی۔ جب کام ختم ہو جائے تو انہیں قتل کر کے کسی گہری کھائی میں پھینک دو۔ اس طرح تمہاری رقم تمہارے پاس رہے گی۔"

لیکن ابن مقنع کے بعض پیروؤں کو ان معماروں پر یہ بھی اعتراض تھا کہ یہ لوگ یہاں پانچ وقت کی نمازیں بھی پڑھتے ہیں جبکہ ابن مقنع نے نمازیں معاف کر دی تھیں اور جواز میں یہ کہتا تھا کہ جب خدا غائب ہو تو اس کے غیاب اور تصور میں نماز لازمی بلکہ فرض ہو جاتی ہے کیونکہ اس حالت میں خدا اپنے بندوں سے اپنے لیے نماز کے علاوہ کوئی اور کام نہیں لیتا لیکن جب خدا نے بشریٰ شکل اختیار کر لی اور وہ تم میں عام انسانوں کی طرح رہنے لگا تو گویا تم سب نے اپنی زندگیاں خداوند کی تابعداری اور خدمت کے لیے وقف کر دیں اور اس طرح تمہارا ہر عمل عبادت بن گیا۔ اسی لیے عبادات الٰہیہ منسوخ ہوئیں اور تمہیں ان سے آزاد کر دیا گیا۔

لیکن مسلمان معمار اب بھی ان کے قابو میں نہیں آ رہے تھے۔ آخر کار ابن مقنع نے حکم دیا ان ناہنجاروں کو میرے سامنے پیش کیا جائے۔

مسلمان معماروں کو ابن مقنع کے سامنے پیش کر دیا گیا اور انہیں حکم دیا گیا "دیکھو! اس وقت تم خداوند ابنِ مقنع کے سامنے کھڑے ہو۔ اس لیے تمہارا فرض ہے کہ اسے سجدہ کرو۔"

یہ کل آٹھ معمار تھے اور یہ سبھی متحد الخیال تھے۔ ان میں سے ایک معمار نے سب کی طرف سے گفتگو شروع کی اور کہا "ہماری عقلیں کسی صورت میں بھی یہ بات نہیں مان سکتیں کہ خدا انسانی شکل میں بھی آ سکتا ہے۔ ہم ایک فانی انسان کے سامنے سجدہ نہیں کر سکتے۔"

ابن مقنع نے ان کو سمجھایا "میں تمہارا خدا، تمہارے سامنے انسانی شکل میں موجود ہوں اور تم میری خدائی کے منکر ہو، بس یہی عذر تمہیں ہمارے سامنے سربہ سجود ہونے سے روک رہا ہے یا اس کے علاوہ بھی کوئی بات ہے؟"

مسلمان معمار نے جواب دیا "جناب والا! ہم مشقت کرنے والے لوگ اگر اپنے کام کی اجرت نہ پائیں گے تو ہمارا اور ہمارے کنبے کا خرچ کس طرح چلے گا۔"

Marfat.com

ابن مقنع نے کہا "تمہارا خرچ تم کو ملتا رہے گا۔ تم یہاں نمازیں پڑھتے رہو، تمہیں اس سے بھی نہیں روکا جائے گا مگر تمہیں بھی یہ پابندی کرنی ہوگی کہ آئندہ ہمارے پیروؤں کے سامنے ہمارا مذاق نہیں اڑاؤ گے اور ہماری خدائی کے خلاف تقریریں نہیں کروگے۔"

مسلمان معماروں نے درخواست کی کہ انہیں فارغ کردیا جائے، وہ یہ کام نہیں کریں گے۔ ابن مقنع نے فی الفور صاف جواب دیا "یہ نہیں ہو سکتا۔ تمہارے سپرد جو کام کیا گیا ہے اسے پورا کرو۔"

مسلمان معماروں کو یہ اندازہ تھا کہ وہ جن موذیوں میں پھنس گئے ہیں۔ ان سے رہائی حاصل کرنا آسان کام نہیں ہے۔ ان لوگوں نے ابن مقنع سے کہا "ہم اپنے حصے کا کام کردیں گے مگر اس سے پہلے ہمیں یہ بتایا جائے کہ آپ نے جس دین کی داغ بیل ڈالی ہے اس میں عبادت کا کوئی تو تصور ہوگا۔ جو لوگ آپ کے قریب ہیں وہ تو آپ کی تابعداری کرکے عبادت کرلیتے ہیں مگر جو آپ سے دور ہیں وہ کس طرح عبادت کرتے ہیں؟"

ابن مقنع نے جواب دیا "میرا دین اسلام سے مختلف نہیں ہے۔ میرے دین میں بھی مسجدیں ضروری ہیں اور میں نے یہ حکم دے رکھا ہے کہ مسجدیں زیادہ سے زیادہ تعمیر کی جائیں اور ان میں موذن مقرر کیے جائیں بلکہ اگر تم تیار ہو تو دو چار مسجدیں تم بھی تیار کردو اور ان مسجدوں سے ملحق سرائے بھی تعمیر کرو تاکہ مسافروں کو خدا کے گھر کے قریب ہی رہنے کا ٹھکانا بھی مل جائے کیونکہ پردیس میں مسافروں کا اللہ کے سوا کوئی نہیں ہوتا۔"

مسلمان معماروں نے کہا "ہم بس قلعے کی تعمیر تک یہاں رکیں گے۔ اس کے بعد اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں گے۔"

ابن مقنع نے اصرار نہیں کیا "تمہاری مرضی، ہم بھی تمہیں مجبور نہیں کریں گے۔"

مسلمان معمار قلعے کی تعمیر میں مشغول ہوگئے اور ابن مقنع نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا "جب قلعے کی تعمیر مکمل ہوجائے تو ان مسلمان معماروں کو میری اجازت کے بغیر یہاں سے جانے نہ دیا جائے۔" ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا کہ مشہور شاہراہوں پر سرائے کے قریب مساجد تعمیر کی جائیں۔ ہر مسجد سے ملحق ایک سرائے ضرور ہونی چاہیے۔ مسجد میں ایک موذن مقرر کیا جائے جو حسب روایت اذان دیتا رہے۔

پیروؤں نے عرض کیا "لیکن نماز کی بابت آپ نے کوئی حکم نہیں دیا؟"

ابن مقنع نے کہا "نمازیں معاف کردی گئی ہیں۔ میری موجودگی میں ان کی ضرورت باقی نہیں رہی

Marfat.com

بلکہ تمہاری نماز یہ ہے کہ میرے ہر حکم کی بلا عذر تعمیل کرو۔"

اب ایک طرف قلعہ تعمیر ہو رہا تھا اور دوسری جانب کئی مساجد بیک وقت تعمیر ہو رہی تھیں۔ لوٹ مار کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ اس لوٹ مار میں جہاں مال و زر، سونا چاندی اور دوسری قیمتی چیزیں لوٹی جاتی تھیں وہیں عورتوں اور بچوں کو بھی اغوا کر لیا جاتا تھا۔ عورتیں تو مردوں میں تقسیم ہو جاتی تھیں اور بچوں کی تعلیم و تربیت ابن مقنع کے اصولوں پر کی جاتی تھی۔

ابھی قلعے کی تعمیر جاری تھی کہ ابنِ مقنع قلعے میں منتقل ہو گیا کیونکہ قلعے کا جو حصہ اس کے لیے مخصوص تھا، وہ تیار ہو چکا تھا۔ اس کے مصنوعی چاند کی روشنی قلعے کے اس حصے پر خوب پڑتی تھی۔ اسی چاند کی روشنی میں ابن مقنع اپنے پیروؤں کو درس دیتا تھا، احکامات جاری کرتا تھا اور یہیں چاند کی روشنی میں مختلف شہروں اور مختلف مقاموں سے اغوا کی ہوئی عورتیں اور لڑکیاں لائی جاتی تھیں اور ابن مقنع ان میں سے اپنے لیے پسند کر کے الگ کر لیتا تھا اور بقیہ دوسروں میں تقسیم کر دی جاتی تھیں۔ بعض اوقات یہاں دلچسپ صورت حال پیدا ہو جاتی تھی۔

کئی مساجد تیار ہو گئیں اور ان سے ملحق سرائے بھی بن گئیں۔ جب یہ خبر ابن مقنع کو پہنچائی گئی تو اس وقت وہ اپنے چاند کی روشنی میں اپنے دینی مسائل بیان کر رہا تھا۔ خبر دینے والے ایک طرف ادب سے بیٹھ گئے۔ ابن مقنع نے انہیں دیکھ لیا تھا لیکن کوئی اور یہ اندازہ نہیں لگا سکا تھا کہ ان نئے آنے والوں کو مجلس میں بیٹھتے ہوئے ابن مقنع نے بھی دیکھ لیا ہے۔ کچھ دیر بعد ابن منقع نے پوچھا "وہ لوگ کہاں ہیں جو کچھ نئی خبریں لے کر آئے ہیں۔"

ان نئے آنے والوں کو ابن مقنع کے روبرو پیش کر دیا گیا۔ ان لوگوں نے ابن مقنع کو بتلایا "دو مسجدیں تیار ہیں اور ان میں موذن بھی بٹھا دیے گئے ہیں۔ دونوں سے ملحقہ سرائے بھی تیار ہیں۔ اب ان کے لیے مزید کیا حکم ہے؟"

ابن مقنع نے پوچھا "کیا ان مساجد میں مسلمان نمازیں پڑھتے ہیں؟"

جواب دیا گیا "بہت زیادہ، صبح سے رات گئے تک۔"

ابن مقنع نے سرائے کی بابت سوال کیا "کیا وہ دونوں سرائیں مسافروں سے بھری رہتی ہیں۔"

آنے والوں نے جواب دیا "بالکل، کیونکہ یہ سرائیں کسی مسافر سے کچھ طلب نہیں کرتیں اس لیے یہاں مسافروں کا تانتا بندھا رہتا ہے۔"

ابن مقنع نے کہا "ان نمازی مسافروں کو نہایت ہوشیاری سے لوٹ لیا جائے کیونکہ ان کے پاس

Marfat.com

جو کچھ ہے' وہ ہمارا ہے۔"

آنے والوں نے نمازیوں اور مسافروں کے بارے میں عرض کیا "یہ لوگ جب یہاں سے لٹ کر کہیں اور جائیں گے تو ان مساجد اور سرائے کے بارے میں اپنے تجربات بیان کریں گے اور پھر یہاں کوئی نہیں آئے گا۔"

ابن مقنع نے کہا "انہیں کسی بھی طرح گھیر گھار کر ہمارے مختلف ٹھکانوں میں قید کر دیا جائے اور پھر موقع محل دیکھ کر انہیں قتل کر دیا جائے کیونکہ اس طرح ہم ان ظالموں سے نجات پا سکتے ہیں۔"

دونوں مساجد سے ملحقہ سرائیں آباد تھیں اور ان میں کاشغر اور بدخشاں سے آئے ہوئے قافلے مقیم تھے۔ ان کے پاس نہایت قیمتی سامان بھی تھا اور خصوصی طور پر ریشمی کپڑوں کے تھان اور بلوری چیزیں بہت زیادہ تھیں۔ نقدی بھی کافی تھی۔ چنانچہ رات کے اندھیروں میں قافلے پر حملہ کیا گیا اور دونوں قافلوں کو بیک وقت لوٹا گیا۔ جس نے مقابلہ کیا قتل ہوا۔ آخر میں دونوں قافلوں کا سارا سامان ابن مقنع کے ماننے والوں کے قبضے میں چلا گیا اور قافلے والے زیادہ تر بے خبری میں گرفتار کر لیے گئے اور ان سب کو گرفتار کر کے قریب کے قلعے میں پہنچا دیا گیا۔ مساجد میں نماز پڑھنے والوں کو بھی لوٹا گیا اور انہیں بھی گرفتار کر کے قلعے میں تاجروں کے پاس پہنچا دیا گیا۔

یہ لوگ اب قلعے میں قید یہ سوچ رہے تھے کہ انہیں اللہ کے گھر سے اور اللہ کے گھر سے ملحقہ سرائے سے کیوں لوٹا گیا؟ اور یہ لوٹنے والے کون لوگ ہیں جن کے تصرف میں یہ شاندار قلعہ بھی ہے۔ ان سوالات کا جواب دینے والا کوئی نہ تھا۔ کہتے ہیں کہ ابن مقنع کے چاند کی روشنی سو میل تک پھیلی رہتی تھی اور یہ قلعہ اس حد میں تھا۔ یہاں رات کو اس مصنوعی چاند کی روشنی پہنچتی تھی۔ چنانچہ جب رات کو ان لوگوں نے اوپر دو چاند روشن دیکھے تو انہیں بڑی حیرت ہوئی اور وہ آپس میں اس حیرت انگیز منظر پر باتیں کرنے لگے۔ وہ ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے "یہ کیا ہے؟" لیکن کسی کے پاس بھی اس سوال کا جواب نہ تھا۔

جب قلعہ دار نے ان قیدیوں کو رات کا کھانا فراہم کیا تو جو لوگ یہ کھانا لے کر قیدیوں کے پاس پہنچے تھے ان سے پوچھا گیا "یہاں آسمان پر دو چاند کیوں نظر آ رہے ہیں؟"

یہ کھانا پہنچانے والے ابن مقنع کے مبلغ بھی تھے۔ انہوں نے بتایا "تم لوگ نہیں جانتے کہ تم کتنے خوش قسمت ہو اور اس وقت تمہیں خدا کا کتنا زیادہ قرب حاصل ہو گیا ہے۔" اس کے بعد ان سب کو ابن مقنع کے بارے میں بتلایا گیا "خوش قسمتی سے خدا انسانی شکل میں ہمارے درمیان آ گیا ہے اور وہ

Marfat.com

ہم پر اتنا مہربان ہے کہ ہمیں تاریک راتوں سے بچانے کے لیے یہ نیا چاند پیدا کردیا اور اس وقت یہ دنیا کا واحد خطہ ہے جہاں آسمان پر بیک وقت دو چاند طلوع ہوتے ہیں اور ایک چاند ہماری ہر شب روشن رکھتا ہے۔"

ان لوگوں نے خواہش ظاہر کی کہ انہیں بھی اس نئے خدا سے ملوایا جائے۔

مبلغوں نے عرض کیا "پہلے ہمیں اپنے خدا سے اجازت لینی ہوگی۔ اس کے بعد اجازت ملنے پر تمہیں خدا کے قریب پہنچادیا جائے گا کہ تم اس سے ہم کلام ہوسکو۔"

کئی دن بعد انہیں اجازت مل گئی اور ان سب کو قلعہ صیام کے اس حصے میں لے جایا گیا جہاں ابن مقنع رہتا تھا۔ سبھی لوگ اس وقت جس دنیا میں تھے' وہ بڑی عجیب دنیا تھی۔ یہاں کی ہر چیز نرالی نظر آتی تھی۔ نئے مصنوعی چاند کے علاوہ جو بات سب سے زیادہ عجیب تھی' وہ تھی خدا کا کسی انسانی شکل میں نمودار ہونا۔ جب یہ لوگ بصد اشتیاق و آرزو ابن مقنع کے قریب پہنچے تو انہیں اپنے سامنے ایک پردہ نظر آیا۔ یہ ایک ایسی جگہ تھی جس کے اوپر کوئی چھت نہیں تھی۔ اس وجہ سے چاند کی روشنی بھرپور پڑ رہی تھی۔ قیدیوں کو بتلایا گیا کہ سامنے پردے کے پیچھے ابن مقنع موجود ہے۔ جو انسانی شکل میں خدا ہے۔

جب تجسّس عروج کو پہنچ گیا تو آہستہ آہستہ سامنے کا پردہ کھسکنے لگا اور ابن مقنع نمودار ہونے لگا۔ ایک پستہ قامت شخص ایک زرنگار کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اور اس کے چہرے پر ایک سنہرا نقاب تھا۔ لوگوں نے اس کو دیکھتے ہی خوشی سے نعرے لگائے لیکن پڑھے لکھے اور دین دار لوگ حیرت زدہ تھے۔ وہ اس پر یقین نہیں رکھتے تھے کہ خدا بھی انسانی شکل میں آسکتا ہے۔ کچھ دیر بعد اعلان ہوا "لوگو! اپنے خدا کے روبرو سجدے میں گر جاؤ کیونکہ خدا تمہارے سامنے ہے۔"

قیدیوں پر ایسی ہیبت طاری تھی کہ وہ بلا عذر سجدے میں گر گئے مگر دین دار لوگ اب بھی اپنی جگہ بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ کسی انسان کو خدا ماننے پر تیار نہ تھے۔ اسی دوران میں دوسرا اعلان ہوا "جو لوگ ابھی تک خدا کے روبرو سجدے میں نہیں گئے ہیں انہیں حکم دیا جاتا ہے کہ سرکشی سے باز آجائیں اور سجدے میں گر جائیں۔"

ان دین داروں میں ایک بڑی بی بھی تھیں جو اپنے بیٹے کے ساتھ قید ہو کر یہاں آگئی تھی۔ بڑی بی کے جوان بیٹے نے بھی ابن مقنع کو سجدہ نہیں کیا' اپنے بیٹے کی اس جرات و ہمت کی بڑی بی داد دے رہی تھیں۔ جب دوسرے اعلان کے باوجود دین داروں نے ابن مقنع کو سجدہ نہیں کیا تو ابن مقنع کے طاقت

Marfat.com

ورمانے والوں کے ہاتھوں نے ان کے سروں کو زبردستی جھکا دیا اور یہ خوف ناک فیصلہ سنایا "جو سر ابن مقنع کے سامنے نہیں جھکیں گے انہیں تن سے جدا کر دیا جائے گا۔"

جو سر زبردستی جھکائے گئے تھے وہ سخت مزاحمت کے بعد دوبارہ سیدھے ہو گئے۔

بڑی بی نے ابن مقنع کے چہرے کو دیکھنے کی خواہش کی "کیا خدا اپنا دیدار کروا سکتا ہے؟"

دوسری طرف سے جواب ملا "تمہاری نظریں تاب جلوہ نہیں رکھتیں اور ڈر ہے کہ تم سب جل کر خاکستر ہو جاؤ گے۔"

بڑی بی نے جرات سے کام لیا اور کہا "جب خداوند کے چہرے کی ریشمی اور سنہری نقاب تاب برداشت رکھتی ہے تو ہم انسان جلوے کی تاب کیوں نہیں لا سکتے!"

یہ اعتراض اور دلیل بہت وزنی اور قابل قبول تھی۔ اس لیے ابن مقنع تقریباً لاجواب ہو چکا تھا۔ جواب دیا "میں نے اپنی ریشمی اور سنہری نقاب کو اپنے قدرتِ اختیار سے اتنا طاقت ور کر دیا ہے کہ یہ میرے جلوے سے ہمیشہ محفوظ رہے گی۔"

بڑی بی نے عرض کیا "تب پھر خدا ہمیں بھی تاب جلوہ بخش سکتا ہے اور ہم بھی خدا کی نوازش سے اس کا نظارہ کر لیں گے۔"

لیکن جھوٹے خدا نے بڑی بی کی تجویز سے اتفاق نہیں کیا۔ دین دار لوگ گمراہی سے محفوظ رہے اور ان کے لیے یہ فرمان جاری ہوا "ان سب کو جو سرکش اور باغی ہیں قید تنہائی میں ڈال دیا جائے۔"

یہ سرکش اور باغی صیام کے قلعے میں قید کر دیے گئے مگر بڑی بی کو خدا کے قریب رکھا گیا کیونکہ ابن مقنع کا خیال تھا کہ اگر بڑی بی اس کو خدا مان لیں گی تو بقیہ دین دار بھی اس کے دین میں داخل ہو جائیں گے۔ بڑی بی پر نوازشیں ہونے لگیں لیکن وہ کسی طرح بھی ابن مقنع کے قابو میں نہیں آ رہی تھیں۔

صغد اور بخارا میں خلافت عباسیہ کے باغیوں کی بڑی تعداد موجود تھی۔ ان باغیوں نے ابن مقنع کا شہرہ سنا تو ان کا ایک وفد ابن مقنع سے ملنے اور خلافت عباسیہ کے خلاف اتحاد قائم کرنے کے خیال سے صیام کے قلعے میں گیا۔ وفد کے ارکان نے یہ تو سن رکھا تھا کہ ابن مقنع نے پیغمبری کا دعویٰ کر رکھا ہے مگر قلعے میں داخل ہونے کے بعد معلوم ہوا کہ وہ نام نہاد خدا سے ملنے جا رہے ہیں۔

ابن مقنع کو جب یہ بتایا گیا کہ اسلامی حکومت کے باغیوں کا ایک وفد اس سے اتحاد اور تعاون کی بات کرنے آیا ہے تو اس وفد کو فوراً شرف حضوری بخشا گیا۔ یہ صبح کا پہلا پہر تھا اور وفد کی جائے قیام کے سامنے کی پہاڑی سے چکا چوند پیدا کر دینے والی روشنی وفد کے ارکان کو پریشان کر رہی تھی۔ ان کی

Marfat.com

آنکھوں میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ وہ اس روشنی سے آنکھیں لڑا سکیں۔

وفد کے ایک رکن نے اس روشنی کے بارے میں پوچھا "یہ کیا ہے اور یہ سورج کی چمک مغرب سے کیوں آرہی ہے کیونکہ اس وقت تو سورج مشرق میں ہے۔"

قلعے کے ایک میزبان نے بتایا "یہ چمک سورج کی نہیں ہے۔ ہمارا خدا ابن مقنع علی الصباح مغرب کی ان پہاڑیوں میں چلا جاتا ہے اور وہاں اپنے چہرے سے نقاب ہٹا کر ضیاپاشیاں کرتا ہے۔"

وفد کے ارکان کو اس عجیب و غریب خبر نے حیرت زدہ کر دیا اور کہا "اگر ابن مقنع واقعی خدا ہے تو وہ اپنے دشمنوں سے خود ہی مقابلہ کر سکتا ہے۔ وہ چشم زدن میں اپنے دشمنوں کو ملیا میٹ کر سکتا ہے' اس کو ہماری مدد کی ضرورت نہیں ہو سکتی۔"

میزبان نے عرض کیا "اس قسم کے اعتراضات اور سوالات آپ براہ راست ابن مقنع سے کر سکتے ہیں۔"

وفد کے ایک رکن نے کہا "کیا تمہارا خدا اس وقت مغربی پہاڑیوں میں گیا ہوا ہے۔ وہ ہم سے ملاقات کس طرح کرے گا؟"

میزبان نے جواب دیا "خدا ہر جگہ موجود ہے۔ وہ یہاں بھی موجود ہے اور اس سے اسی وقت یہیں ملاقات ہو سکتی ہے۔"

وفد کو قلعے کے اس حصے میں لے جایا گیا جہاں ابن مقنع کا قیام تھا۔ یہاں کچھ دیر وفد کو ابن مقنع کا انتظار کرنا پڑا۔ وفد کے سامنے ایک دبیز پردہ پڑا ہوا تھا جس کے لیے وفد کو یہ بتایا گیا کہ اسی پردے کے پیچھے خداوند ابن مقنع موجود ہے۔ وفد کو ابن مقنع کے دیدار کی خواہش تھی اور یہ خواہش کسی طرح پوری نہیں ہو رہی تھی۔ جب ان کا شوقِ دیدار انتہا کو پہنچ گیا تو آہستہ آہستہ پردہ ہٹنا شروع ہوا اور ایسا لگا جیسے بجلی کوند گئی ہو' آنکھیں خیرہ ہو گئیں اور چکاچوند سے بعض کی آنکھوں میں پانی آگیا۔

ابن مقنع کی طرف سے کہا گیا "لوگو! تم نے ابھی تک اپنے خدا کو سجدہ نہیں کیا؟"

وفد کے ایک رکن نے کہا "ہم لوگ یہاں آپ کو سجدہ کرنے نہیں آئے بلکہ اسلامی حکومت کے خلاف آپ سے مفاہمت اور اتحاد کی بات کرنے آئے ہیں۔"

ابن مقنع نے کہا "وہ بات تو ہو جائے گی لیکن اس سے پہلے یہ ضروری ہے کہ تم لوگ اپنے دلوں سے وہ شکوک و شبہات نکال دو جنہیں کچھ دیر پہلے شیطان نے تمہارے دلوں میں پیدا کیا تھا۔"

وفد کے ایک رکن نے کہا "اگر آپ خدا ہیں تو آپ کو ہمارے تعاون کی ضرورت نہیں ہونا

Marfat.com

چاہیے کیونکہ خدا قادر مطلق ہوتا ہے اور وہ ایک اشارے میں اپنے دشمنوں کو تباہ و برباد کر سکتا ہے۔"

ابن مقنع نے جواب دیا "بے شک' میں ایسا کر سکتا ہوں لیکن میں اپنے ہی بنائے ہوئے قوانین قدرت نہیں توڑ سکتا۔ میرا ہر کام حکمت عملی پر منحصر ہے۔ کیا خدا چشم زدن میں فصلیں نہیں تیار کر سکتا اور کیا انگوروں کے خوشے فصلوں کے بغیر لمحوں میں نہیں پیدا کر سکتا لیکن میں نے ہر کام میں تدریج اور وقفہ رکھا ہے جس طرح ایک بچہ ماں کے پیٹ میں نو ماہ رہ کے ارتقائی شکل اختیار کرتا ہے اور اس کے بعد پیدا ہوتا ہے۔ میرے جملہ کام تدبیروں کے تابع ہوتے ہیں۔ میں چاہتا تو پیغمبروں کے بغیر ہی انسانوں کی اصلاح کر دیتا لیکن میں نے ایسا کبھی نہیں کیا۔ میری ایک سنت ہے۔ میرا ایک قانون ہے جسے نادان اور فانی انسان قانون قدرت کہتا ہے۔ کائنات کی ہر شے اسی سنت اور قانون قدرت کی تابع ہے۔ میں اگر انسانی شکل میں ظاہر ہوا ہوں تو مجھے بشریت کے سارے تقاضے پورے کرنے ہوں گے۔"

وفد کے ارکان ابن مقنع کی دلیلوں کے قائل ہو چکے تھے لیکن وہ یہاں خدا کی خدائی پر ایمان لانے یا اس کو سجدہ کرنے نہیں آئے تھے۔ وہ خلافت عباسیہ کے خلاف اتحاد اور تعاون کی بات کرنے آئے تھے۔ اس لیے انہوں نے پوچھا "ہمارا اور آپ کا دشمن ایک ہے۔ اب آپ ہمیں یہ بتائیں کہ ہم دونوں کن شرائط پر ایک دوسرے کے حلیف ہو سکتے ہیں؟"

ابن مقنع نے جواب دیا "سردست میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا کہ تم میری خدائی پر ایمان لاؤ لیکن یہ ضرور کہوں گا کہ اتحاد کے دوران میں تم لوگ کبھی بھی میری خدائی پر معترض نہیں ہو گے۔"

وفد کے ارکان نے یقین دلایا "جو آپ چاہتے ہیں وہی ہو گا مگر جب ہمارے بھائی مل کر جنگ کریں گے اس وقت ہمیں جو فتوحات حاصل ہوں گی تو ان مقنع شہروں اور قلعوں پر حکومت کس کی ہو گی؟"

ابن مقنع نے جواب دیا "پہلے ہم ان مفتوح شہروں' قلعوں کی گنتی کریں گے اور اس کے بعد آدھے پر ہماری حکومت ہو گی اور نصف پر تم لوگ حکومت کرو گے یا اس کے علاوہ اگر کوئی تجویز ہو تو بتاؤ۔"

یہ بہترین تجویز تھی جو وفد کے ارکان کو بھی پسند آئی اور یہ طے پا گیا کہ دونوں فوجیں ایک جھنڈے تلے جنگ کریں گی اور ابن مقنع کے فوجی سفید جامیان کہلائیں گے اور باغیوں کے سپاہی بیضہ کہلائیں گے۔

اس کے بعد جعلی خداوند کی طرف سے وفد کے ارکان کی خاطر تواضع کی گئی۔ انہیں تین دن

ابن مقنع

Marfat.com

مہمان رکھا گیا اور جہاں انہیں بہترین کھانے کھلائے گئے بہترین پھل مہیا کیے گئے وہیں شب بسری کے لیے خوب صورت عورتیں اور لڑکیاں بھی پیش کی گئیں کیونکہ ابن مقنع کی شرع میں عورتیں کوئی مسئلہ نہیں تھیں۔ یہ خدا کی کھیتیاں تھیں، جن میں مرد ہل چلاتے تھے اور بیج بو دیتے تھے۔ چونکہ یہاں سے بغداد بہت دور تھا اور ابن مقنع جن پر پیچ پہاڑیوں کے درمیان خدا بن بیٹھا تھا وہاں تک رسائی بھی مشکل تھی اس لیے مسلم عساکر کا وہاں پہنچنا دشوار ہو گیا تھا۔ ابن مقنع من مانی کرتا رہا۔ اس کے دین میں آزادی بہت زیادہ تھی اور مال و زر کی فراوانی بھی ہو گئی تھی۔ اس لیے لوگ جوق در جوق آتے اور اس کے دین میں داخل ہو جاتے۔ اس طرح ابن مقنع کے ماننے والوں کا ایک بہت بڑا حلقہ پیدا ہو گیا۔ اس کے ماننے والوں میں اجڈ اور وحشی بہت زیادہ تھے۔ اس لیے ان کے مسائل بھی اسی نوعیت کے ہوتے تھے۔

ابن مقنع جس پر مہربان ہوتا، اسے حکم دیتا "مسجد تیار کر، مسجد سے متصل حجرے بنوا اور اس مسجد کا موذن بن جا اور اس مسجد میں جو نمازی آئیں اور حجروں میں جو لوگ قیام کریں، انہیں اپنے چند بھائیوں کی مدد سے لوٹ اور جو کچھ حاصل ہو، اس کے پانچ حصے کر، ایک حصہ خود رکھ لے اور چار حصے ہمیں پہنچا دے۔"

چنانچہ اس علاقے میں بہت سی مسجدیں تعمیر ہو گئیں اور ان مساجد سے متعلقہ لوٹ مار کا کاروبار بھی جاری ہو گیا۔

جو لوگ دیہاتوں سے اس کے پاس پہنچتے تھے ان کے پاس جعلی خداوند کے لیے بڑے عمدہ تحفے ہوا کرتے تھے۔ انہی دیہاتیوں میں ایک پچاس پچپن سالہ دیہاتی بھی پہنچا اور اس نے ابن مقنع سے پوچھا "خداوند! آپ کے دین میں محرمات کے لیے کیا حکم ہے؟"

ابن مقنع نے کہا "ہمارے دین میں محرمات نام کی کوئی شے سرے سے ہے ہی نہیں۔ اس لیے ہر محرم جائز ہے۔"

دیہاتی نے حیرت سے پوچھا "کیا بیٹی بھی؟"

ابن مقنع نے جواب دیا "ہاں، بیٹی بھی۔"

دیہاتی کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا اور حیرت سے پوچھا "وہ کس طرح؟"

ابن مقنع نے جواب دیا "اے سادہ لوح انسان! جس کھیت کو تو جوتتا اور بوتا ہے۔ اس کی آبیاری کرتا ہے۔ جب فصل تیار ہوتی ہے تو اسے کاٹ کر گھر لے آتا ہے۔ کیا تو یہ اناج خود نہیں کھاتا۔ کیا یہ

Marfat.com

اناج تجھ پر حرام ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ کہ تو نے ایک درخت لگایا اور اس میں جو پھل پیدا ہوئے' کیا یہ پھل تجھ پر حرام کر دیے جائیں؟ کیا ان درختوں کے پھلوں کو تو نہیں کھا سکتا؟"

دیہاتی حیران تھا کہ اس پیچیدہ مسئلے کو خداوند مقنع نے کتنی آسانی سے حل کر دیا ہے۔ یہ ساری خبریں بغداد پہنچ رہی تھیں اور وہاں عوام میں ابن مقنع کے خلاف شورش اور ہنگامہ کھڑا ہو رہا تھا۔ عوام خلافت پر دباؤ ڈال رہے تھے کہ وہ ابن مقنع کے خلاف فوجی کارروائی کرے۔ اب خلیفہ خود بھی پریشان تھا کہ سلطنت اسلامیہ کی حدود میں یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ خلیفہ مہدی نے زید بن یحییٰ کو حکم دیا کہ وہ اس فتنے کو کچل دے۔ زید بن یحییٰ نے اپنی مرضی کا لشکر تیار کیا اور ابن مقنع کے مقابلے پر روانہ ہو گیا۔ اپنے مخبر آگے روانہ کر دیے کیونکہ زید بن یحییٰ کے بقول اگر دشمن اور اس سے متعلقہ دوسری ضروری معلومات نہ ہوں تو اس کا مقابلہ کرنا دشوار ہوتا ہے۔

راستے ہی میں زید بن یحییٰ کو یہ اطلاع ملی کہ علاقہ کش' سبزوار اور کاشغر کے سامنے شاہراہوں پر جو مساجد اور اس سے متعلقہ حجرے پائے جاتے ہیں' یہ دراصل ابن مقنع کے مقتل ہیں۔ یہاں موذن اذانیں دے کر لوگوں کو نماز کے لیے بلاتا ہے' مسافروں کو حجرے میں ٹھہراتا ہے اور پھر انہیں غافل پا کر اپنے ساتھیوں کی مدد سے لوٹ لیتا ہے اور انہیں مزاحمت کی صورت میں قتل کر دیتا ہے یا انہیں گرفتار کر کے ابن مقنع کے پاس بھیج دیتا ہے اور ان قیدیوں کو مجبور کیا جاتا ہے کہ اس کا دین اختیار کر لیں۔ اب زید بن یحییٰ نے ایک نئی حکمت عملی وضع کی۔ اس نے چیدہ چیدہ ہوشیار سپاہیوں کی ایک جماعت قافلے کی صورت میں ایک ایسی ہی مسجد میں بھیج دی اور حکم دیا کہ جب حالت غفلت میں ان پر حملہ ہو تو ان کا مقابلہ کیا جائے۔ اسی مقابلے کے دوران میں فوج کے کچھ سپاہی بھی کمک کے طور پر پہنچ جائیں گے اور ان لٹیروں کو زندہ گرفتار کرنے کی کوشش کریں گے۔ دشمن کے جو سپاہی مرنا پسند کریں گے انہیں قتل کر دیا جائے گا۔

زید بن یحییٰ کے ڈیڑھ سو سپاہی عصر کے وقت مسافروں کی طرح مسجد میں داخل ہوئے۔ ان کے پاس چھوٹی چھوٹی ریت سے بھری ہوئی پوٹلیاں بھی تھیں اور دیکھنے سے ایسا لگتا تھا جیسے ان میں درہم و دینار بندھے ہوئے ہیں۔ موذن نے ان سب کو سرائے میں ٹھہرا دیا اور خود اپنے آدمیوں کو بلانے چلا گیا۔ مغرب سے پہلے ہی واپس بھی آ گیا۔ عصر و مغرب کی نماز پڑھنے کے بعد فوجی حجروں میں چلے گئے۔ وہاں کچھ دیر کھانے پینے کا شغل جاری رہا۔ اس کے بعد عشا کی نماز کا وقت آ گیا اور ان لوگوں نے ابن مقنع کے لٹیروں کے ساتھ عشا کی نماز ادا کی لیکن اب یہ سب مستعد اور چوکنا تھے۔

Marfat.com

رات کو اندھیرے میں مسلمان حجروں سے نکل کر چپ چاپ ان کے عقب میں چلے گئے۔ کیونکہ لٹیروں نے مسجد میں قیام کر رکھا تھا۔ مسلمانوں کا ایک سپاہی حجرے کی چھت سے لٹیروں کی حرکات وسکنات پر نظریں رکھے ہوئے تھا۔

جب ابن مقنع کے پیروؤں نے نصف شب کے بعد حجروں میں داخل ہونا شروع کیا تو اسی وقت مسلمانوں نے ان کو باہر سے بند کرنا شروع کر دیا۔ اس طرح یہ لٹیرے قید کر دیے گئے اور یہ کام چند گھنٹوں میں مکمل ہو گیا۔

لٹیروں نے پوٹلیوں کی تلاشی لی' ان میں سے درہم ودینار کی جگہ ریت برآمد ہوئی تو انہیں بے حد غصہ آیا اور یہ دیکھ کر کہ وہاں کوئی موجود نہیں ہے' ان کا ماتھا ٹھنکا اور انہوں نے حجروں سے باہر نکلنا چاہا مگر اب وہ قید تھے۔ مسلمانوں نے ایک ایک حجرہ کھولنا شروع کیا اور اس میں سے جو نکلا اسے قابو میں کر کے قید کر لیا۔ ان کے ہاتھ پاؤں باندھ دیے گئے۔ ان میں موذن بھی شامل تھا پھر ان سب کو زید بن یحیٰی کے سامنے پیش کر دیا گیا لیکن اب رات زیادہ ہو چکی تھی اس لیے زید بن یحیٰی نے ان قیدیوں سے کسی قسم کے سوالات نہیں کیے۔

صبح زید بن یحیٰی نے ان کو اپنے سامنے طلب کر لیا اور ان پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔ ان لوگوں کے پاس سارے سوالوں کا ایک ہی جواب دیا تھا "ہم ابن مقنع کے کمالات کے قائل ہیں اور اس کی الوہیت کے پرستار ہیں۔"

زید بن یحیٰی نے پوچھا "کیا ابن مقنع تمہیں چوری ڈکیتی کی تعلیم دیتا ہے؟"

ان سب کی طرف سے موذن نے جواب دیا "نہیں' ہم لوگ جب بھی اور جس طرح بھی لوگوں کو لوٹتے ہیں' قتل کرتے ہیں اور قیدی بنا لیتے ہیں تو ہم اسے جہاد سمجھتے ہیں اور یہ سب فریضے جہاد کی طرح ادا کرتے ہیں۔ جو کچھ ہمیں ملتا ہے' اسے مال غنیمت سمجھتے ہیں۔"

زید بن یحیٰی نے قیدیوں کو حکم دیا "اپنے اس نئے دین سے توبہ کرو اور دائرہ اسلام میں دوبارہ آجاؤ۔"

مگر یہ لوگ آسانی سے راضی نہیں ہوئے۔ انہیں قریبی ایک قلعے میں قید کر دیا گیا اور زید بن یحیٰی اپنے لشکر کو لے کر آگے بڑھا۔

مسجد اور اس سے متعلقہ حجروں میں جو کچھ پیش آیا تھا اس کی خبریں عام ہو گئیں اور بہت سی مساجد میں اذانیں بند کر دی گئیں۔

Marfat.com

ابھی زید بن یحییٰ اپنی جنگی خدمات انجام نہیں دے سکا تھا کہ اسے خبر ملی کہ خلیفہ نے ایک دوسری فوج زید کے بھائی جبرئیل بن یحییٰ کی سرکردگی میں صغد اور بخارا کے باغیوں کی سرکوبی کے لیے الگ روانہ کردی ہے۔ اب ان دونوں بھائیوں میں مقابلے کی سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ دونوں ہی کارکردگی میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانا چاہتے تھے۔ ان دو محاذوں کے بیک وقت کھول دینے سے مسلمانوں کو یہ فائدہ پہنچا کہ بخارا اور صغد کے باغی اور ابن مقنع کے پیروکار متحد نہیں ہو سکے۔ انہیں الگ الگ محاذوں پر جنگ لڑنا پڑی۔

دونوں نے اپنے اپنے ایلچی ایک دوسرے کی طرف روانہ کیے اور ایک نے دوسرے سے ازروائے معاہدہ مدد مانگی لیکن دونوں ہی مجبور تھے اور جب یہ ایلچی واپس ہوئے تو انہیں راستے میں ہی گرفتار کرلیا گیا جس سے دونوں کی غلط فہمیوں میں مزید اضافہ ہو گیا۔

ابن مقنع یہ سمجھ رہا تھا کہ صغد اور بخارا کے باغیوں نے اس کے ایلچیوں کو بلاوجہ روک رکھا ہے اور صغد اور بخارا کے باغی یہ سمجھ رہے تھے کہ ان کے ایلچی ابن مقنع نے غیر ضروری طور پر روک رکھے ہیں۔

جبرئیل بن یحییٰ نے صغد اور بخارا کے باغیوں کے خلاف جنگ کی اور وہ ان سے چار مہینے تک لڑتا رہا۔ حالانکہ باغیوں کا خیال تھا کہ دو چار جھڑپوں کے بعد اسلامی لشکر بھاگ کھڑا ہو گا مگر مسلمانوں نے ان سے ان کے قلعے چھین لیے اور باغیوں کو راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور کردیا۔ یہ مفرور سیدھے کش کی طرف بھاگے۔ راستے میں کسی نے ان کو بتایا کہ ابن مقنع ان دنوں صیام کے قلعے میں رہ رہا ہے۔

زید بن یحییٰ نے ابن مقنع کے قلعے پر چڑھائی کردی۔ ابن مقنع کے جاں نثار باہر نکلے اور دیوانوں کی طرح مسلمانوں پر حملہ آور ہو گئے۔ پہلے تو مسلمان اس اچانک حملے سے کچھ پریشان ہوئے مگر پھر سنبھل کے دشمن پر خود حملہ آور ہوئے۔ یہ مقابلہ کئی گھنٹے جاری رہا اور آخر کار ابن مقنع کے سات سو آدمی مارے گئے۔ اسی دوران میں ابن مقنع کے پیروکاروں کو حکم ملا کہ وہ فی الحال جنگ بند کردیں اور پسپائی اختیار کریں۔ ابن مقنع کو معلوم ہو چکا تھا کہ یہ جنگ دو محاذوں پر لڑی جا رہی ہے۔ دونوں طرف فوجیں سمٹ گئیں۔ صغد اور بخارا کے باغی روپوش ہو گئے اور ابن مقنع کے ماننے والے صیام کے قلعے میں چلے گئے۔ سات سو آدمیوں کی ہلاکت نے قلعے میں سنسنی پھیلا دی تھی اور اکثریت کے دل و دماغ میں یہ سوال پیدا ہو گیا تھا کہ آخر ابن مقنع کی موجودگی میں مسلمان کس طرح فتح مند ہوتے جا رہے ہیں۔

قافلے کی بڑی بی کو جب یہ معلوم ہوا کہ مسلمان حملہ آور ہو چکے ہیں اور وہ کسی بھی وقت قلعے میں داخل

Marfat.com

ہوسکتے ہیں تو اسے گونہ تسلی ہوئی اور اس کا ایمان اور زیادہ پختہ ہو گیا۔

اس رات ابن مقنع نے اپنے تمام ماننے والوں کو قلعے میں طلب کیا اور شکست اٹھا کے بھاگنے والوں سے باز پرس کی کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا؟ یہ لوگ مختلف عذر پیش کر رہے تھے لیکن اکثر نے ایک ہی بات کہی وہ یہ کہ مسلمانوں کی تعداد زیادہ تھی اور ہم پر بے خبری میں حملہ کیا گیا تھا مگر اس وقت ابن مقنع بڑے غصے میں تھا' ایسا لگتا تھا جیسے سنہری نقاب کے پیچھے سے شعلے نکل رہے ہوں۔ وہ کہہ رہا تھا "تمہارا خدا تمہارے پیچھے موجود تھا' تم ذرا اور ہمت سے کام لیتے تو میں تمہیں فتح یاب کرتا۔"

کسی شوخ اور منچلے نے آواز بلند کی "خداوند! ہمارے پاس آدمیوں کی کمی ہے۔ اب آپ اپنے فرشتوں کو حکم دیں کہ وہ ہماری طرف سے مسلمانوں سے جنگ کریں۔"

ابن مقنع نے جواب دیا "جنگیں لڑنا انسانوں کا کام ہے' فرشتوں کے ہاتھ میں تسبیح دے دی گئی ہے۔ وہ ہمیشہ تسبیح اور تہلیل میں مشغول رہیں گے۔ اگر کوئی یہ چاہے کہ ان کے ہاتھ سے تسبیح لے لی جائے اور ان کے ہاتھوں میں تلواریں دے دی جائیں تو یہ ناممکن ہے۔ ہم نے جس کے ذمے جو کام کیا ہے' وہ کرتا رہے گا۔"

معترض اور جرات مند نوجوان نے پوچھا "پھر انسان کے ذمے کیا کیا گیا ہے؟"

ابن مقنع نے جواب دیا "انسان کو اشرف المخلوقات بنایا گیا ہے۔ اس کو عقل دی گئی ہے۔ اس کو علم دیا گیا ہے اس لیے اسے ہر کام کرنا ہے۔ اس کے ہاتھ میں تسبیح بھی ہوگی' تلوار بھی ہوگی' قلم بھی ہوگا' ہل بھی ہوگا' ہتھوڑا بھی ہوگا' سوئی بھی ہوگی اور معماری کے آلات بھی ہوں گے اور یہی باتیں دوسری مخلوقات سے اس کو افضل و اشرف بناتی ہیں۔"

اعتراض کرنے والے نے اپنے انجام کی پروا کیے بغیر اعتراض کیا تھا لیکن ابن مقنع نے اسے معاف نہیں کیا۔ اس وقت تو مسلمانوں سے جنگ کی باتیں ہوتی رہیں اور جنگی تدابیر پر غور کیا جاتا رہا مگر دوسرے روز صبح معترض کو اپنے بستر پر اس حال میں پایا گیا کہ اس کا منہ کسی بھاری شے سے کچل دیا گیا تھا اور ابن مقنع کے معتقد اسے نوجوان کی دریدہ دہنی کی سزا سمجھ رہے تھے۔

ابن مقنع کو یہ یقین تھا کہ مسلمان اس کے قلعے تک نہیں پہنچ سکتے کیونکہ قلعے کے چاروں طرف گہری خندقیں کھدی ہوئی تھیں اور ان کی تہ میں اتنا پانی موجود تھا کہ اس میں بڑے سے بڑا آدمی ڈوب سکتا تھا۔

معلوم نہیں کیوں ابن مقنع نے بوڑھی عورت کو برداشت کر رکھا تھا حالانکہ یہ بوڑھی عورت ابن

Marfat.com

مقنع سے نہایت گستاخانہ لب ولہجے میں بات کرتی تھی۔ ابن مقنع نے بوڑھی عورت سے پوچھا "آخر تو کیوں میری خدائی سے انکار کرتی ہے۔ جبکہ بڑے بڑے جہاں دیدہ بزرگ تک میری الوہیت کے قائل ہو چکے ہیں۔"

بوڑھی عورت نے جواب دیا "اگر تو اپنے چہرے سے نقاب ہٹادے تو میں غور کروں گی کہ تیرا دین اختیار کروں یا نہ کروں لیکن موجودہ صورت میں' میں تیرے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی۔"

ابن مقنع نے کہا "تو ضد نہ کر۔ میں نے اپنے چہرے سے نقاب ہٹادی تو یہاں کی ہر شے جل کے خاک ہو جائے گی اور تو بھی زندہ نہیں بچے گی۔"

بوڑھی عورت نے طنز کیا "تو کیسا خدا ہے کہ تجھے اس پر بھی قدرت نہیں کہ تو سامنے کی اشیا کو جلنے سے باز رکھ سکے اور اگر میں جل کے خاک ہو جاؤں تو' تو مجھے دوبارہ زندہ کر سکے۔"

ابن مقنع نے کہا "ایک بوڑھی عورت کے لیے خدا کی سنت نہیں بدلی جاسکتی۔"

بوڑھی عورت نے دوسری تجویز پیش کی "خدا کی ذات تو مقلب القلوب ہے۔ تو ہمارے ارادوں اور سوچ کو اپنی مرضی کے مطابق بدل دے۔ خود کو منوانے کے لیے انسانوں کی طرح بار بار درخواست کرنا خدا کو زیب نہیں دیتا۔"

ابن مقنع نے افسوس کرتے ہوئے کہا "اے نافرمان عورت! صرف تیری وجہ سے تیرے ساتھی مرد قتل کر دیے جائیں گے۔"

اس بڑی بی کو ابن مقنع نے ایک بار پھر زندہ رہنے دیا حالانکہ اس کے ساتھ جن مردوں کو گرفتار کیا گیا تھا ان میں سے بیشتر ابن مقنع کی خدائی پر ایمان لا چکے تھے۔

اندر صیام کے قلعے میں یہ سب ہو رہا تھا اور باہر اسلامی عساکر محاصرے کی تیاریوں میں مشغول تھے۔ جن لوگوں نے شکست اٹھا کے قلعے میں پناہ لی تھی وہ شکست خوردہ اور پریشان حال لوگ ابن مقنع سے فرشتے طلب کر رہے تھے کیونکہ ان کے خیال میں ان مسلمانوں کا مقابلہ فرشتے ہی کر سکتے تھے۔ ابن مقنع نے ان کو ڈانٹا "تم لوگوں نے یہ فرشتوں کی کیا رٹ لگا رکھی ہے۔ جب کہ تمہیں بتایا جا چکا ہے کہ فرشتے تلواریں چلانے کے لیے نہیں پیدا کیے گئے۔ انہیں تسبیح اور تہلیل کے لیے پیدا کیا گیا ہے یا پھر ان کے سپرد کوئی ایک خدمت رکھ دی گئی ہے۔ ایک فرشتہ صور پھونکے گا' دوسرا فرشتہ پیغمبروں کے لیے وقف کر دیا گیا۔ کسی فرشتے کے ہاتھ میں جان داروں کی روزی رکھ دی گئی ہے' کسی کو جنت کا رضوان بنا دیا گیا ہے اور کسی کو دوزخ کا مالک۔"

ابن مقنع

Marfat.com

ابن مقنع نے محسوس کیا کہ شکست خوردہ لوگوں میں کم ہمتی پیدا ہو گئی ہے اور اسے یہ بات معلوم تھی کہ یہ کم ہمت لوگ جب دوسروں سے ملیں گے تو انہیں بھی کم ہمت بنا دیں گے۔ اب ابن مقنع نے ان کی ہمت افزائی کی باتیں شروع کر دیں اور کہا "ان چھوٹی چھوٹی جھڑپوں سے نہ تو ہمیں نقصان پہنچے گا اور نہ مسلمانوں کو کوئی خاص فائدہ۔ اصل جنگ تو وہ ہوگی جس میں ایک مسلمان بھی زندہ بچ کے نہیں جا سکے گا اور تمہیں فاتح ہونے کا شرف بخشا جائے گا۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہوگا جب میں تمہارے ہر سپاہی میں فرشتوں کی قوت ودیعت کر دوں گا۔ اس وقت ہمارا ہر سپاہی خود فرشتہ بن چکا ہوگا۔"

ہارنے والوں کے حوصلے بلند ہو گئے۔ کئی دن بعد ابن مقنع نے اپنے ماننے والوں کو قلعے کے ایک حصے میں جمع کیا جسے گنبدوں کا مقام کہا جاتا تھا۔ یہاں بہت سے گنبد بنے ہوئے تھے اور ان گنبدوں میں جب کسی کو مخاطب کیا جاتا تھا تو آواز گونجنے لگتی تھی اور یہ آواز دور دور تک پہنچ جاتی تھی۔ یہاں اس کے ہزاروں پیرو بیٹھ گئے اور کافی انتظار کے بعد ان کا خدا ایک جھروکے میں نمودار ہوا۔ یہ جھروکا تقریباً بارہ فٹ بلندی پر تھا۔ لوگوں نے سنہری نقاب میں چھپے ہوئے چہرے کو اپنے سامنے دیکھا تو بے اختیار سجدے میں گر گئے۔

ابن مقنع نے انہیں اسی حال میں مخاطب کیا "لوگو! تم مسلمانوں سے اتنے خوف زدہ کیوں ہو جبکہ میں تم میں موجود ہوں۔ قوت کا منبع میں ہوں۔ حوصلے میں دیتا ہوں' ہار جیت میرے اختیار میں ہے۔ معمولی سی ایک جھڑپ میں تمہارے سات سو ساتھی مارے گئے لیکن کیا تمہیں نہیں معلوم کہ یہ سات سو مقتول تمہارے ہی گھروں میں دوبارہ پیدا ہو جائیں گے۔ میں اپنے سات سو آدمیوں کو دشمنوں کے ہاتھوں قتل کروا کے تمہارے ایمان' تمہارے عزم اور حوصلے کا امتحان لینا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس امتحان میں کچھ پورے اترے اور کچھ ناکام ہوئے۔"

گنبدوں والے ہال میں سکوت طاری تھا اور ان کی سانسیں لینے کی آوازیں ہال میں ہلکا سا تموج پیدا کر رہی تھیں۔ وہ لوگ جو اس جنگ میں شکست اٹھا کے ہمت ہار بیٹھے تھے' وہ اپنے دلوں میں شرمندہ تھے اور جو ہار جانے کے باوجود اپنے عقیدے میں راسخ تھے وہ خوش ہو رہے تھے کہ ان کا خدا ان سے راضی ہے۔ کچھ دیر بعد ابن مقنع نے نہایت پرجوش لہجے میں کہا "اے لوگو! اگر پوری دنیا تمہارے مقابلے پر آجائے تو آخر کار اسے ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔ ہم نے تمہیں دنیا پر حکومت کرنے کے لیے چنا ہے اور یہ مشیت ایزدی آخر کار پوری ہو کر رہے گی۔ اپنی تعداد بڑھاؤ۔ لوگوں کو یہاں لاؤ۔" ابن مقنع دیر تک انہیں گرماتا رہا اور واقعی ان سب میں بلا کا جوش و خروش پیدا ہو گیا تھا اور اب انہیں یہ

Marfat.com

یقین ہوگیا تھا کہ ان کا خدا ان میں فرشتوں جیسی ناقابل تسخیر قوت پیدا کردے گا اور انجام کار پوری دنیا ان کے قبضے میں آجائے گی۔

دوسری طرف زید بن یحییٰ اور جبرئیل بن یحییٰ کی افواج میں موجود خاص وقائع نویس خلیفہ مہدی کو صحیح صحیح خبریں روانہ کررہے تھے اور خلیفہ کو یہ باور کرا دیا تھا کہ یہ دونوں سپہ سالار ابن مقنع پر قابو نہیں پاسکیں گے اس لیے دوسرے تجربہ کار سپہ سالاروں کے ساتھ مزید فوجیں بھیجی جائیں۔ چنانچہ خلیفہ نے ابوعون نامی ایک سپہ سالار کو ابن مقنع کی سرکوبی کے لیے روانہ کردیا لیکن بعد میں وقائع نویسوں نے خلیفہ کو مطلع کیا کہ ابوعون بھی زیادہ مستعد اور اولوالعزم نہیں تو خلیفہ نے معاذ بن مسلم کو ستر ہزار فوج اور چند آزمودہ کار سپہ سالاروں کے ساتھ ابن مقنع کے مقابلے پر روانہ کردیا۔ معاذ بن مسلم کے مقدمۃ الجیش کا افسر اعلیٰ سعید بن عمرو حریشی کو مقرر کیا اور ان کے فوراً بعد ایک اور مسلمان سپہ سالار عقبہ بن مسلم بڑی بھاری جمعیت کے ساتھ روانہ کردیا گیا۔ یہ لشکر بھی معاذ بن مسلم کے لشکر سے مل گیا۔

اس نئے لشکر نے یہ فیصلہ کیا کہ راستے میں ابن مقنع کے جتنے بھی قلعے ملیں، انہیں فتح کرتے ہوئے صیام کے قلعے تک پہنچیں۔ پہلا قلعہ طواویس نامی مقام پر تھا۔ یہاں ابن مقنع کی خاصی فوج موجود تھی۔ دونوں میں مقابلہ ہوا اور خاصی دیر گرم بازاری رہی لیکن مسلمانوں نے ان کو پسپا ہونے پر مجبور کردیا۔ قلعے پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا اور ابن مقنع کے پیرو بدحواسی میں ایسے بھاگے کہ راستے میں کہیں دم بھی نہ لیا اور سیدھے صیام کے قلعے میں ابن مقنع کے پاس پہنچ گئے۔

طواویس میں چند دن قیام کرنے کے بعد اسلامی لشکر دوسرے قلعوں کی طرف بڑھا اور انہیں بھی سر کرلیا۔ ان لڑائیوں میں سعید بن عمرو حریشی زیادہ شعور، ہوش اور سرگرمی کا مظاہرہ کررہا تھا جبکہ معاذ بن مسلم اس کو مشورے دے رہا تھا کہ ہر کام احتیاط سے کیا جائے۔ زیادہ تیزی، عجلت اور سرگرمی سے نقصان بھی پہنچ سکتا ہے اور اگر خدانخواستہ کسی بھی مقابلے میں مسلمانوں کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تو اس کا مسلمان سپاہیوں پر بہت برا اثر پڑے گا اور یہ ایک بار کی ہزیمت ہمیں ایسا نقصان پہنچائے گی کہ ہم اس کا قبل از وقت اندازہ بھی نہیں لگا سکتے۔

سعید بن عمرو حریشی نے اپنے امیر کی اس رائے سے اختلاف کیا، اس نے کہا "ہماری مسلسل فتوحات اور بہ سرعت فتح مندیاں دشمن کا حوصلہ پست کردیں گی اور اس طرح فتوحات کا ایک تسلسل قائم ہوجائے گا۔ اگر ہم نے نادانی سے اس تسلسل کو توڑ دیا تو اس سے دشمن کو سوچنے اور پنپنے کا موقع مل جائے گا۔ ابھی دشمن شکست خوردہ اور بدحواس ہے۔ ہمیں اس کی اس کمزوری سے پورا پورا فائدہ

Marfat.com

اٹھانا چاہیے۔"

معاذ بن مسلم نے پوچھا "اس لشکر کا امیر کون ہے؟ اور اولوالامر من کم کے مطابق تم سب کو اپنے امیر کی اطاعت کرنی چاہیے۔"

سعید بن عمرو حریشی بھی ارادوں کا پکا تھا' اس نے بھی اختلاف رائے جاری رکھا اور کہا "امیر کو مشورہ بھی کرنا چاہیے اور صائب مشورے کو قبول بھی کرنا چاہیے کیونکہ ہمارے سپرد جو معاملات کیے گئے ہیں ان میں ہمارا کوئی ذاتی فائدہ نہیں ہے۔ ہم جو کچھ کر رہے ہیں اسلام اور ملتِ اسلامیہ کے لیے کر رہے ہیں۔"

معاذ بن مسلم نے پوچھا "ہمیں یہ کس طرح معلوم ہو گا کہ ہم دونوں میں سے کس کی رائے درست ہے اور کس کی غلط؟"

سعید حریشی نے جواب دیا "اس کا فیصلہ عقل سلیم کرے گی' شعور کرے گا' غیر معمولی قوت متخیلہ کرے گی۔"

معاذ بن مسلم نے کہا "میں نے جو رائے دی ہے اس میں یہ تینوں چیزیں موجود ہیں۔"

سعید حریشی نے نہایت دلیری اور جرات مندی سے اپنی رائے دی "یہی بات میں اپنی رائے اور تجویز کے بارے میں کہہ سکتا ہوں۔ جناب امیر! خدا کے لیے آپ جلد بازی سے کام نہ لیں اور میں جو مشورے دے رہا ہوں ان پر خوب اچھی طرح غور کیجئے اور پھر کوئی فیصلہ کیجئے۔"

معاذ نے جواب دیا "میری رائے اور میری تجویز بھی غور و فکر کی کسوٹی پر کس کے زبان پر لائی گئی ہے اور اب میں اس میں مزید تبدیلی کی گنجائش نہیں محسوس کرتا۔"

لیکن سعید حریشی ارادوں کا پکا تھا۔ وہ کسی صورت میں معاذ بن مسلم کی رائے سے اتفاق کرنے پر آمادہ نہ تھا۔ جواب دیا "پھر بھی آپ میرے مشورے پر کچھ دن غور کریں اور پھر بتائیں کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔"

معاذ بن مسلم نے سختی سے کہا "میں ایک بار پھر خوب سوچ سمجھ کر جو فیصلہ کر لیتا ہوں تو پھر اس میں ردوبدل نہیں کرتا۔"

سعید حریشی نے افسوس کرتے ہوئے کہا "یہی عادت میری بھی ہے' پھر بات کس طرح بنے گی۔ اچھا آپ یہ تو کر سکتے ہیں کہ مجھے سوچنے کے لیے چند دن دے دیں کہ میں غور کر لوں۔"

معاذ نے کہا "بہتر ہے۔ میں تیری تجاویز پر غور کرتا ہوں اور تو میری تجویز پر غور کر۔ اللہ نے چاہا تو

Marfat.com

کوئی راستہ نکل آئے گا کیونکہ ہم دونوں اپنی اپنی جگہ مخلص ہیں۔"

لیکن سعید حریثی اپنی رائے پر قائم تھا اور اس نے سوچ سمجھ کر جو فیصلہ کیا تھا اس سے وہ بال برابر بھی ادھر ادھر نہیں ہونا چاہتا تھا۔ اس نے خلیفہ مہدی کو خفیہ طور پر ایک خط روانہ کیا۔ اس خط میں اس نے صاف صاف لکھ دیا۔ "اس وقت معاذ بن مسلم اور میری حیثیت اسلامی عساکر میں ایسی ہیں جیسے ایک نیام میں دو تلواریں رکھ دی گئی ہوں یا ایک ملک میں دو بادشاہ بنا دیے گئے ہوں کہ ایک کچھ چاہتا ہے اور دوسرا کچھ اور دونوں کو اپنی اپنی ذات پر بھروسا ہے کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے درست کر رہا ہے۔ ابن مقنع کی قوت کو توڑنے اور ختم کرنے کے معاملے میں ہم دونوں میں شدید اختلافات پیدا ہو گئے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ جب ایک بار ایک جگہ ابن مقنع کی فوج کو شکست دی جائے تو اس عمل کو عجلت کے ساتھ جاری رکھا جائے۔ بھاگنے والوں کو ٹھہرنے' سوچنے اور پنپنے کا موقع نہ دیا جائے۔ ہماری فتوحات کا یہ تسلسل دشمن کو مایوس اور بددل کر دے گا اور ہم بہت جلد ابن مقنع اور اس کی قوت کو ختم کر کے فارغ ہو جائیں گے۔ جب کہ معاذ بن مسلم کی یہ رائے ہے کہ ہمیں اپنا ہر قدم خوب سوچ سمجھ کر اٹھانا چاہیے۔ اس کا پیچھا کرنے میں مصلحت اندیشی اختیار کرنا چاہیے اور اپنے مقصد کی حصولیابی میں عجلت سے کام نہیں لینا چاہیے۔ امیر المومنین کے سامنے دونوں آرا اور تجاویز رکھ دی گئی ہیں۔ آپ خود فیصلہ فرمائیں کہ ہمیں کس تجویز پر عمل کرنا چاہیے۔ اگر امیر المومنین کو معاذ بن مسلم کی رائے سے اتفاق ہے تو مجھے واپس بلا لیا جائے۔ کیونکہ میں جس بات کو غلط سمجھتا ہوں اس پر عمل نہیں کر سکتا اور اگر خلافت مآب کو میری تجویز سے اتفاق ہے تو مجھے صاحبِ اختیار بنا دیا جائے اور معاذ بن مسلم کو تاکید کر دی جائے کہ وہ میرے معاملات میں دخل نہ دے اور مجھے وہ سب کرنے دے جو میں کرنا چاہتا ہوں۔ میں خلافت مآب کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر مجھے موقع دیا گیا تو میں بہت جلد اس فتنے پر قابو پا لوں گا اور اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اتنی گہرائی میں دفن کر دوں گا کہ پھر یہ سر نہ اٹھا سکے۔"

خلیفہ مہدی نے سعید حریثی کی تجویز سے اتفاق کیا اور معاذ بن مسلم کو حکم دیا کہ سعید حریثی جو کچھ کرنا چاہتا ہے کرنے دیا جائے اور وہ خاموشی سے سعید حریثی کی کوششوں کے نتائج پر گہری نظر رکھے۔

گو کہ اس فرمان سے معاذ بن مسلم کی بے عزتی ہوئی تھی اور اسے یہ بات بھی معلوم ہو گئی تھی کہ اس سلسلے میں سعید حریثی نے خلیفہ کو کوئی خط لکھا تھا جس کے جواب میں دربار خلافت سے یہ فرمان جاری ہوا ہے مگر معاذ بن مسلم مخلص مسلمان تھا اس نے اس فرمان کا برا نہیں مانا اور سعید حریثی سے کہا "اب تو عساکر اسلامی کا بااختیار سردار ہے اور تجھ کو مجھ سے کسی بھی معاملے میں رائے نہیں لینی

Marfat.com

پڑے گی۔ میرا خلوص اور میری دعائیں تیرے ساتھ ہیں اور میری اللہ سے یہ دعا ہے کہ وہ تجھے کامیاب وکامران کرے۔"

اور اس کے بعد معاذ نے اپنے بیٹے سعید کو بلایا اور اسے حکم دیا "بیٹے' اب تو سعید حریثی کی سپہ سالاری میں چلا جا اور اس کی ماتحتی میں جہاد کر۔"

سعید حریثی فرطِ جذبات سے مغلوب ہو گیا اور بے اختیار معاذ کے گلے لگ گیا اور جذباتی لہجے میں کہا "بے شک' آپ ایک عظیم انسان ہیں اور عظیم مسلمان ہیں۔ واللہ' میں نے آپ کی آرا اور تجاویز سے بربنائے خلوص اختلاف کیا ہے ورنہ میں آپ کو نہایت لائق وفائق امیر سمجھتا ہوں۔"

اب سعید حریثی میں بجلی جیسی تیزی اور طراری آگئی تھی۔ اس نے جو رائے دی تھی اور جو تجویز پیش کی تھی اس پر اسی طرح عمل کیا۔ اس نے دشمن کو ہر محاذ پر شکست دی اور اس کا پیچھا کیا۔ وہ ایک قلعے سے دوسرے قلعے تک اور ایک شہر سے دوسرے شہر تک اپنے دشمن کا تعاقب کرتا رہا۔ یہاں تک کہ ابن مقنع کے پیرو اس سے تنگ آگئے۔ ان سب کا مرکز ایک تھا اور یہ لوگ بھاگ بھاگ کر صیام کے قلعے میں پناہ لیتے رہے۔ ابن مقنع بھگوڑوں کی بھیڑ بھاڑ دیکھ کر اتنا پریشان ہو گیا کہ وہ ان کو روک بھی نہیں سکتا تھا اور ان کے یہاں آنے سے خوش بھی نہ تھا۔ یہ بھگوڑے اپنے نقاب پوش خدا سے مدد کے طالب تھے اور رو رو کر اپنا حال زار خدا کو سنا رہے تھے لیکن یہ نام نہاد خدا ان سے ناراض تھا کہ انہوں نے کسی بھی محاذ پر مسلمانوں کے خلاف کوئی کامیابی نہیں حاصل کی تھی۔ پہلے تو ان بھگوڑوں کے بارے میں ابن مقنع کو ان کی یہ بات پسند نہیں آئی تھی کہ وہ کہیں اور آنے جانے کے بجائے صیام کے قلعے میں پناہ کیوں لے رہے تھے اور یہ طے تھا کہ مسلمان ان کا پیچھا کرتے ہوئے قلعے صیام تک پہنچنے والے تھے اور اس طرح ان لڑائیوں کا دورانیہ بہت کم ہو جاتا تھا۔ ابن مقنع کو یہ بات بالکل پسند نہیں تھی۔

قلعے میں پناہ لینے والوں میں زخمی بھی شامل تھے۔ ابن مقنع نے ان کے علاج پر طبیب مقرر کر دیے اور مسلمانوں سے مقابلوں کی تیاریوں میں مشغول ہو گیا۔ اب اس نے اس بوڑھی عورت کو ایک خاص ہال میں طلب کیا۔ یہاں بڑھیا کے ساتھ گرفتار شدہ جوان قیدی بھی موجود تھے۔ بڑھیا نے انہیں دیکھا اور ان کی مختصر تعداد پر حیرت کا اظہار کیا۔ اس نے ابن مقنع سے پوچھا "باقی لوگ کہاں ہیں؟"

اب مقنع نے کہا "وہ میرے دین میں داخل ہو گئے ہیں۔ اب وہ تجھ سے کبھی نہیں ملیں گے۔"

Marfat.com

بڑھیا نے سامنے موجود لوگوں کی طرف اشارہ کیا اور پوچھا "اور یہ بقیہ کون لوگ ہیں؟"

ابن مقنع نے جواب دیا "یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ابھی تک میرا دین اختیار نہیں کیا۔ غالباً تیرے ہم خیال ہیں۔"

یہ سب نہایت دین دار اور صاحب تقویٰ معلوم دیتے تھے۔ ان کی پیشانیوں پر سجدوں کے نشان نمایاں تھے۔ ابن مقنع نے ان سب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "اگر تو مجھ پر ایمان لے آتی تو یہ لوگ بھی میرے دین میں داخل ہو جاتے لیکن تیری ہٹ دھرمی اور ضد نے انہیں بھی سچائی کی طرف جانے سے روک دیا ہے۔ اب تو دیکھے گی کہ یہ کیسے عذاب الیم میں گرفتار ہوتے ہیں۔"

ابن مقنع نے ہاتھ کا ایک مخصوص اشارہ کیا' جیسے وہ کسی کو بلا رہا ہو۔ اشارے کے جواب میں پانچ صحت مند گراں ڈیل اور طویل القامت ہیبت ناک آدمی ایک طرف سے نمودار ہوئے اور سر جھکا کر ابن مقنع کے روبرو کھڑے ہو گئے۔ قریب ہی ابن مقنع کے بائیں جانب ایک حوض بنا ہوا تھا۔ ابن مقنع نے پہلے مسلمان قیدیوں کی طرف' اس کے بعد حوض کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "انہیں باری باری اس حوض میں ڈال دیا جائے کہ یہی ان کی سزا ہے اور یہی ان کے لیے عذاب الیم ہے۔"

ابن مقنع کے تابع داروں نے جب ایک آدمی کو زبردستی اٹھا کر اس حوض میں ڈالا تو اس کی ایک چیخ بلند ہوئی اور فوراً ہی غائب ہو گیا۔ یہ حوض تیزاب سے بھرا ہوا تھا۔ بقیہ مسلمان بھی باری باری اس حوض میں پھینک دیے گئے۔

بوڑھی عورت چیختی چلاتی اس حوض کی طرف بھاگی' وہ کہہ رہی تھی "او خبیث انسان! ان میں میرے دو بیٹے بھی تھے۔"

ابن مقنع نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا "اس بڑھیا کو روکا جائے۔ اسے زندہ رکھنا ہے کیونکہ اس کے لیے اس کی زندگی ہی عذاب الیم ہے۔" ابن مقنع کے آدمی چیختی چلاتی بڑھیا کو پکڑ کر کہیں لے گئے۔

سعید حریشی کا خیال تھا کہ یہ معرکہ سال چھ مہینے میں اپنے انجام کو پہنچے گا لیکن قلعے تک پہنچنے میں حائل خندقیں بہت چوڑی اور گہری تھیں اور ان خندقوں کو عبور کیے بغیر قلعے تک پہنچنا ناممکن تھا۔ قلعے کی فصیل پر ابن مقنع کے پیرو مستعد اور چاق و چوبند تھے۔ اسلامی لشکر کھلے میدان میں پڑا تھا۔ جب بھی کوئی خندق کے قریب جاتا' اس پر تیروں کی بوچھاڑ کر دی جاتی تھی اور دبابوں کی مدد سے پتھر برسائے

Marfat.com

جاتے تھے۔

آخر سعید حریشی نے لوہاروں اور بڑھیوں کو سیڑھیوں کی تیاری میں مشغول کردیا۔ یہ لوگ لکڑی اور لوہے کی لمبی لمبی سیڑھیاں تیار کررہے تھے۔ فوج کے مہندسوں نے نظروں سے خندقوں کی چوڑائی کا جو اندازہ لگایا تھا وہ تجربے سے غلط ثابت ہوا۔ تیاری کے بعد ان سیڑھیوں کو خندق کے دونوں سروں پر رکھنے کی کوشش کی گئی تو چھوٹے ہونے کی وجہ سے کئی سیڑھیاں خندق میں گر گئیں اور یہ تجربہ ناکام ثابت ہوا۔ قلعے کی فصیلوں پر موجود سپاہی مسلمانوں کا مذاق اڑا رہے تھے اور وہ خندقوں کے عبور کو ناممکن سمجھ رہے تھے۔

سعید حریشی شرمندہ تھا کہ ابتدائی کامیابیاں حاصل کرنے کے بعد وہ قلعہ صیام کے سامنے پہنچ کر بے بس ہوگیا تھا۔ اس کا خیال تھا اب معاذ بن مسلم اس پر حرف زن ہوگا اور طعنہ زن ہوگا لیکن معاذ بن مسلم نے دور سے اس کو یہ پیغام بھیجا کہ مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ اس خطرناک مہم کو سر کرنے میں اگر کئی سال بھی لگ جائیں تب بھی گھبرانے کی کوئی بات نہیں اور واقعی اس قلعے کے محاصرے میں کئی سال ضائع ہوئے۔ ایک لاکھ کے قریب اس لشکر کو محاصرے کے دوران میں دوسری دشواریاں اور پریشانیاں بھی پیش آرہی تھیں۔ ان سب کے لیے کھانے اور پانی کی فراہمی بھی ایک مسئلہ بنی ہوئی تھی اور اس ذمے داری کو معاذ بن مسلم نے اپنے سر لے لیا تھا۔ اس کے آدمی ادھر ادھر پھیل گئے تھے اور اناج خریدتے پھر رہے تھے۔ یہ اناج گاڑیوں اور چھکڑوں پر لاد کر سعید حریشی کے پاس پہنچادیا جاتا۔ پانی کے لیے کنوئیں کھودے گئے اور اس مشکل پر قابو پانے میں بھی مسلمان کامیاب ہوگئے۔

اندر قلعے میں ابن مقنع اپنے پیروؤں سے پوچھ رہا تھا۔ "کیا مسلمان ابھی تک ڈٹے ہوئے ہیں۔ انہیں آب ودانے کی کی تنگی نے ابھی تک پریشان نہیں کیا؟"

اور جب اسے یہ جواب دیا جاتا کہ سارے مسلمان آسودہ اور مطمئن نظر آتے ہیں تو اس کی پریشانی میں اضافہ ہوجاتا، پوچھتا "ایک لاکھ پر مشتمل اس فوج کے لیے غلہ کہاں سے آتا ہے؟"

خوش عقیدہ پیرو جواب دیتے "اس کا صحیح علم خداوند کو ہوگا۔"

ابن مقنع اپنے پیروؤں کو تسلی کے لیے کہتا "تم لوگ مت گھبراؤ، میں مسلمانوں پر عنقریب بیماریاں اور وبائیں بھیجوں گا اور یہ نئی مصیبتیں انہیں آخر کار محاصرہ اٹھالینے پر مجبور کردیں گی۔"

جو لوگ فصیلوں پر اپنے فرائض انجام دے رہے تھے جب انہیں ابن مقنع کی خدمت میں حاضری

Marfat.com

دینے کا موقع ملتا تو وہ اپنے خداوند کو بتاتے "مسلمانوں کے کاریگر..... اور ہنر مند لوہے اور لکڑی کی لمبی لمبی سیڑھیاں بنا رہے ہیں تاکہ ان کے ذریعے خندق کو عبور کیا جائے۔"

ابن مقنع ہنس کر جواب دیتا "یہ بڑی بڑی سیڑھیاں وزن بھی کافی رکھتی ہوں گی۔ ان کو خندقوں پر رکھنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ مسلمان اپنی اس کوشش میں ناکام ہو جائیں گے اور ان کی سیڑھیاں خندقوں میں گر جائیں گی۔"

اور جب ابن مقنع سے یہ پوچھا جاتا کہ مسلمان سیڑھیوں والی تدبیر میں کامیاب ہو گئے تو کیا ہو گا تو ابن مقنع جواب دیا "وہ اپنی ہر کوشش میں ناکام ہو جائیں گے اور میری بھیجی ہوئی وبائیں اور بیماریاں اس اسلامی لشکر کو اتنا مایوس اور دل برداشتہ کر دیں گی کہ یہ اسلامی لشکر تباہ و برباد ہو جائے گا اور میرے پرستار مسلمانوں کے شر سے نجات پا جائیں گے۔"

ابن مقنع کا اندازہ درست نکلا اور اسلامی لشکر میں وبائیں اور بیماریاں پھیلنے لگیں۔ یہاں کی آب و ہوا مسلمانوں کو راس نہیں آ رہی تھی۔ لوگ پیٹ کی خرابی اور بخار میں مبتلا رہنے لگے۔

سعید حریثی نے اپنی فوج کو اس کی جگہ سے ہٹا دیا اور انہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر دیا لیکن محاصرہ نہیں اٹھایا۔ سعید حریثی کی ہمت اب بھی جوان تھی۔ یہ بلا کی قوت ارادی کا حامل مسلمان تھا۔ سعید حریثی کا خیال تھا کہ قلعے میں محصور ابن مقنع اور اس کے ساتھیوں کا باہر کی دنیا سے رابطہ اور تعلق منقطع ہو چکا ہے۔ اس کا قلعے میں موجود غلہ کب تک چلے گا۔ اس کے علاوہ وہ فصیلوں سے مسلسل تیر برسا رہے تھے اور سنگ باری کر رہے تھے' اس طرح تیروں اور پتھروں کی قلت ہو جائے گی اور ان دونوں چیزوں کی قلعے کے باہر دنیا سے فراہمی ناممکنات میں سے ہو گی اور آخر کار یہ لوگ ہاتھ جوڑ کر امن و امان کی درخواست کریں گے۔ پھر کافی دنوں بعد خندقوں کو عبور کرنے کے سلسلے میں اس کے ذہن میں ایک تجویز آئی اور اس نے سوچا کہ ان خندقوں کو پاٹا بھی جا سکتا ہے۔ پتھروں کے ذریعے یا ریت کے بوروں کے ذریعے اور ریت کے بورے اس کی نظر میں بڑی اہمیت رکھتے تھے لیکن اتنی اونچائی سے نیچے گر کے ریت کے بورے پھٹ بھی سکتے تھے اس لیے اب اسے کسی ایسی شے کی تلاش تھی جو بوروں سے زیادہ مضبوط ہو۔

وہ کئی دن تک اس نامعلوم شے کی تلاش میں رہا۔ آخر ایک دن اس کی نظر کنوئیں کے اس چرسے پر پڑی جس سے پانی نکالا جا رہا تھا اور یہ چرسا چمڑے کا تھا۔ سعید حریثی کی نظر میں جانوروں کی کھالیں بورے کا بہترین نعم البدل تھیں۔ اس ترکیب کے ذہن میں آتے ہی اس نے چاروں طرف اپنے آدمی

Marfat.com

دوڑا دیے اور یہ لوگ ہر طرف سے کھالیں جمع کرنے لگے۔ اس کے علاوہ اس نے ایک خط خلیفہ مہدی کو بھی لکھا۔

سعید حریشی نے اپنے اور قلعے کے درمیان حائل گہری اور چوڑی خندقوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا تھا "ان خندقوں کو میں نے لکڑی اور لوہے کی لمبی لمبی سیڑھیوں کے ذریعے عبور کرنے کی کوشش لیکن ناکام رہا۔ اب میں انہیں ریت کے بوروں سے پاٹ دینا چاہتا ہوں مگر ریت کے بورے خندق کی تہ تک جا کے پھٹ بھی سکتے ہیں اس لیے میں ان بوروں کی جگہ جانوروں کی کھالیں استعمال کرنا چاہتا ہوں۔ یہ کھالیں بوروں کی نسبت زیادہ مضبوط ہوں گی۔ میں نے اپنے طور پر کھالیں جمع کرنا شروع کر دیں ہیں مگر میں اپنے اس معاملے میں آپ کا تعاون بھی چاہتا ہوں۔ جتنی زیادہ کھالیں مجھے بھیجی جائیں گی میرا یہ مسئلہ حل ہوتا چلا جائے گا اور آخر کار ہم سب خندق کو عبور کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔"

خلیفہ مہدی نے بغداد اور مضافات سے کھالیں جمع کروائیں اور انہیں سعید حریشی کے پاس روانہ کر دیا گیا اور ساتھ ہی سعید حریشی کو خط میں لکھا "ہم نے بلاد، سندھ، بلوچستان اور ملتان کے عاملوں کو احکامات بھیج دیے ہیں کہ وہ وہاں سے جانوروں کی کھالیں اکٹھا کر کے تجھ کو روانہ کر دیں۔ امید ہے ہماری مرسلہ کھالوں کے علاوہ سندھ، بلوچستان اور ملتان سے بھی کھالوں کی وافر تعداد تجھ کو حاصل ہو جائے گی اور تو اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے گا۔"

کہتے ہیں کہ سندھ، بلوچستان اور ملتان کے عاملوں نے اس حکم کی تعمیل میں بڑی سرگرمی دکھائی اور دس ہزار کھالیں ایک قلیل مدت میں اکٹھا کر کے سعید حریشی کو روانہ کر دی گئیں۔ کھالوں کی حصولیابی کے ساتھ ہی ریت کی فراہمی کا مسئلہ بھی سعید حریشی کے سامنے تھا لیکن یہ مسئلہ بھی حل کر لیا گیا اور کہیں نہ کہیں سے ریت بھی فراہم کر لی گئی۔ اب چھکڑوں اور گاڑیوں میں اناج کے ساتھ ساتھ ریت سے بھری کھالیں بھی سعید حریشی کو پہنچنے لگیں۔

فصیلوں پر موجود سپاہیوں نے دیکھا کہ خندقوں میں بڑے بڑے بورے پھینکے جا رہے ہیں۔ وہ یہ خبر لے کر ابن مقنع کے پاس گئے اور اس کو بتایا "خداوندا! اب مسلمان خندقوں کو پاٹ کر قلعے تک پہنچنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہر چند خندقیں گہری بھی ہیں اور چوڑی بھی اور انہیں دو چار دن میں پاٹ دینا ممکن نہیں لیکن اب یہ کام ناممکن نہیں رہا۔ اگر وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب ہو گئے تو ان کی منجنیقیں اور دبابے قلعے کے نیچے پہنچا دیے جائیں گے اور پھر قلعے کی دیواریں منہدم کرنے کی کوشش شروع کر دی جائے گی اور اپنی ان کوششوں میں کامیاب ہونے کے بعد قلعے میں داخل ہونے کی کوشش

Marfat.com

کریں گے اور ہم ابھی تک فرشتوں کی مدد یا اپنی ذات میں فرشتوں جیسی قوت حاصل کرنے میں ناکام ہیں پھر یہ مقابلہ کس طرح ہوگا' ہمارے پینتیس چالیس ہزار جوان ایک لاکھ سے اوپر اسلامی لشکر کا مقابلہ کس طرح کریں گے؟"

ابن مقنع نے انہیں تسلیاں دیں اور کہا "وقت آنے دو' مسلمانوں کو تباہ و برباد کردیا جائے گا۔ مسلمانوں کی تباہی و بربادی ان کا مقسوم ہے کیونکہ میرے پیش نظر ان کی لوح محفوظ ہے اور اس لوح محفوظ میں ان کی تباہی و بربادی سے متعلقہ عبارت میں دیکھ رہا ہوں۔"

اب ابن مقنع کے ہزاروں پیرو اس شک و شبہ میں پڑ گئے تھے کہ یہ شخص انہیں بے وقوف بنا رہا ہے۔ شاید وہ کبھی بھی مسلمانوں کو شکست نہ دے سکیں۔ یہ باغی عناصر قلعے میں ادھر ادھر روپوش ہوگئے۔ ابن مقنع کی نظریں ان سب پر لگی ہوئی تھیں اور وہ اپنی حقیقی نظروں سے حالات پر گرفت کیے ہوئے تھا۔

اس نے اپنی بیویوں اور اولادوں کو حکم دیا "تم سب چند دن میرے قریب موجود رہو۔"

اب وہ قلعے کے اندر ایک صحن میں ایک اونچے چبوترے پر بیٹھ گیا تھا۔ یہیں چبوترے سے تقریباً ہزار آٹھ سو قدم دور لکڑیوں کے انبار لگا دیے گئے۔ یہ لکڑیاں بالکل خشک تھیں۔

اس کے پیرو اس کی اس عجیب و غریب حرکت پر حیران ہو رہے تھے کہ اس طرح وہ کون سا کارنامہ انجام دینے والا ہے پھر اس کے حکم سے لکڑیوں کو آگ لگا دی گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کے شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے۔ اس وقت وہ بہت خوش نظر آرہا تھا۔ اس نے اپنی بیویوں' عزیزوں اور اولادوں سے کہا "میرے عزیزو! اس وقت میں یہاں سب کے ساتھ اس لیے بیٹھا ہوں کہ یہ آگ جسے تم دیکھ رہے ہو' یہ مظہرِ خداوندی ہے۔ یہ آگ آتش کدوں میں صدیوں جلتی رہی ہے اور اسے کبھی بجھنے نہیں دیا گیا۔ اب میں نے بھی زرتشت کی سنت تازہ کی ہے اور اس کی برکت سے ہم مسلمانوں پر قابو پا سکتے ہیں۔"

کچھ دیر بعد ابن مقنع کے حکم سے شراب کے گھڑے اور مٹکے لائے گئے۔ ابن مقنع نے سب کو حکم دیا "آج کسی پر کوئی قید یا پابندی نہیں ہے۔ بچے' بوڑھے اور جوان شراب پر ٹوٹ پڑیں۔"

شراب نوشی عام ہوگئی۔ جب ان پر شراب کا نشہ طاری ہوا تو وہ بے قابو ہونے لگے۔ اب ابن مقنع نے اپنے صحت مند اور دیو قامت خدمت گاروں کو طلب کیا اور انہیں ایک طرف کھڑا ہو جانے کا حکم دیا۔ "اب میرے عزیزوں' بیویوں اور اولاد کے سوا جو لوگ یہاں ہیں' وہ یہاں سے کہیں اور چلے

Marfat.com

جائیں پھر جب انہیں بلایا جائے تو وہ دوبارہ آجائیں گے۔ میں اپنا کچھ وقت اپنے عزیزوں میں گزارنا چاہتا ہوں۔"

چشم زدن میں بیویوں' عزیزوں اور اولاد کے سوا سبھی کہیں اور چلے گئے لیکن خدمت گار اب بھی حاضر تھے۔

ابن مقنع نے پوچھا "کیا میرے مقربین خاص یہاں سے چلے گئے؟"

خدمت گاروں نے عرض کیا "جی خداوندا۔"

ابن مقنع نے کہا "آسمانوں پر فرشتے میرے عزیزوں اور اولاد کو بلا رہے ہیں۔ وہ انہیں اپنی امان میں لینا چاہتے ہیں اس لیے انہیں فی الحال فرشتوں کے پاس روانہ کردیا جائے۔ جب ان کی ضرورت ہوگی۔ میں انہیں دوبارہ بلوالوں گا۔"

پھر اپنے خاص خدمت گاروں کو حکم دیا "نشے میں دھت ان سب کو باری باری آگ میں پھینک دیا جائے۔"

خدمت گاروں کو اس حکم کی تعمیل میں تامل ہوا لیکن ابن مقنع نے انہیں سختی سے حکم دیا "میں نے جو حکم دیا ہے اس کی فوری تعمیل ہو۔"

خدمت گاروں نے ایک ایک کو اٹھا کر آگ میں پھینکنا شروع کردیا۔ آگ کے شعلے اور زیادہ بلند ہونے لگے اور چند گھنٹوں میں ابن مقنع کا خاندان ناپید ہوگیا۔ خدمت گار اپنے نام نہاد خدا کی مصلحتوں سے ناواقف تھے اس لیے خاموش رہے۔

قلعے کے باہر مسلمان خندقوں کو پاٹنے میں کامیاب ہوگئے تھے اور اب وہ نہایت احتیاط کے ساتھ خندق کو عبور کررہے تھے۔ فصیلوں سے تیروں اور پتھروں کی بارش ہورہی تھی لیکن مسلمان انہیں اپنی ڈھالوں سے روک رہے تھے۔ دبابے اور منجنیقیں بھی خندق کے اس پار پہنچادی گئی تھیں اور ان سے بھاری بھاری پتھر پھینک کر فصیل کو کمزور کردیا گیا۔ اب فصیل پر موجود دشمن بھی مسلمانوں کی زد میں تھے اور انہیں بھی نقصان پہنچ رہا تھا۔ فصیلوں میں دراڑیں پڑ گئیں اور ان دراڑوں کو مسلسل اور مستقل پتھروں کی ضربات سے بالکل توڑ پھوڑ دیا گیا۔

قلعے میں موجود ابن مقنع کے یہ تیس ہزار سپاہی اب مقابلے اور اپنی فتح سے مایوس ہوچکے تھے۔ وہ آپس میں صلاح و مشورے کرنے لگے۔ فوج کا کمان دار اپنے نائب سے پوچھ رہا تھا۔ یہ کیسا خدا ہے کہ اس کے فرشتے اس کے قابو میں نہیں ہیں اور ہم میں ابھی تک فرشتوں جیسی غیر معمولی قوت بھی

Marfat.com

ودیعت نہیں کی گئی۔"

نائب بھی بہت مایوس' اداس اور افسردہ تھا' کہنے لگا "معلوم نہیں کیوں ابھی تک ہمیں بے سہارا رکھا گیا ہے۔ فصیل میں دراڑیں پڑ چکی ہیں اور کچھ دیر بعد مسلمان قلعے میں داخل ہو جائیں گے۔ اس وقت مسلمان ہمیں معاف بھی نہیں کریں گے کیونکہ ہم نے اب تک جو کچھ کیا ہے وہ ہرگز اس لائق نہیں کہ ہمیں معافی دی جائے۔"

کمان دار نے ادھر ادھر دیکھ کر اپنے نائب سے آہستہ سے سوال کیا "تیرا کیا خیال ہے' یہاں ہم دونوں آپس میں جو باتیں کر رہے ہیں ان کی اطلاع ابن مقنع تک پہنچ رہی ہو گی یا نہیں؟"

نائب نے جواب دیا "اگر ابن مقنع واقعی خدا ہے تو اسے ہماری باتوں کی خبر ہو جائے گی ورنہ نہیں۔"

کمان دار بے حد فکر مند تھا اور وہ سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ اپنے تیس ہزار فوجی جوانوں کی جانوں کو خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا لیکن حالات ایسے تھے کہ وہ نہ تو جنگ لڑ سکتا تھا اور نہ واپس جا سکتا تھا کیونکہ وہ اپنی پیشانی پر ناکامی اور بدنامی کا داغ لگا کے ابن مقنع کی خدمت میں حاضری نہیں دے سکتا تھا۔ مسلمان اس کو معاف نہیں کر سکتے تھے اور ان کا خدا ان کی ہار برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ آگے خندق تھی پیچھے کنواں تھا۔ نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن۔ آخر میں کمان دار نے حوصلے سے کام لیا اور اپنی جان ہتھیلی پر لے کر قلعے سے باہر نکلا۔ اس کے ہاتھ میں سفید جھنڈا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ صلح' امن اور مفاہمت کی خاطر مسلمانوں سے ملنا چاہتا ہے۔

سعید حریثی کو یہ خبر دی گئی تو اس نے حکم دیا "اس شخص کو میری خدمت میں فوراً پیش کیا جائے۔"

کمان دار نے اپنا تعارف کرایا اور شرمندگی سے کہا "ہمیں افسوس ہے کہ ہم نے گمراہی میں اتنے سال گزار دیے اور جب ہمیں یہ یقین ہو گیا کہ یہ شخص جھوٹا ہے اور ہمیں بے وقوف بنا رہا ہے تو ہم نے آپ سے جنگ کرنے کا ارادہ ہی ترک کر دیا۔"

سعید حریثی نے پوچھا "تیری کمان میں کتنی فوج ہے؟"

کمان دار نے جواب دیا "کل تیس ہزار اور ہم سب امان چاہتے ہیں۔ آپ کے لیے قلعے کا دروازہ... کھول دیا جائے گا۔"

سعید حریثی کو کمان دار کی باتوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ فکر مند تھا کہ کہیں اس کے ساتھ دھوکا تو

Marfat.com

نہیں کیا جارہا ہے۔ آخر اس نے کمان دار کے سامنے ایک تجویز رکھی اور کہا "میں تمہیں امان دینے کو تیار ہوں لیکن اس شرط پر کہ تمہارے آدمی سو سو' دو دو سو کی تعداد میں باہر نکلیں اور اپنے ہتھیار ایک طرف پھینکتے جائیں اور نہتے ہماری فوج میں داخل ہو جائیں۔ ہم انہیں اپنی حراست میں رکھیں گے۔"

کمان دار کو یہ شرط منظور تھی۔ وہ اسی وقت قلعے میں واپس گیا اور کچھ دیر بعد ہی قلعے سے سو سو اور دو دو سو فوجی برآمد ہونے لگے۔ وہ ہتھیار ایک طرف پھینکتے جارہے تھے اور خود کو مسلمانوں کے حوالے کرتے جارہے تھے۔ اس طرح سارا دن یہ عمل جاری رہا اور تین ہزار منکروں نے خود کو مسلمانوں کے حوالے کردیا۔

سعید حریشی نے کمان دار سے پوچھا "اندر اور کتنی فوج موجود ہوگی؟"

کمان دار نے جواب دیا "غالباً ڈھائی تین ہزار اور یہ سب ابن مقنع کے جاں نثار ہیں۔ یہ اس پر اپنی جانیں قربان کردیں گے مگر اس کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔"

یہ جو کچھ ہو رہا تھا ابن مقنع کو اس کا علم ہو گیا۔ ہر طرف سے مایوس ہونے کے بعد اس نے اپنے ڈھائی تین ہزار جاں نثاروں کو بھی طلب کرلیا اور انہیں ایک خوش خبری سنائی۔ "میرے بندو! میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں آسمانوں میں واپس جاؤں اور وہاں سے اپنے فرشتوں کے ساتھ واپس آکر مسلمانوں کو تباہ و برباد کردوں۔ میں اپنے اس سفر میں تم سب کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں۔ یہ شراب کے خم موجود ہیں ان کو پیو اور اپنے ساتھیوں کو پلاؤ یہاں تک کہ اپنے ہوش و حواس گنوا بیٹھو۔ میں تمہیں اسی مدہوشی کے عالم میں اڑا لے جاؤں گا۔"

جاں نثاروں نے خوشی میں شراب پینی اور پلانی شروع کردی۔ یہاں تک کہ پیتے پیتے بے حال ہو گئے۔ ابن مقنع اسی وقت کا منتظر تھا۔ اس نے اپنے خدمت گاروں کو حکم دیا "انہیں بھی شعلوں کی نذر کردیا جائے۔" لیکن یہ تعداد میں بہت زیادہ تھے۔ ابھی چند ہی آگ میں ڈالے گئے تھے کہ ابن مقنع نے اعلان کیا "ان کے آس پاس لکڑیاں رکھ کر آگ لگادی جائے تاکہ تم لوگ ان کو آگ میں پھینکنے کی زحمت سے بچ جاؤ۔"

خدمت گاروں نے اس کے حکم کی تعمیل کی اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ جاں نثار بھی آگ میں جلنے لگے۔ ابن مقنع بہت خوش تھا۔ اس نے اپنے خدمت گاروں سے پوچھا "کیا تم لوگ چاہتے ہو کہ میرے ساتھ ہمیشہ زندہ رہو اور آسمانوں کی دنیا کی سیر کرو؟"

خدمت گار یہ سوچ رہے تھے کہ اب جب کہ قلعے میں ابن مقنع اور چند خدمت گاروں کے سوا

Marfat.com

کوئی نہیں رہا تو یہ خداوند ابن مقنع اتنا خوش کیوں ہے؟ وہ سوچ رہے تھے کہ یقیناً آسمانوں کا یہ سفر آگ میں کودنے کے بعد ہی طے کیا جا سکتا ہے اور غالباً ابن مقنع بھی اپنا یہ سفر آگ میں کود کر طے کرے گا۔ ابن مقنع نے اپنے خدمت گاروں سے پوچھا "کیا سوچ رہے ہو۔ کیا تمہیں میرے حکم کی تعمیل میں کسی قسم کا تامل ہے؟"

کئی خدمت گاروں نے ہم آواز ہو کر کہا "نہیں خداوند' بالکل نہیں۔"

ابن مقنع نے کہا "تو پھر سوچتے کیا ہو۔ شراب پیو اور پیتے پیتے آگ میں اتر جاؤ۔"

لیکن خدمت گاروں نے اتنی شراب پی لی کہ انہیں آگ میں ابن مقنع کو دھکیلنا پڑا اور ذرا سی دیر میں یہ خدمت گار بھی آگ میں جل کر راکھ ہو گئے۔ ابن مقنع کو اس وقت یہ یاد نہیں رہا تھا کہ اس کے آس پاس کہیں ایک بوڑھی عورت بھی موجود ہے جو اس کے سارے تماشے اپنے کانوں سے سن اور اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ بوڑھی عورت نے ابن مقنع کے خاندان' جاں نثاروں اور خدمت گاروں کو آگ کی نذر ہوتے دیکھا تھا۔

ابن مقنع آہستہ آہستہ چل کے تیزاب کے حوض کے پاس پہنچا اور پہلی بار اپنے چہرے سے نقاب اتاری۔ اس بوڑھی عورت نے اس بھیانک اور مکروہ چہرے کو دیکھا۔ چیچک کے نشانوں سے داغ دار اور ایک آنکھ سے محروم چہرہ۔

وہ کچھ دیر حوض کے پاس کھڑا بڑبڑاتا رہا "اب میں تیزاب کے اس حوض میں کود کر بالکل نابود ہو جاؤں گا اور میرے وہ ماننے والے جو یہاں اس قلعے میں موجود نہیں ہیں' وہ اور ان کی نسلیں تک میرا انتظار کریں گی کہ کب میں اپنے خاندان' جاں نثاروں' خدمت گاروں اور فرشتوں کے ساتھ واپس آؤں گا اور مسلمانوں کو نیست و نابود کروں گا۔"

وہ ہنستا ہوا تیزاب کے حوض میں کود گیا اور کچھ دیر بعد ایسا لگا جیسے ابن مقنع نام کی کوئی چیز کبھی اس دنیا میں تھی ہی نہیں۔

یہ واقعہ ایک سو تریسٹھ ہجری میں پیش آیا۔

بوڑھی عورت جب باہر نکلی تو سامنے سیڑھیاں نظر آئیں۔ یہ سیڑھیاں اوپر فصیل تک چلی گئی تھیں۔ اوپر چڑھ کے سامنے دیکھا تو نیچے مسلمانوں کا لشکر نظر آیا۔ مسلمانوں نے فصیل پر ایک بوڑھی عورت کو کھڑے دیکھا تو بڑے حیران ہوئے۔ یہ بوڑھی عورت ہاتھ کے اشارے سے مسلمانوں کو فصیل کے نیچے بلا رہی تھی۔

ابن مقنع

Marfat.com

جب مسلمان فصیل کے نیچے پہنچے تو بوڑھی عورت فصیل پر لیٹ گئی اور منہ کو فصیل کے نیچے کرتے ہوئے بولی "اندر آجاؤ' قلعہ بالکل خالی ہے' سب کچھ ختم ہوگیا۔"

سعید حریشی قلعے میں داخل ہوا۔ وہ واقعی بالکل خالی تھا۔ بس کہیں کہیں مویشی موجود تھے۔ جنہیں قلعے والوں نے کھانے کے لیے جمع کر رکھا تھا۔ گائے' بکری اور بھیڑوں کی آوازیں قلعے میں گونج رہی تھیں۔

سعید حریشی نے آگے بڑھ کے اس حواس باختہ اور پریشان حال بوڑھی عورت کو سیڑھیوں پر چڑھ کے سہارا دے کر نیچے اتارا اور پوچھا "قلعے کے دوسرے لوگ کہاں چلے گئے؟"

بوڑھی عورت سعید حریشی کو جلتی ہوئی آگ کے شعلوں کے پاس لے گئی اور کہا "ابن مقنع کے عزیز' بیویاں' اولاد' جاں نثار اور خدمت گار سب اس میں جل کر آسمانوں پر چلے گئے ہیں کیونکہ ابن مقنع یہی کہتا تھا۔"

سعید حریشی نے پوچھا "ابن مقنع کہاں ہے؟"

بوڑھی عورت' سعید حریشی کو تیزاب کے حوض کے پاس لے گئی اور یہاں اس نے جو کچھ دیکھا اور سنا تھا سب کچھ سعید حریشی کو بتلا کے کہا "وہ اس حوض میں کود کر آسمانوں پر چلا گیا۔"

جب یہ خبریں عام ہوئیں تو تیس ہزار منکرین میں سے بہتوں نے رونا شروع کر دیا اور کہا "ہم نے اپنے خدا سے بے وفائی کی۔ اگر ہم بھی ان آخری لمحوں میں اپنے خدا کے پاس ہوتے تو آج ہم بھی دوسروں کی طرح آسمانوں میں پہنچ گئے ہوتے اور ہمیں اپنے خدا کی قربت بدستور میسر رہتی۔"

ان کو بغداد لے جایا گیا اور ان کو راہ راست پر لانے میں بڑی محنت کی گئی۔ وہ بظاہر مسلمان ہوگئے مگر کبھی کبھی ان کو ابن مقنع یاد آتا تو اس کا ساتھ نہ دینے پر پچھتاتے۔ صدیاں بیت گئیں۔ وہ لوگ بھی انتظار کرتے کرتے مایوس ہوگئے مگر ابن مقنع کتابوں میں زندہ ہے۔ شاعروں نے اس کے چاند کو اپنے اشعار میں محفوظ کر دیا اور اس چاند کا خالق اسلامی تاریخ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جگہ پا گیا۔

Marfat.com

Marfat.com

ایران میں جس شخص نے
مزدکیت کو دوبارہ زندہ کیا، وہ بابک
خرمی تھا۔ پیشے اور ذات کے اعتبار سے تیلی تھا۔
جو کچھ وہ خود نہیں بننا چاھتا تھا، حالات، واقعات
اور قسمت نے اسے بنادیا۔ اس کے پیچھے ایک عورت کا ھاتھ
کار فرما تھا لیکن اس کے کارناموں نے ثابت کردیا کہ وہ
بذاتِ خود بھی غیر معمولی تھا۔ اس نے خلافتِ عباسیہ اور
اسلام کو بیس سال تک ایک عذاب میں مبتلا رکھا۔ ایسا
لگتا تھا کہ وہ ایک نہ ایک دن پورے ایران پر چھاجائے
گا مگر ایک ان پڑھ شخص نے اس کے طلسم کو
توڑ دیا۔ یہ تھا عباسی خلیفہ معتصم باللہ۔

مضمون کے مآخذ

تاریخ کامل — ابن اثیر
تاریخ ابن خلدون — علامہ ابن خلدون
فتوح البلدان — البلاذری
تاریخ اسلام — اکبر شاہ خان
تاریخ طبری — ابوجریر الطبری
معالج النبوۃ — عبدالحق محدث دھلوی

یابک خرمی

Marfat.com

بابک خرمی

۸۱۶ء نمودار ۸۳۸ء قتل

ایران اور عراق کا مشہور شہر مدائن اس حیثیت سے بڑی شہرت کا حامل تھا کہ یہ دو شہروں کو ملا کے ایک کیا گیا تھا۔ مدینہ ایک شہر کو کہتے ہیں اور مدائن دو شہروں کے مجموعے کو۔ یہاں کی آبادی بھی ملی جلی ہے۔ یہاں عراقی بھی ملیں گے اور ایرانی بھی۔ مختلف پیشوں کے لوگ اس ماحول میں زندہ رہنے کی کوشش کرتے اور جب پیشہ وَرانہ مسابقت میں شکست اٹھاتے تو ادھر ادھر کا رخ کرتے۔ چالاک پیشہ ور کسی ایسی جگہ اقامت اختیار کرتا جہاں اس کا کوئی مدمقابل نہ ہو اگر مدمقابل ہوں تو کم سے کم ہوں۔ اسی طرح مدائن کے ایک تیلی خاندان نے کیا۔ یہ خاندان ایک عرصے سے اس پیشے سے وابستہ تھا اور وہ اپنے ہم پیشہ خاندانوں سے مقابلہ کر رہا تھا۔ سالہا سال یہ مقابلہ جاری رہا مگر آخر کار اس خاندان نے آہستہ آہستہ پسپائی اختیار کرنا شروع کر دی۔

اس خاندان کا ایک نوجوان عبداللہ پیشہ وَرانہ اور معاصرانہ کشمکش سے تنگ آیا ہوا تھا' اس کا باپ اس کے سپرد جو ذمے داریاں کرتا تھا' عبداللہ انہیں دل جمعی سے پورا نہیں کرتا جس کا نتیجہ غربت اور افلاس نکلتا تھا۔

عبداللہ کا باپ اس پر گرم ہو جاتا تھا اور کہتا "عبداللہ! اس طرح کیونکر کام چلے گا۔ تو کام میں جو سستی اختیار کرتا ہے اس سے تیرے ہم پیشہ فائدہ اٹھاتے ہیں۔"

عبداللہ نے تلخی سے جواب دیا "باوا جان! میں دوسروں کی طرح پاگل نہیں ہوں کہ دیوانہ وار گاہکوں کے پیچھے بھاگتا پھروں۔ میں تیل لے کر ایک جگہ بیٹھ جاتا ہوں کہ جس کو ضرورت ہو میرے پاس

Marfat.com

آئے اور تیل خرید لے۔"

باپ نے ڈانٹتے ہوئے کہا "لیکن دوسرے تیلی تو یہ نہیں کرتے۔ وہ محلوں محلوں پھرتے ہیں اور آوازیں لگاتے ہیں اور ہر طلب گار کو اس کے در تک تیل پہنچاتے ہیں اور تو جو ایک جگہ تیل لے کر بیٹھ جاتا ہے تو شام کو آدھے سے زیادہ تیل واپس لے آتا ہے۔"

عبداللہ نے جواب دیا "میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتا۔ آخر قناعت بھی تو کوئی چیز ہے۔"

باپ نے ڈانٹا "یہ ولی اللہ اور صوفی حضرات کی باتیں کرنا کہاں سے سیکھ لیں۔ قناعت کا درس یہی لوگ دیتے ہیں۔"

عبداللہ نے پوچھا "کیا قناعت بری چیز ہے؟"

باپ نے جواب دیا "ہاں قناعت بری چیز ہے۔ ہم دنیاداروں کو اس سے دور رہنا چاہیے۔ کیونکہ جس گھر میں قناعت داخل ہو جاتی ہے وہاں ہر سو فاقے ہی فاقے نظر آتے ہیں۔"

عبداللہ نے کہا "کیا میرا گھر فاقے کرتا ہے۔ کیا ہمارا شمار ناداروں میں ہوتا ہے؟"

باپ نے جل کے جواب دیا "اگر تیرے گھر کا شمار ناداروں میں نہیں ہوتا تو خوش حالوں میں بھی نہیں ہوتا۔ روز کنواں کھودنا روز پانی پینا' یہ بھی کوئی زندگی ہے۔"

عبداللہ تنگ آیا ہوا تھا' کہنے لگا "بہرحال کچھ بھی ہو۔ میں گلی گلی اور محلے محلے تیل بیچنے نہیں جاؤں گا۔"

باپ کو غصہ آگیا اور حکم دیا "تجھ کو ایسا کرنا پڑے گا۔ اگر تو ایسا نہیں کرے گا تو گھر میں فاقوں کی نوبت آجائے گی۔"

باپ بیٹے کی تلخیوں میں اضافہ ہوتا رہا لیکن عبداللہ اپنی مرضی سے کام کرتا رہا۔

باپ اس کا پیچھا کرتا اور عبداللہ جہاں سرِ راہ تیل لئے بیٹھا ہوتا اس کا باپ وہاں پہنچ جاتا۔ سرِ راہے دونوں میں تلخ کلامی شروع ہو جاتی' باپ دھمکی دیتا "میں تیرا سارا تیل یہیں پھینک دوں گا۔"

عبداللہ کہتا "آپ مالک ہیں۔ آپ باپ ہیں' جو چاہیں کریں۔ تیل پھینک دیں گے تو نقصان بھی آپ ہی کا ہو گا۔"

یہ جھگڑا یہاں تک بڑھا کہ اس میں عبداللہ کی ماں کو بھی حصہ لینا پڑا۔ اس نے بیٹے کی طرف داری کی اور کہا "تم ہر وقت عبداللہ کے پیچھے پڑے رہتے ہو۔ آخر وہ گلیوں گلیوں اور محلے محلے کہاں تک پھرے۔ اگر کام کو ترقی دینے کا اتنا ہی شوق ہے تو اس کام پر کسی دوسرے کو مامور کر دو اور میرے بیٹے کا

Marfat.com

پیچھا چھوڑ دو۔"

باپ نے غصے میں جواب دیا "اس وقت میری حالت اتنی اچھی نہیں ہے کہ میں کوئی ملازم رکھوں۔ یہ کام عبداللہ ہی کو کرنا ہو گا۔"

عبداللہ بڑی مشکل میں تھا۔ اب وہ حالات کا مزید مقابلہ نہیں کر سکتا تھا' ماں سے کہا "ماں! آپ اگر اجازت دیں تو میں یہاں سے کہیں اور چلا جاؤں؟"

ماں ڈر گئی اور پوچھا "تو کہاں جائے گا' کس کے پاس جائے گا؟"

عبداللہ نے ماں سے شکایت کی "میں باپ کی چخ چخ سے تنگ آچکا ہوں۔"

جب ماں نے عبداللہ کے باپ سے اس گفتگو کا ذکر کیا تو وہ آپے سے باہر ہو گیا اور کہا "عبداللہ سے کہہ دے کہ کل کا جاتا آج چلا جائے۔ میں کوئی اور بندوبست کر لوں گا۔"

ماں کو بڑا قلق تھا' وہ یہ بات بیٹے سے نہیں کہہ سکتی تھی لیکن عبداللہ کو اس بات چیت کا علم ہو گیا تھا۔ محلے کے چند اور لڑکے بھی گھر چھوڑنے پر آمادہ تھے۔ انہیں چند ساتھی درکار تھے وہ اس سفر میں اپنے ساتھی تلاش کر رہے تھے۔

عبداللہ نے چپکے چپکے فرار کی تیاریاں شروع کر دیں۔ وہ جو کچھ کما رہا تھا اس میں سے کچھ نہ کچھ چوری کر کے پس انداز بھی کر رہا تھا۔

اب گھر میں کچھ اور کم رقم جانے لگی۔ باپ کے غصے میں اضافہ ہو گیا اور اس نے باقاعدہ روز کا روز حساب لینا شروع کر دیا۔ جتنا تیل دیتا تھا تول کے دیتا تھا پھر جب واپس آتا تو تیل تول لیتا تھا اور بکے ہوئے تیل کی قیمت وصول کر لیتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عبداللہ نے تیل مہنگا بیچنا شروع کر دیا اور اس گراں فروشی کی وجہ سے تیل کی بکری پر اثر پڑا اور ایک بار پھر باپ بیٹے میں جھگڑا ہو گیا۔ نوبت عبداللہ کی پٹائی تک پہنچ گئی۔ اس بار پھر ماں نے دخل دیا اور بیٹے کو بچانے کی فکر میں خود بھی پٹ گئی۔

اس ہنگامے کے بعد گھر میں ایک عجیب قسم کا پر ہول سکوت طاری ہو گیا۔ کوئی کسی سے بات نہیں کر رہا تھا۔

آخر راہِ فرار کا منصوبہ بنانے والے آپس میں ایک دوسرے سے ملنے لگے۔ وقت طے پا گیا کہ فلاں دن صبح سے پہلے ہی مدائن کو چھوڑ دیں گے اور اس منصوبے پر بالکل اسی طرح عمل ہوا۔

صبح ہوئی اور گھروں میں چہل پہل شروع ہو گئی لیکن عبداللہ کے کمرے کا دروازہ ابھی تک بند تھا۔ باپ کو فکر تھی کہ عبداللہ ابھی تک کام پر کیوں نہیں گیا۔ تیل جہاں رکھا تھا' وہیں رکھا رہا۔

Marfat.com

باپ نے کمرے کے دروازے پر کھڑے ہو کر آواز دی "عبداللہ! کیا تو آج کام پر نہیں جائے گا' تیری طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

اندر سے کوئی جواب نہیں ملا۔ ماں کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ شوہر سے کہا "آج اس کی طبیعت خراب معلوم دیتی ہے۔ آج تو آرام کر لینے دو۔"

باپ نے کہا "اندر جا کے دیکھنا تو چاہیے کہ کیا طبیعت خراب ہے؟"

دونوں ایک ساتھ کمرے میں داخل ہوئے اور دیکھا کمرا خالی ہے پھر وہ کمرے سے نکل کر اسے ادھر ادھر تلاش کرنے لگے مگر عبداللہ نہیں ملا۔ اب دونوں کی فکروں میں اضافہ ہو گیا عبداللہ کا کہیں پتا نہ تھا۔

ماں رو رو کر کہہ رہی تھی "آپ نے اسے بھگا دیا آخر وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔"

باپ نے کہا "گھومنے دو۔ جب کام نہیں ملے گا تو خود ہی واپس آجائے گا۔"

ماں خاموش ہو گئی۔ محلے میں کہرام مچا ہوا تھا کیونکہ عبداللہ کے ساتھ محلے کے دوسرے لڑکے بھی غائب تھے۔

یہ لوگ چپ چاپ پڑاؤ کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔

عبداللہ اور اس کے ساتھی پہلا پڑاؤ چھوڑ کر دوسرے پڑاؤ چلے گئے تھے۔ یہ دوسرا پڑاؤ مدائن کے باہر تقریباً دس فرسخ دور واقع تھا اور اس کی شاہراہیں آذربائیجان تک جاتی تھیں۔

عبداللہ کو کچھ نہیں معلوم تھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔ کس قصبے یا کس گاؤں میں قیام کرے گا۔ دوسرے نوجوانوں کو بھی اپنی منزلِ مقصود کا علم نہیں تھا۔ یہ نوجوان مختلف مزاج اور طبائع رکھتے تھے۔ کسی کو کاروبار کا شوق تھا' کوئی سپاہی بننا چاہتا تھا اور کوئی کسی دربار میں مصاحب بننا چاہتا تھا۔ رہ گیا عبداللہ تو وہ اپنے خاندانی پیشے سے وابستہ رہنا چاہتا تھا۔

اس کا قافلہ جہاں بھی ٹھہرتا۔ عبداللہ قافلے سے جدا ہو کر اِدھر اُدھر نکل جاتا اور پاس پڑوس کے قصبے اور گاؤں میں جا کر پوچھتا "یہاں کی آبادی کتنی ہے۔ یہاں کتنے گھر ہیں اور یہاں تیلی کتنے رہتے ہیں؟"

اس قسم کی معلومات کرتا ہوا عبداللہ آذربائیجان کی سرحد تک پہنچ گیا۔ یہاں کے ایک گاؤں میں قافلے نے پڑاؤ کیا۔

Marfat.com

کہنے کو تو وہ ایک گاؤں تھا مگر دیکھنے میں قصبہ معلوم دیتا تھا۔ یہ بڑی اچھی جگہ تھی۔ ہری بھری سر سبز و شاداب زمین۔ لوگ بھی بڑے اچھے نظر آئے' لوگوں سے پوچھا "اس جگہ کا نام کیا ہے؟"

جواب دیا گیا "بلال اباذ۔"

عبداللہ بستی میں نکل گیا۔ چھوٹی چھوٹی دکانیں دیکھیں اور مکانات کا جائزہ لیا۔ یہاں کوئی مستقل بازار نہیں تھا۔ پوچھنے پر پتا چلا کہ ہر روز کہیں نہ کہیں بازار لگ جاتا ہے اور وہاں خریداروں کا ہجوم بھی ہو جاتا ہے۔ ایک ایسے ہی بازار میں عبداللہ خود بھی پہنچ گیا۔ لوگ چٹائیوں' چارپائیوں اور چوکیوں پر سامان رکھ کر فروخت کر رہے تھے اور خریداروں کا ہجوم تھا۔

گاہکوں کا ریلا ادھر سے ادھر رواں دواں تھا۔ معلوم ہوا کہ یہ سارے گاہک صرف اسی گاؤں سے تعلق نہیں رکھتے بلکہ آس پڑوس کے گاؤں اور قصبات کے خریدار بھی یہاں آئے ہوئے ہیں۔ یہ ہجوم انہی کی وجہ سے بڑھ گیا ہے۔

اب اسے کسی تیلی کی تلاش تھی۔ پورے بازار میں تلاش کے باوجود کوئی دکان نہ ملی۔ اسے بڑی خوشی ہوئی۔

اس نے ایک کپڑے کے تاجر سے پوچھا "مجھے تیل درکار ہے۔ وہ کہاں ملے گا؟"

کپڑے کے تاجر نے جواب دیا "یہاں کوئی تیلی نہیں ہے' پڑوس کی بستیوں میں بھی کوئی تیلی نہیں رہتا۔"

عبداللہ کو اس سے بہتر جگہ نہیں مل سکتی تھی۔ وہ شام تک بازار میں گھومتا رہا اور سوچتا رہا کہ اگر وہ یہاں رک جائے تو کہاں رہے اور ٹھہرے تو کہاں ٹھہرے۔

رات قافلے میں بتائی' صبح ہوتے ہی نکل کھڑا ہوا اور اس گاؤں کے گلی گلی' کوچے کوچے میں اپنے لیے ٹھکانا تلاش کرتا رہا۔ وہ لوگوں سے مصافحہ کرتا اور پوچھتا "دوستو! میں پردیسی ہوں۔ اس گاؤں میں رہنا چاہتا ہوں۔ کوئی ٹھکانا مل جائے گا؟"

لوگ حیرت سے اس کی شکل دیکھتے اور جواب دیئے بغیر آگے چلے جاتے۔ ایک بڑے میاں نے اس سے پوچھا "تو یہاں کیوں رکنا چاہتا ہے؟"

عبداللہ نے جواب دیا "مجھ کو یہ جگہ بہت پسند آگئی ہے۔"

بڑے میاں نے مسکرا کر سوال کیا "تجھ کو یہ جگہ کیوں پسند آگئی؟"

عبداللہ نے جواب دیا "یہ جگہ بڑی سرسبز و شاداب ہے۔ یہاں کے لوگ بڑے خوش اخلاق

Marfat.com

ہیں۔"

بڑے میاں نے ہنستے ہوئے کہا "کہیں کسی لڑکی پر عاشق تو نہیں ہو گیا۔ یہاں کے لوگ بد اخلاق بھی ہیں۔ جب تیرے جیسے کسی اجنبی عاشق کو پاتے ہیں تو خوب پٹائی کرتے ہیں۔"

عبداللہ نے جواب دیا "ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

بڑے میاں اس نوجوان میں بڑی دلچسپی لے رہے تھے۔ پوچھا "تو کام کیا کرتا ہے۔ تجھے کوئی ہنر آتا ہے؟"

عبداللہ نے جواب دیا "پیشے کے اعتبار سے تیلی ہوں۔ یہ میرا آبائی پیشہ ہے۔"

بڑے میاں اس جواب سے بڑے خوش ہوئے۔ پوچھا "تیرے گھر کے دوسرے لوگ کہاں ہیں؟"

عبداللہ نے جواب دیا "میں یہاں تنہا ہوں اور روزگار کی تلاش میں گھر سے نکلا ہوں۔"

بڑے میاں اور زیادہ خوش ہوئے اور پوچھا "کیا تو یہ جانتا ہے کہ تجھ کو یہاں سے بہتر دوسری جگہ نہیں ملے گی۔ کیونکہ پورے گاؤں میں ایک بھی تیلی نہیں ہے۔"

اب تو عبداللہ بے حد خوش ہوا اور پوچھا "حضرت! اب ایک بات اور بتا دیں کہ یہاں قرب و جوار کی بستیوں میں کوئی اور تیلی بھی ہے؟"

بڑے میاں نے جواب دیا "نوجوان! اسی لیے تو میں تجھ کو خوش قسمت کہتا ہوں' یہاں دُور دُور تک تیلی نہیں ملے گا۔"

اب عبداللہ نے قطعی یہ فیصلہ کر لیا کہ اس کو اسی بستی میں رہنا ہے۔ بڑے میاں نے پیشکش کی "میں تجھ کو ایک کمرا دے سکتا ہوں۔ گھر میں ہم دو میاں بیوی رہتے ہیں۔ ہماری کوئی اولاد نہیں ہے لیکن تجھ کو کچھ نہ کچھ ہماری بھی کفالت کرنی ہو گی۔"

عبداللہ نے جواب دیا "آپ مجھ کو اپنا بیٹا ہی سمجھیں۔ میں آپ دونوں کا ہمیشہ فرماں بردار رہوں گا۔"

بڑے میاں نے پوچھا "اس وقت تیرا سامان کہاں ہے؟"

عبداللہ نے جواب دیا "پڑاؤ میں۔"

بڑے میاں نے کہا "نیک کام میں دیر کیسی۔ ساتھ چلتے ہیں اور سامان اٹھا لاتے ہیں۔"

بڑے میاں عبداللہ کے ساتھ پڑاؤ پہنچے اور عبداللہ کا سامان اٹھا لیا۔ عبداللہ نے اپنے ساتھیوں کو بتایا "اب میں آگے نہیں جاؤں گا' مجھے یہ جگہ پسند آ گئی ہے۔"

Marfat.com

اس کے دوستوں کو بڑی حیرت ہوئی کہ یہ چھوٹا سا قصبہ نما گاؤں عبداللہ کو کس طرح پسند آگیا' پوچھا "عبداللہ! جب تیرا مدائن جیسے شہر میں کام نہیں چلا تو اس گاؤں میں کس طرح چلے گا؟"

عبداللہ نے کہا "میرا یہاں کام بہت اچھا چلے گا۔ مجھے یقین ہے' میرا دل کہہ رہا ہے۔" اور عبداللہ اپنا سامان لے کر بڑے میاں کے گھر چلا گیا۔

یہ گھر زیادہ بڑا نہیں تھا۔ بڑے میاں نے اَز راہِ مہربانی ایک کمرے کے علاوہ بڑے صحن کا کچھ حصہ بھی اس کے حوالے کر دیا اور کہا "یہاں تو کولہو لگا سکتا ہے۔ اس کا کچھ خرچا تو برداشت کر' کچھ میں برداشت کر لوں گا۔"

دونوں نے مل کے کولہو لگایا اور تیل نکالنے لگے۔ یہ نکلا ہوا تیل بستی میں گھر گھر پہنچنے لگا اور اس گھر کی مالی حالت بہتر ہونے لگی لیکن کچھ ہی دنوں بعد عبداللہ کو محسوس ہوا کہ ایک باپ تو مدائن میں رہ گیا تھا' دوسرا یہاں مل گیا ہے۔ کیونکہ یہ باپ ہی کی طرح حکم چلاتا تھا۔

جب بستی والے تیل لینے کے لیے اس کے گھر میں آنے لگے تو بڑے میاں نے حکم دیا "اس بستی کا کام میں سنبھالتا ہوں۔ اب تو بستی سے باہر نکل اور آس پاس کی بستیوں کو تیل پہنچا۔"

عبداللہ سوچنے لگا کہ اسی وجہ سے تو میں نے اپنا گھر چھوڑا تھا اور وہی کام یہاں میرے ذمے کر دیا گیا لیکن یہاں جو سکون ملا تھا اور جو آسودگی میسر آئی تھی اس کی وجہ سے اس نے یہ ناگوار کام بھی گوارا کر لیا اور قریب کی ایک بستی میں تیل لے کر پہنچ گیا۔ وہاں اس کا تیل ہاتھوں ہاتھ بک گیا۔

اب اس نے اس نئی بستی میں اپنا ایک نمائندہ بٹھا دیا۔ عبداللہ اپنا سارا تیل اس کو پہنچا کے پوری قیمت لے آتا۔ اس طرح دولت کماتا چلا گیا۔ اب اس کا ہر طرف چرچا تھا۔ لوگ کہتے تھے "ایک پردیسی نوجوان آیا اور دیکھتے ہی دیکھتے کہیں سے کہیں پہنچ گیا۔"

آس پاس کی بستیوں میں بھی عبداللہ کا بڑا چرچا تھا۔ چونکہ نوجوان تھا اس لیے لڑکیاں اور عورتیں اس کی طرف متوجہ ہونے لگیں۔

ایک کمہار کی لڑکی نے زیادہ ہمت سے کام لیا اور ایک روز اس کا راستہ روک کر کھڑی ہو گئی۔ پوچھا "یہ تو ہر روز تیل لے کر کہاں جاتا ہے؟"

عبداللہ نے اس لڑکی کو دیکھا اور پہچاننے کی کوشش کی' پوچھا "تو کون ہے؟ میں تجھ کو نہیں جانتا۔"

لڑکی نے اس کو درختوں کے جھنڈ میں بٹھا لیا اور پوچھا "تیرا اس کام کے علاوہ بھی کوئی کام ہے؟"

Marfat.com

عبداللہ نے جواب دیا "نہیں۔ یہی کام اتنا زیادہ ہے کہ شام ہوتے ہوتے میں تھک کر چور ہو جاتا ہوں۔"

لڑکی نے کہا "تب پھر یہ کیوں نہیں کرتا کہ کچھ وقت مجھے دے دیا کر۔"

عبداللہ نے پوچھا "وہ کس طرح؟"

لڑکی نے کہا "تو روز ادھر سے گزرتا ہے اور میں بھی یہیں قریب رہتی ہوں۔ یہاں قریب ہی ایک کنواں ہے۔ اس کنوئیں سے گاؤں کی ساری لڑکیاں پانی بھرنے آیا کرتی ہیں۔ اسی بہانے سے میں بھی یہاں آجاتی ہوں۔ بس ہم دونوں کی یہیں ملاقات ہو جایا کرے گی۔"

چالاک عبداللہ نے لڑکی کو وہیں چھوڑا اور کنواں دیکھنے چلا گیا۔ یہ کنواں یہاں سے کسی قدر ہٹ کے تھا۔ اس وقت بھی چند لڑکیاں پانی بھرنے میں مشغول تھیں' یہ لڑکیاں عبداللہ کو تیلی کی حیثیت سے جانتی تھیں اور روز ادھر سے گزرتے دیکھتی رہتی تھیں۔ ان میں کئی لڑکیاں عبداللہ کو پسند بھی کرتی تھیں مگر شرم کی وجہ سے خاموش تھیں اور بے باکی کی ہمت نہیں رکھتی تھیں۔

اب اس وقت جو عبداللہ کو کنوئیں کے پاس دیکھا تو کسی لڑکی نے پوچھا "کیا پانی پیو گے؟"

عبداللہ نے جواب دیا "ہاں میں پیاسا ہوں پلا دو پانی۔" اور وہ چلو سے پانی پینے لگا۔

کمہار زادی درختوں کے جھنڈ سے یہ سارا منظر دیکھ رہی تھی۔ حسد اور رقابت سے اس کا برا حال ہو گیا۔

پانی پینے کے بعد کسی نے پوچھا "اب پانی پینے کب آؤ گے؟"

عبداللہ نے جواب دیا "کل یا پرسوں کسی روز بھی۔"

لڑکیاں پانی بھر کر چلی گئیں اور عبداللہ ان کے جانے کا انتظار کرتا رہا۔ وہ جاتے جاتے پلٹ پلٹ کر عبداللہ کو دیکھتی رہیں۔

ان کے چلے جانے کے بعد عبداللہ دوبارہ درختوں کے جھنڈ میں پہنچا۔ کمہار زادی اس سے ناراض تھی۔ پوچھا "تو وہاں کنواں دیکھنے گیا تھا یا لڑکیوں سے باتیں کرنے اور پانی پینے۔"

عبداللہ نے جواب دیا "میں وہاں گیا تو تھا کنواں دیکھنے مگر پیاسا تھا' پانی کے لیے پوچھا تو انکار نہیں کر سکا۔"

کمہار زادی نے دکھ سے کہا "میں نے تیری خاطر یہ خطرہ مول لیا اور اس جھنڈ میں آکر بیٹھ گئی۔ شاید یہ میری غلطی تھی۔"

Marfat.com

عبداللہ کی یہ پہلی ملاقات تھی اور کمہار زادی اس کو بہت اچھی لگ رہی تھی۔ وہ اسے ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کی خوشامد کرنے لگا' لڑکی بھی مان گئی اور کہا "آئندہ میں تجھ کو کنوئیں کے پاس نہ دیکھوں۔"

عبداللہ نے کہا "میں کوشش کروں گا کہ آئندہ تجھ کو شکایت کا موقع نہ ملے۔"

لڑکی اور عبداللہ دونوں دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ لڑکی پانی بھرنا بھول گئی اور عبداللہ تیل بیچنا بھول گیا۔

دوسرے دن پھر یہی ہوا۔ اب ان دونوں نے اپنا وقت بدل دیا تھا۔ جس وقت لڑکیاں پانی بھرنے آتی تھیں' عبداللہ اور کمہار زادی اس سے کچھ پہلے آجاتے تھے۔ دونوں درختوں کے جھنڈ میں بیٹھ کر خوش گپیوں میں مصروف ہو جاتے۔ حجاب و لحاظ کم ہوتا چلا گیا۔ بے تکلفی بڑھتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ کمہار زادی نے خود کو عبداللہ کے حوالے کر دیا۔ اب تیل کے کاروبار کے ساتھ یہ مشغلہ بھی جاری ہو گیا۔ لڑکیوں کو حیرت تھی کہ اب عبداللہ ان کو نظر نہیں آتا تھا۔ وہ آپس میں عبداللہ کا ذکر کرتی رہتیں۔

کسی لڑکی نے بتایا "آج کل عبداللہ ہمارے یہاں آنے سے پہلے ہی نکل جاتا ہے۔"

ایک لڑکی نے حیرت سے پوچھا "مگر اس نے یہ وقت بدل کیوں دیا؟"

تیسری لڑکی نے انکشاف کیا "آج کل کمہار زادی بھی لاپتا ہے۔ پہلے ہمارے ساتھ وہ بھی پانی بھرنے آیا کرتی تھی مگر اب بالکل غائب ہو گئی۔" اب لڑکیوں میں عبداللہ کے ساتھ کمہار زادی کا بھی ذکر ہونے لگا۔ انہیں سن گن مل چکی تھی کہ دونوں آپس میں ملتے رہتے ہیں۔ لڑکیوں میں حسد نے گھر کیا اور ان سب نے یہ فیصلہ کیا کہ کچھ بھی ہو؟ اب کمہار زادی کو بھی ان کے ساتھ ہونا چاہیے۔

لڑکیاں کمہار زادی کے گھر پہنچ گئیں۔ اس وقت وہ گھر میں موجود نہیں تھی۔ گھر والوں نے بتایا کہ وہ بہت دیر کی نکلی ہوئی ہے۔

لڑکیاں دوبارہ کنوئیں پر پہنچیں تو دیکھا کہ کمہار زادی پانی بھر رہی ہے لیکن وہ لڑکیوں سے آنکھیں نہیں ملا رہی تھی۔

اب لڑکیوں نے دوسرا منصوبہ بنایا اور کمہار زادی کو اس طرح نظر انداز کیا جیسے انہیں کسی بات کا علم ہی نہ ہو۔

ایک دن ذرا پہلے لڑکیاں گھروں سے نکلیں اور عبداللہ کو سر راہ پکڑ لیا' پوچھا "آج کل تجھ کو پیاس

Marfat.com

نہیں لگ رہی؟"

عبداللہ نے جواب دیا "پیاس کس کو نہیں لگتی۔ مجھے بھی لگتی ہے۔"

ایک شوخ و شریر لڑکی نے کہا "تب پھر ہمارے ساتھ کنوئیں پر چل۔ تجھ کو میٹھا میٹھا' ٹھنڈا ٹھنڈا پانی پلائیں گے۔"

عبداللہ ان کے ساتھ کنوئیں پر چلا گیا اور چلو سے پانی پینے لگا۔

درختوں کے جھنڈ سے کمہار زادی یہ منظر دیکھ رہی تھی اور دل ہی دل میں ان سب کو برا بھلا کہہ رہی تھی۔

ایک لڑکی نے عبداللہ سے پوچھا "آج کل اپنی کمہار زادی نظر نہیں آتی' کچھ تجھ کو پتا ہے؟"

عبداللہ نے جواب دیا "کون کمہار زادی؟ میں کسی کمہار زادی کو نہیں جانتا۔"

اس روز لڑکیوں نے کچھ ایسا گھیرا تنگ کیا کہ عبداللہ درختوں کے جھنڈ میں کمہار زادی کے پاس نہیں جا سکا۔ وہ تیل لے کر سیدھا پڑوس کی بستی میں چلا گیا۔ اب عبداللہ محتاط ہو گیا تھا۔ کمہار زادی ہر روز درختوں کے جھنڈ میں بیٹھ کر اس کا انتظار کرتی رہتی۔

آخر ایک لمبا چکر کاٹ کے عبداللہ درختوں کے جھنڈ میں پہنچا تو کمہار زادی اس سے ناراض ہو گئی۔

عبداللہ نے عذر پیش کیا اور کہا "ان حالات میں' میں کس طرح یہاں آ سکتا تھا۔"

کمہار زادی نے کہا "میں یہ سب کچھ نہیں جانتی' تجھ کو یہاں ہر حال میں آنا تھا۔"

عبداللہ نے سمجھانے کی کوشش کی "تو ذرا سمجھ داری سے کام لے' میں ایک پردیسی ہوں۔ ایک بڑھیا اور ایک بڈھا میرے سرپرست ہیں۔ وقت پڑنے پر یہ میرا صحیح طور پر ساتھ نہیں دے سکیں گے اور تو لڑکی ہے' اگر بدنام ہو گئی تو معاشرے میں شکل تک نہیں دکھا سکے گی۔"

کمہار زادی نے کہا "یہ کیا بات ہوئی کہ بستی کی لڑکیاں دھڑلے سے تجھ سے باتیں کریں' تجھ کو پانی پلائیں' تجھ کو روکے رکھیں اور میں یہ سب کچھ دور سے دیکھتی رہوں۔ ایسا نہیں ہو گا۔"

عبداللہ نے رائے دی "اچھا پھر ایسا کرتے ہیں کہ وقت بدل دیتے ہیں۔ اب میں صبح سب کے سامنے یہاں سے گزر جایا کروں گا اور تو بھی بستی کی لڑکیوں کے ساتھ معمول کے مطابق پانی بھرنے آتی جاتی رہے گی۔ میں شام کو واپسی میں تجھ سے مل لیا کروں گا۔ درختوں کے اسی جھنڈ میں۔"

دوسرے دن سے اس منصوبے پر عمل شروع ہو گیا۔ وہ صبح جب تیل لے کر گزرتا تو لڑکیوں سے

Marfat.com

اس کی ملاقات کنوئیں پر ہوتی۔ کچھ باتیں ہوتیں' پانی پیتا اور چلا جاتا مگر شام کو واپس ہوتا تو نہایت پراسرار طور پر درختوں کے جھنڈ میں چھپ کر بیٹھ جاتا۔ یہ دونوں کی ملاقات کا بہترین گوشہ تھا۔ نیچے بہترین بانات کا فرش بچھا ہوا تھا اور گھنیرے درختوں نے چاروں طرف سے پردہ داری کر رکھی تھی۔

عبداللہ نے کمہار زادی سے پوچھا "یہ جو تو روزانہ چھپ چھپا کے یہاں آجاتی ہے تو تجھ کو ڈر نہیں لگتا کہ اگر کسی دن ہم دونوں پکڑے گئے تو ہمارا حشر کیا ہوگا؟"

کمہار زادی نے جواب دیا "جب ہم نے محبت کی ہے تو پھر ڈر کس بات کا۔ میں موت تک سے نہیں ڈرتی۔"

عبداللہ نے کہا "لیکن میں موت سے ڈرتا ہوں۔ کیونکہ میں یہاں تنہا ہوں۔ میرا پورا خاندان مدائن میں ہے۔"

کمہار زادی نے آنکھیں بند کرلیں اور کہا "ان خوشگوار لمحات کو ان فضول باتوں میں تو نہ گنوایا جائے۔"

عبداللہ نے ایک مشورہ اور دیا "اب ہمیں ہر روز نہیں ملنا چاہیے۔ درمیان میں دو چار دن کا ناغہ بھی ہونا چاہیے۔"

کمہار زادی اداس ہوگئی' کہنے لگی "یقیناً تیرا دل مجھ سے بھرتا جارہا ہے اور اب تیرے دل میں میرے لیے وہ پہلی جیسی محبت اور تڑپ نہیں رہی۔"

عبداللہ نے اس کی خوشامد شروع کردی اور روٹھی کمہار زادی کو منانے لگا۔ اس روز دونوں میں کسی قدر کھنچاؤ رہا۔ درمیان میں ایک قسم کا تکلف حائل ہوگیا اور اس حال میں جب وہ دونوں جدا ہوئے تو عبداللہ نے کہا "اب میں تجھ سے دو دن بعد ملوں گا۔"

کمہار زادی نے پوچھا "وہ کیوں؟"

عبداللہ نے جواب دیا "اب میں یہ محسوس کررہا ہوں کہ ہماری نگرانی کی جارہی ہے۔"

کمہار زادی نے تنک مزاجی سے پوچھا "ہماری کون نگرانی کررہا ہے؟"

عبداللہ نے جواب دیا "یہی لڑکیاں جو کنوئیں پر تیرے ساتھ پانی بھرتی ہیں۔"

کمہار زادی نے اکڑ کر جواب دیا "میں نہیں ڈرتی' میں کسی سے نہیں ڈرتی۔"

عبداللہ واقعی خوف زدہ تھا۔ کہنے لگا "تو نہیں ڈرتی لیکن میں تو ڈرتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ پانی بھرنے والی لڑکیاں ہماری جستجو میں ہیں۔"

بابک خرمی

Marfat.com

لڑکیاں واقعی دونوں کی جستجو میں تھیں۔ انہیں اس جگہ کی تلاش تھی جہاں دونوں مل بیٹھتے تھے اور رنگ رلیاں مناتے تھے۔ ہفتہ دس دن کی کوششوں کے بعد ایک لڑکی نے یہ جگہ دیکھ لی اور وہ بھی محض اتفاقیہ۔ اس نے شام سے کچھ پہلے کمہار زادی کو تیز تیز قدموں سے درختوں کے جھنڈ کی طرف جاتے دیکھا جہاں وہ غائب ہو گئی۔

یہ لڑکی اس جھنڈ سے دور درخت کے سائے میں بیٹھ گئی اور کمہار زادی کے نکلنے کا انتظار کرنے لگی۔

کافی دیر بعد کمہار زادی درختوں کے جھنڈ سے نکلی۔ کپڑے درست کیے۔ بالوں کو ٹھیک کیا اور ادھر ادھر دیکھ کر اپنے گھر چلی گئی۔ اس کے ذرا دیر بعد ہی اسی جگہ سے عبداللہ تیلی نمودار ہوا اور وہ اپنی راہ چلا گیا۔

اب بات صاف ہو چکی تھی۔ اس نے اس کا چرچا بستی کی دوسری لڑکیوں سے کر دیا پھر سب نے مل کر یہ فیصلہ کیا کہ دونوں کو رنگے ہاتھوں پکڑا جائے۔

دوسرے دن وقت سے بہت پہلے ساری لڑکیاں ایک جگہ چھپ کر بیٹھ گئیں اور شام سے کافی دیر پہلے انہوں نے عبداللہ تیلی کو اسی جھنڈ میں داخل ہوتے دیکھا اور کچھ دیر بعد کمہار زادی بھی وہاں پہنچ گئی۔

ان لڑکیوں نے دونوں کو کچھ وقت دیا اور پھر سب چھاپا مارنے پہنچ گئیں۔ جب وہ سب درختوں کے جھنڈ میں داخل ہوئیں۔ اس وقت وہ دونوں ناشائستہ اور ناگفتہ بہ حالت میں تھے۔ ایک طاقت ور لڑکی نے آگے بڑھ کر کمہار زادی کے بال پکڑ لیے۔

عبداللہ تیلی نے راہ فرار اختیار کی۔ اب ساری لڑکیاں کمہار زادی کو برا بھلا کہہ رہی تھیں۔ جس نے کمہار زادی کے بال پکڑ رکھے تھے وہ اس کو اسی حالت میں کھینچتے ہوئے بستی میں لے گئی اور اس کے کرتوتوں سے سب کو آگاہ کر دیا۔

کمہار کو اپنی بیٹی پر غصہ تو بہت آیا مگر آدمی سمجھ دار تھا سیدھا عبداللہ تیلی کے گھر پہنچ گیا۔

اس عرصے میں عبداللہ نے سارا واقعہ اپنے بزرگ کو بتا دیا تھا۔ چنانچہ جب کمہار زادی کا باپ وہاں پہنچا تو بزرگ نے سیدھی سادی شادی کی تجویز سامنے رکھ دی اور کہا "جو کچھ ہونا تھا وہ ہو گیا' اب میں تیری بیٹی کو اپنی بہو بنانے کو تیار ہوں۔"

اس طرح یہ جھگڑا یہیں پر ختم ہو گیا۔ دونوں کی شادی کر دی گئی۔

بابک خرمی

Marfat.com

شادی کے ایک سال بعد گھر میں ایک بیٹا پیدا ہوا اور اس بیٹے کا نام عبداللہ نے بابک رکھ دیا۔ یہ عجیب و غریب نام کس طرح اس کے دماغ میں آیا وہ خود بھی اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا تھا۔

بابک کی پیدائش کے بعد عبداللہ میں ذہنی تبدیلیاں پیدا ہونی شروع ہو گئیں۔ اب اسے اپنا آبائی پیشہ برا لگنے لگا تھا۔ اس نے اپنے محسن بزرگ سے اس کا ذکر کیا اور پوچھا "اگر میں یہ کام ذاتی حد تک ترک کر دوں تو کیا آپ اپنے طور پر اس کو چلا لیں گے۔"

بزرگ نے جواب دیا "بالکل چلا لوں گا مگر یہ تو اپنا آبائی پیشہ کیوں ترک کر رہا ہے؟"

عبداللہ نے کہا "اب میرا ایک بیٹا ہے' میں اپنے بیٹے کو یہ کام نہیں سکھانا چاہتا۔"

بزرگ نے پوچھا "آخر کیوں؟"

عبداللہ نے جواب دیا "جناب! یہ دُور تلوار بازی کا ہے' نیزہ زنی کا ہے اور میں سپاہی بن کے اپنے بیٹے کو بھی سپاہی بناؤں گا۔"

بوڑھے کے قبضے میں پورا کاروبار آ رہا تھا۔ اس لیے اس نے عبداللہ کے اس کام کی تائید کی اور کہا "بے شک تجھ کو پیشہ سپہ گری اختیار کرنا چاہیے۔ خدا تیری مدد کرے۔"

اب عبداللہ نے سپہ گری کی ملازمت حاصل کرنے کے لیے ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مارنے شروع کر دیے۔ آخر کار کوہ سبلان کے سردار نے اس کو اپنے دربار میں بلوا لیا۔ وہ اپنی بیوی سے رخصت ہو کر سبلان روانہ ہو گیا۔

کافی عرصے تک عبداللہ کا کوئی پتا نہ چلا۔ اس کی بیوی اب پورے طور پر اپنے بیٹے پر توجہ دینے لگی تھی۔ گھر میں کسی قسم کی معاشی پریشانی نہیں تھی۔ اسی دوران میں اچانک کوہ سبلان سے خبر آئی کہ عبداللہ ایک جنگ میں مارا گیا۔

گھر میں کہرام برپا ہو گیا۔ بیوی کو اس خبر سے جو دکھ پہنچا تھا اس سے قطع نظر دونوں بڑھیا اور بوڑھے اس ہولناک خبر سے اس قدر متاثر اور غم زدہ ہوئے کہ کچھ عرصے بعد اسی غم میں دونوں چل بسے۔ اس طرح گھر کی معیشت بالکل تباہ ہو گئی۔

ستم بالائے ستم یہ کہ کمہار زادی کا باپ بھی چل بسا۔ اب بابک کی ماں کو جس مصیبت کا سامنا تھا کچھ وہ ہی جانتی تھی۔ بدرجہ مجبوری اس نے دایہ گیری کا کام شروع کر دیا اور بابک کی پرورش کرتی رہی۔ یہاں تک کہ بابک دس سال کا ہو گیا۔

اب بابک نے ہوش سنبھالا اور اپنی ماں کو حالت کسمپرسی میں دیکھا تو اس نے فیصلہ کیا کہ وہ بھی

Marfat.com

کوئی کام کرے گا۔

اس زمانے میں بہت زیادہ پیشے نہیں تھے اور جو پیشے تھے ان میں مویشی چرانے کا پیشہ سب سے آسان تھا۔ چنانچہ ماں سے اجازت لے کر وہ چرواہا بن گیا۔ اب ماں کو کچھ کچھ سکون ملا تھا۔ وہ اپنے بیٹے کو بے حد چاہتی تھی۔ بیٹا جس چراگاہ میں مویشی چراتا تھا اس کی ماں وہاں دوپہر کا کھانا لے کر پہنچ جایا کرتی تھی اور کھانا اپنے سامنے بٹھا کر کھلاتی۔

ایک دن دوپہر کو جب وہ کھانا لے کر پہنچی تو دیکھا اس کا بیٹا سویا ہوا ہے۔ اس کے جسم پر سے کپڑا ہٹ گیا ہے اور دل کے پاس سے خون کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔ اس کے علاوہ سر کے مساموں میں سے بھی خون جاری تھا۔ وہ گھبرا گئی کہ میرے بیٹے کو کوئی مہلک بیماری لگ گئی ہے اس نے گھبرا کے بیٹے کو جگا دیا اور بے چینی سے پوچھنے لگی "بیٹے! یہ خون کہاں سے آرہا ہے؟"

بیٹے نے اپنے جسم کے مختلف حصوں کا جائزہ لیا اور حیرت سے پوچھا "خون، کیسا خون؟"

اب جو ماں نے خون رسنے والے حصوں کی طرف دیکھا تو وہاں کچھ بھی نہ تھا۔

ماں کو دھوکا ضرور ہو سکتا تھا اور یہ بھی حقیقت تھی کہ اب خون کا کہیں نام و نشان تک نہ تھا۔

بابک نے حیرت سے پوچھا "ماں! آپ نے یہ خون کہاں دیکھا تھا؟"

ماں نے جواب دیا "تیری پسلیوں کے پاس دل کے قریب اور سر کے بالوں میں ہر بُن مُو سے۔"

یہ معما دیر تک موضوع گفتگو بنا رہا۔ اسی دوران میں کچھ اور باتیں پیش آئیں جو غیر معمولی تھیں اور اس سے یہ نتیجہ نکالا گیا کہ بابک ایک غیر معمولی لڑکا ہے اور یہ دنیا میں کوئی غیر معمولی کارنامہ انجام دے گا۔

آٹھ سال اور گزر گئے۔

قریب کے ایک پہاڑی علاقے میں عمران اور جاویدان نامی دو امیر آپس میں متصادم رہتے تھے۔ دونوں کو ایک ہی علاقے پر دعویٰ تھا مگر ایک عرصے سے یہ مقدمہ جنگ کے ذریعے لڑا جا رہا تھا اور کسی کو بھی کسی پر بالادستی نہیں حاصل ہو رہی تھی۔ اسی دوران بابک کی ماں کو برستاق کے ایک رئیس شبل بن منقی ازدی کے پاس سے پیغام ملا کہ وہ اپنے بیٹے کو امیر کے پاس بھیج سکتی ہے کیونکہ یہ امیر اس کے باپ عبداللہ سے واقف تھا۔

ماں نے بیٹے کو اس امیر کے پاس بھیج دیا۔ یہاں اس کو فن سپہ گری کی تربیت دی گئی۔ یہ امیر بابک کو اپنے محافظ کی حیثیت سے رکھنا چاہتا تھا۔ یہاں فرصت کے اوقات نے بابک کو کئی کام کرنے کا

Marfat.com

عادی بنایا' وہ علم و ہنر کا درس تو نہیں لے سکتا تھا مگر غلاموں سے طنبورہ بجانے کا فن ضرور سیکھ لیا۔ کچھ عرصے بعد بابک یہاں سے اکتا گیا اور تبریز کے رئیس محمد بن رواد اُزدی سے معاملہ شروع کر دیا پھر وہ با آسانی تبریز میں زندگی گزارنے لگا۔ طبیعت میں تلون تھا اس لیے وہاں بھی دو سال سے زائد نہ رہ سکا۔ آخر کار یہاں سے ملازمت چھوڑی اور اپنی ماں کے پاس بلال اباذ چلا گیا۔ اس وقت اس کی عمر اٹھارہ سال تھی۔

آذربائیجان کے پہاڑوں میں ایک قصبہ بذ متنازعہ بنا ہوا تھا۔ یہ وہی متنازعہ جگہ تھی جس پر عمران اور جاویدان کا جھگڑا چل رہا تھا۔ آس پاس کے لوگ ان کے حکم بننا چاہتے تھے مگر دونوں اس پر تیار نہ تھے۔ دونوں میں لڑائیاں موسم گرما میں ہوتی تھیں اور جیسے ہی سردی کا موسم آتا تھا لڑائی بند ہو جاتی تھی۔ لوگ ان لڑائیوں سے تنگ آئے ہوئے تھے۔

جاویدان کے پاس ہزاروں مویشی تھے اور وہ ان مویشیوں کی تجارت کرتا تھا۔ ایک سال کئی ہزار مویشی لے کر نکلا' فروخت کر کے جب وہ واپس آ رہا تھا' تو برف باری شروع ہو گئی تھی۔ اب جاویدان کو ایک معقول ٹھکانے کی تلاش تھی جہاں وہ کچھ عرصہ پناہ لے سکے۔ اتفاق کی بات کہ اس وقت وہ بلال اباذ میں بابک کے گھر کے سامنے کھڑا تھا۔

اس نے پاس پڑوس والوں سے پوچھا "کیا ہمیں یہاں کوئی سر چھپانے کی جگہ مل سکتی ہے؟"

لوگوں نے جواب دیا "بالکل مل سکتی ہے۔ یہ مکان جس کے سامنے اس وقت تو کھڑا ہے' خالی ہے۔ اگر تو چاہے تو یہاں چند ہفتے قیام کر سکتا ہے۔ اس طرح ایک بیوہ اور ایک یتیم کی مدد بھی کر سکتا ہے۔"

جاویدان نے پوچھا "وہ لوگ کہاں ملیں گے؟"

لوگوں نے اسی وقت رابطہ قائم کروا دیا اور بات بن گئی۔ جاویدان کو یہ گھر دے دیا گیا اور وہ کسی دھڑکے اور ڈر کے بغیر یہاں رہنے لگا۔ یہاں کسی کسی وقت بابک بھی اس کے پاس پہنچ جاتا تھا۔

بابک کی ماں نے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ جاویدان کسی قدر معقول آدمی ہے اور اس سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ اس نے اپنے بیٹے سے کہا "بیٹے! اس شخص کو خدا نے ہمارے پاس بھیجا ہے۔ اس لیے اس کی خدمت کر اور اپنا زیادہ وقت اس کے پاس گزارا کر۔ میں خود بھی اس کے لیے کھانا وغیرہ تیار کر دیا کروں گی۔"

اب دونوں ماں بیٹے جاویدان کی خدمت گزاری میں لگ گئے۔ جاویدان بھی دونوں سے خوش تھا۔

Marfat.com

یہاں تک کہ جب اسے فرصت ہوتی تو دونوں سے مزے مزے کی باتیں کیا کرتا۔

اسی طرح کچھ عرصہ گزر گیا۔ موسم سرما بھی قریب قریب رخصت ہو چکا تھا اور برف باری کا سلسلہ بھی موقوف ہو رہا تھا۔ اب جاویدان واپس جا سکتا تھا۔ اس نے اپنے فیصلے سے بابک کی ماں کو مطلع کیا۔ مکان کا جتنا کرایہ بنتا تھا سب بے باق کر دیا اور بابک کی ماں سے کہا "تم دونوں نے میری جتنی خدمت کی ہے' میں اس کے لیے شکر گزار ہوں اور چاہتا ہوں کہ تیری کچھ مدد کروں۔"

بابک کی ماں نے جاویدان کا شکریہ ادا کیا اور کہا "آپ میرے ساتھ جو بھی کریں گے میں اس کی مستحق ہوں۔"

جاویدان نے کہا "تو اپنے بیٹے کو میرے ساتھ بھیج دے۔ میں تجھ کو پچاس درہم ماہانہ بھیج دیا کروں گا اور تیرا بیٹا مجھ سے کچھ نہ کچھ حاصل کر لے گا۔ میں اسے اپنے ساتھ رکھوں گا۔"

بابک کی ماں رضامند ہو گئی اور جاویدان بابک کو لے کر کوہ بذ چلا گیا۔

سردار عمران نے جاویدان کو دھمکی دی "کوہ بذ خالی کر کے کہیں اور چلے جاؤ' یہ علاقہ ہمارا ہے۔"

جاویدان نے جواب میں لکھا "اب یہاں بیک وقت دو سردار نہیں رہ سکتے۔ تم نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں یہ علاقہ خالی کر دوں مگر میں' تجھ کو کوئی حکم نہیں دوں گا۔ پتا نہیں کہ یہ کس کا علاقہ ہے۔ میرا یا تیرا۔ اس مقدمے کا فیصلہ تلوار کرے گی کیونکہ اس فیصلے کے بعد جو جیتے گا وہی اس علاقے کا حقیقی حق دار ہو گا۔"

یہ مختصر سی تحریر گویا اعلان جنگ تھی۔ دونوں طرف تیاریاں ہونے لگیں۔ جاویدان نے بابک سے پوچھا "تو اس جنگ میں میرے لیے کیا کرے گا؟"

بابک نے جواب دیا "میں آپ کا احسان مند ہوں۔ اس لیے آپ پر اپنی جان قربان کر دوں گا۔"

جاویدان نے کہا "اپنی جان قربان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں تجھ سے کوئی بڑا کام لینا چاہتا ہوں۔"

دونوں سرداروں میں جنگ ہوئی اور بہت بھیانک ہوئی۔ اس جنگ میں سردار عمران قتل کر دیا گیا۔ وہاں کی ساری املاک اور سارا علاقہ اب جاویدان کے قبضے میں تھا۔

جاویدان نے اتنے پیچیدہ اور پرانے مسئلے کو یوں حل ہوتے دیکھا تو بے حد خوش ہوا اور اسے بابک کی خوش قسمتی قرار دیا۔ اس خوش قسمتی کا ذکر ہر جگہ کرتا رہتا تھا۔ یہاں تک کہ محل کے اندر اپنی

Marfat.com

بیوی سے بھی بابک کا ذکر کیا۔ بیوی نے کسی موقعے پر بابک کی ایک جھلک دیکھ لی تھی اور اس کو یہ نوجوان بہت اچھا لگا تھا۔ اب جو شوہر نے اس کا ذکر کیا تو مزید ملنے کا اشتیاق ہوا۔

جاوید ان نئے علاقے کے نظم و نسق میں مشغول ہو گیا۔ وہ کئی دن تک محل میں نہیں آسکا۔ اس سے فائدہ اٹھا کے جاوید اُن کی بیوی نے بابک کو اندر بلوالیا۔ اس کو یہ نوجوان بہت اچھا لگا تھا۔ جب دونوں آمنے سامنے بیٹھے تو بابک پر جاوید ان کا خوف غالب آیا' کہنے لگا "جن لوگوں نے مجھے اندر آتے دیکھا ہے وہ یہ خبر جاوید ان کو ضرور پہنچائیں گے اور وہ مجھے فوراً قتل کردے گا۔"

بیوی نے تسلی دی "ایسا نہیں ہوگا۔ تیری کوئی شکایت نہیں کرے گا۔ کیونکہ جن لوگوں نے تجھ کو یہاں تک پہنچایا ہے وہ بے حد قابل اعتماد ہیں۔"

بابک نے پوچھا "آپ نے مجھ کو کس لیے بلوایا ہے؟"

بیوی نے کہا "کیا تو جانتا ہے کہ جاوید ان ایک مہلک مرض میں مبتلا ہو چکا ہے اور وہ صبح شام کا مہمان ہے۔"

بابک کو اس کی باتوں پر یقین نہیں آرہا تھا' کہنے لگا "آج سے پہلے تو کسی نے اس کے اس مرض کا کوئی ذکر نہیں کیا۔"

بیوی نے کہا "مجھ سے زیادہ جاوید ان سے کون واقف ہو سکتا ہے۔ میں نے اس میں موت کے آثار دیکھے ہیں۔"

لیکن بابک کو اس کی کسی بات پر یقین نہیں آرہا تھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ جاوید ان کی بیوی اس سے تعلقات قائم کرنے کے لیے ایسی باتیں کر رہی ہے۔ یہ تعلقات بڑی آسانی سے قائم بھی ہو گئے اور کچھ عرصہ بڑی باقاعدگی سے قائم رہے۔ گویا اس کے باپ عبداللہ کی کہانی یہاں دہرائی جارہی تھی۔

اسی دوران میں جاوید ان واپس آگیا اور اسے اس کے کسی ملازم نے ان تعلقات کے بارے میں بتایا۔ جاوید ان کو اس پر یقین نہیں آیا کیونکہ وہ بابک پر بے حد اعتماد کرتا تھا۔ اس نے بابک سے پوچھا "کیا بات ہے کہ میں تیرے بارے میں کچھ افواہیں سن رہا ہوں۔"

بابک کی جان نکل گئی اور پریشانی پر قابو پاتے ہوئے پوچھا "کس قسم کی افواہیں؟"

جاوید ان کچھ دیر سوچتا رہا پھر جواب دیا "جانے دے' میں تو پریشان ہوں تجھ کو کیوں پریشان کروں؟"

اندر بیوی کے پاس گیا اور اس سے بھی یہی سوال کیا "کیا بات ہے لوگ افواہیں پھیلا رہے ہیں۔

Marfat.com

کیا بابک ایسا ہو سکتا ہے؟"

بیوی نے پوچھا "کس قسم کی افواہیں؟"

جاویدان نے کہا "کوئی کہتا ہے کہ میری عدم موجودگی میں تو بابک سے ملتی جلتی رہی ہے یا یہ کہ بابک یہاں آتا جاتا رہا ہے۔"

بیوی نے اس کی تردید کردی "یہ افواہیں ہمارے دشمن' ہمارے بد خواہ اور حاسد اڑا رہے ہوں گے۔ شاید تو بابک پر زیادہ توجہ دے رہا ہے۔ اس میں کمی کردے۔"

بات رفت گزشت ہو گئی اور بیوی نے اسی وقت یہ فیصلہ کرلیا کہ اس معاملے کو یہیں ختم کردیا جائے۔

وہ رات کچھ زیادہ ہی سنسان اور ویران تھی۔ ہر طرف سناٹا طاری تھا۔ محل میں بھی قبرستان جیسا سکوت طاری تھا۔

بابک اپنے کمرے میں سویا ہوا تھا کہ اسے کسی نے بیدار کردیا۔ یہ جاویدان کی بیوی کی خاص کنیز تھی۔

اس نے نیم وَا آنکھوں سے کنیز کو دیکھا تو گھبرا گیا اور کچھ سنے بغیر ہی کہنے لگا "میں اس وقت کہیں نہیں جاؤں گا' جاویدان کو مجھ پر شبہ ہو گیا ہے۔"

کنیز نے رازداری سے کہا "آپ کو اسی وقت محل کے اندر پہنچنا ہے۔ بیگم صاحبہ یاد فرما رہی ہیں۔"

بابک نے پوچھا "جاویدان کہاں ہے؟"

کنیز نے جواب دیا "اندر محل میں بیگم صاحبہ کے پاس۔"

بابک نے جھرجھری لی اور کہا "کیا تو مجھ کو قتل کروانا چاہتی ہے؟"

کنیز نے کہا "اب دیر نہ کرو۔ اسی وقت اندر پہنچ جاؤ' خوش قسمتی آپ کا انتظار کر رہی ہے۔"

بابک اٹھا اور کنیز کے ساتھ محل کی طرف چل دیا۔ اسے چور دروازے سے اندر لے جایا گیا۔ اندر مدھم روشنی میں جاویدان کی بیوی بابک کا انتظار کر رہی تھی۔ بابک اس کے سامنے جا کھڑا ہوا اور پوچھا "جاویدان کہاں ہے؟"

بیوی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "وہ رہا' جاویدان۔" اور اس نے چادر اوڑھے ہوئے ایک شخص کی طرف اشارہ کردیا۔

Marfat.com

بابک بہت پریشان تھا' پوچھا "کیا جاویدان کی طبیعت خراب ہے اور اس پر غشی طاری ہے۔"
بیوی نے جواب دیا "ہاں غشی طاری ہے' ایسی غشی کہ اس غشی کے بعد کبھی ہوش میں نہیں آئے گا۔"

بابک نے چادر کو چہرے سے ہٹا دیا' ایسا لگا جیسے جاویدان گہری نیند میں پر سکون سویا ہوا ہے۔
بابک نے پوچھا "یہ کب اور کیسے ہو گیا؟"

بیوی نے جواب دیا "کیا میں نے تجھ کو بتا نہیں دیا تھا کہ جاویدان کسی موذی اور مہلک مرض میں مبتلا ہے۔"

آج یہاں جو کچھ نظر آ رہا تھا۔ بابک کے لیے خطرناک بھی تھا اور رسوا کن بھی۔ جاویدان اس پر بے حد اعتماد کرتا تھا مگر آج مرنے والے کی بیوی نے بابک کو سخت ذہنی الجھن میں مبتلا کر دیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ لوگ کیا کہیں گے۔ اسے محسن کش' دغا باز اور فریبی قرار دیں گے۔ جبکہ اس نے ایسا نہیں کیا تھا۔

بیوی نے پوچھا "اب تو کیا سوچ رہا ہے' یہ بیمار تھا۔ چل بسا' ہم میں کوئی بھی اسے نہیں روک سکتا تھا۔"

بابک نے کہا "میں سوچ رہا ہوں کہ اب لوگ مجھے کیا کہیں گے۔ افواہیں پہلے ہی گشت کر رہی تھیں۔ اب مجھے یہاں سے چلا جانا چاہیے۔"

بیوی نے مشورہ دیا "میں تجھ کو کوہ بذ کی حکومت دینا چاہتی ہوں اور تو بھاگنے کی کوشش کر رہا ہے۔"

بابک نے پوچھا "میں یہاں کا حکمران کس طرح بن سکتا ہوں۔ کیا جاویدان کے رفیق' جاں نثار اور وفادار مجھ کو ہلاک نہیں کر دیں گے۔"

بیوی نے کہا "میں جس طرح کہوں تم کرتے رہو۔ جاں نثاروں اور وفاداروں سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں سب کو راضی کر لوں گی۔"

بابک نے کہا "سبھی جانتے ہیں کہ میں جاویدان کا پچاس درہم ماہانہ کا ملازم تھا' ایک حقیر سا غلام۔ لوگ مجھے کس طرح معاف کر دیں گے۔"

بیوی نے کہا "میں تجھ سے شادی کر لوں گی اور اپنی قوم کا تجھ کو سردار بنا دوں گی۔"

بابک اس پر کسی طرح راضی نہیں ہو رہا تھا۔ اسے یہ خوف کھائے جا رہا تھا کہ لوگ اس کی ایک

Marfat.com

نہیں سنیں گے اور ایک ایسے شخص کو اپنا سردار کس طرح تسلیم کرلیں گے جو ان کے آقا اور مالک کا پچاس درہم ماہانہ کا ملازم رہا ہو۔ بیوی نے اس کو سمجھایا "دیکھ! جاویدان کی موت کا ابھی کسی کو علم نہیں ہے۔ میں نے اپنی قوم کے جاہل لوگوں کو اپنے ڈھب پر لانے کی ایک ترکیب سوچی ہے۔"

بابک نے پوچھا "مثلاً کون سی ترکیب؟"

کہنے لگی "میں کل تمام قوم کو جمع کروں گی اور ان سے کہوں گی کہ جاویدان نے اپنی وفات سے پہلے کہا تھا کہ آج رات میں نے مرنے کا قصد کیا ہے لیکن میری روح میرے بدن سے نکلتے ہی بابک کے بدن میں داخل ہو جائے گی اور اس کی روح سے متحد ہو جائے گی۔ میرے بعد بابک ہی میری قوم کا سردار ہو گا۔ وہ جبابرہ کو ہلاک کر کے مزدکیت کو از سر نو عروج بخشے گا اور قوم کے پس ماندہ لوگوں کو آسمانِ عزت پر بٹھائے گا۔"

اس تجویز نے بابک کو باغ باغ کر دیا' کہنے لگا "ہاں اگر یہ تدبیر اختیار کی جائے تو میری کامیابی ممکن ہے۔"

دوسرے دن عورت نے جاویدان کے لشکر کو جمع کیا اور جاویدان کے مرنے کی اطلاع دی۔

فوجی سردار نے پوچھا "لیکن جاویدان نے رحلت سے پہلے ہم کو بلا کر کیوں وصیت نہیں کی؟"

عورت نے جواب دیا "تم لوگ دیہاتوں میں منتشر تھے۔ اگر تم کو طلب کر کے اجتماعِ عام کا انتظام کیا جاتا تو خوف تھا کہ عربوں کی طرف سے کوئی فتنہ اٹھ کھڑا ہو۔ جو کچھ وہ وصیت کر گیا ہے' اس کو سن لو اور پھر میں دیکھوں گی کہ تم اس کی وصیت بجالاتے ہو یا نہیں۔"

لشکر کے سرداروں نے کہا "جب ہم نے جاویدان کی زندگی میں کبھی اس کی مخالفت نہیں کی تو اب اس کے مرنے کے بعد کیوں کریں گے؟"

بیوی نے کہا "جاویدان کل بالکل صحیح سلامت تھا۔ اچانک کہنے لگا کہ میں نے دنیا کو الوداع کہنے کا عزم کر لیا ہے۔ اس لیے آج ہی رات میں اس سرائے فانی سے کوچ کر جاؤں گا لیکن میری روح نکل کر اس نوجوان خادم کے بدن میں داخل ہو جائے گی اور یہی نوجوان اس سرزمین کا مالک ہو گا اور ساتھ ہی مجھے تاکید کی کہ جب میں مر جاؤں تو میری قوم کو اس کی اطلاع کر دینا اور اسے جتا دینا کہ جو شخص میری وصیت سے اعراض کرے گا اور میری عزیز و محبوب خواہش پر اپنی مرضی اور رائے کو ترجیح دے گا' وہ ہمارے دین سے خارج ہو جائے گا۔" ہر طرف سے صدائیں بلند ہوئیں "سمعنا و اطعنا" (ہم نے سنا اور اطاعت کی)

Marfat.com

سرداروں کی گردنیں جھک گئیں اور کہا "ہمیں حسبِ وصیت اس نوجوان کی متابعت منظور ہے۔"

ہر طرف خوشی کا سماں نظر آنے لگا۔ عورت نے کہا "ابھی ٹھہرو' ابھی ایک رسم باقی ہے۔"

عورت کے حکم پر ایک بیل لایا گیا اس کو ذبح کر کے اس کی کھال زمین پر بچھادی گئی اور اس کھال پر شراب سے لبریز ایک طشت رکھ دیا گیا۔ اس کے بعد بہت ساری روٹیاں منگوائی گئیں اور ان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے طشت کے گرد جمع کر دیا گیا اور لوگوں کو حکم دیا گیا کہ ایک ایک آدمی آگے بڑھے کھال پر پاؤں رکھے اور روٹی کا ٹکڑا اٹھا کے شراب میں ڈبوئے اور کھالے' اور کہے "اے بابک کی روح میں تجھ پر اسی طرح ایمان لاتا ہوں جس طرح اس سے پیشتر جاویدان کی روح پر ایمان لایا تھا۔" اس کے بعد بابک کے سامنے حاضر ہوں اور اس کا ہاتھ چوم کر اس کی بیعت کریں۔"

تمام حاضرین نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ اس کے بعد سب کو کھانا کھلایا گیا اور شراب کا دور چلا۔

اب صرف بابک سے نکاح کیے جانے کی رسم باقی تھی۔ عورت نے بابک کو فرش پر اپنے پاس بٹھالیا پھر کچھ دیر بعد اندر گئی۔ بیش قیمت لباس پہنا اور جب دلہن بن کے اندر سے نمودار ہوئی تو اس کے ہاتھ میں ایک گلدستہ تھا۔ یہ گلدستہ بابک کے ہاتھ میں دے دیا گیا اور اعلان ہوا "رسم تزویج ادا ہو گئی" گویا اس طرح رسم نکاح ادا ہو چکی تھی۔

ہر طرف مبارک باد کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ اس سے پہلے بابک اسمعیلی تھا لیکن اب وہ مزدکی بن چکا تھا۔

اب اس کے سامنے بڑے بڑے منصوبے تھے وہ خود بھی ایک نئے مذہب اور ایک فرقے کا بانی بننا چاہتا تھا۔ ایک معمولی انسان غیر معمولی بننے کی کوشش کر رہا تھا۔ ایک عورت نے اس شخص کو زمین سے اٹھا کر آسمان پر بٹھادیا تھا کیونکہ یہاں جیسے جیسے انکشافات ہو رہے تھے بابک کی عقل اسی قدر روشن ہوتی جارہی تھی۔ ایسی روشنی جو تاریکی سے بدتر تھی۔ جس کو نام تو روشنی کا دیا گیا تھا مگر دراصل وہ تاریکی تھی اور اس تاریکی نے کوشش کی کہ وہ روشنی پر کمندیں ڈالے۔

جو کام جاویدان انجام نہیں دے سکا تھا وہ بابک انجام دے رہا تھا۔ اس نے مزدکی کی طرح اعلان کیا "جس طرح ہوا' روشنی' پانی' بارش سب کے لیے عام ہیں اسی طرح دولت' عورت اور دوسری اخلاقی آزادیاں عام کی گئیں۔ وہ تمام اخلاقی قیود جو مذہب نے عائد کر رکھی تھیں میرے پیروؤں کو ان

Marfat.com

سے آزاد کیا گیا۔ تمہاری مائیں، بہنیں، بیٹیاں تم پر حلال کر دی گئی ہیں۔"

وہ اپنے فرقے کو خرمیہ کہتا تھا۔ خرم بہ معنی خوشی، عیش و عشرت اور چونکہ اس نے اپنے ماننے والوں کو عیش و عشرت اور خوشیاں حاصل کرنے کی آزادی دے دی تھی اس لیے اس کے ماننے والے بابکی اور خرمی کہلائے۔

کچھ عرصے تک تو وہ یہ کہتا رہا کہ اس میں جاویدان کی روح حلول کر گئی ہے مگر جیسے جیسے اس کے ماننے والوں کا حلقہ بڑھتا چلا گیا اس کے ارادوں اور خیالات میں تبدیلی آتی گئی۔ یہاں تک کہ اس نے اعلان کر دیا کہ اب اس میں اللہ کی روح حلول کر گئی ہے' وہ جو کچھ کہتا ہے خدا کہتا ہے' وہ جو کچھ کرتا ہے' خدا کرتا ہے۔ اس کا ارادہ خدا کا ارادہ تھا۔ اس کا رحم خدا کا رحم ہے۔ اس کا غضب خدا کا غضب ہے۔ اس کا اقرار خدا کا اقرار ہے۔ اس کا انکار خدا کا انکار ہے۔

اب بابک کے پیروؤں کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہونے لگا۔ مضافات کے تمام علاقے اس کے زیر اثر آ گئے۔ یہاں تک کہ وینم' ہمدان اور اصفہان نے بھی اس کی متابعت اختیار کر لی۔ بغداد میں عباسی خلافت اپنے خرخشوں میں پھنسی ہوئی تھی۔ خلیفہ مامون الرشید کو دو سو ایک ہجری میں اس فتنے سے آگاہ کر دیا گیا تھا مگر خلیفہ نے اس پر کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ جب پے در پے وحشت ناک خبریں بغداد پہنچیں تو معاملہ ہاتھ سے نکلتا نظر آیا۔ اب بابک کے ماننے والوں کی تعداد تین لاکھ سے تجاوز کر گئی تھی۔

خلیفہ مامون الرشید نے آرمینیا اور آذربائیجان کے عامل عیسیٰ بن محمد کو حکم دیا کہ وہ اس فتنہ کو بزور قوت کچل دے لیکن وہ کسی وجہ سے ایسا نہ کر سکا اور زمانہ دو سو نو ہجری میں داخل ہو گیا۔ آخر کار خلیفہ نے عیسیٰ بن محمد کی جگہ علی بن صدقہ کو آرمینیا اور آذربائیجان کا عامل مقرر کر دیا۔ عامل علی بن صدقہ کو لوگ اس کے نام سے بہت کم جانتے تھے۔ وہ زریق کے نام سے مشہور تھا۔

مامون الرشید نے زریق کو بہ تاکید لکھا تھا "میں نے تجھ کو آرمینیا اور آذربائیجان کا عامل اس لیے مقرر کیا ہے کہ تو بابک کا زور توڑ دے۔ اس کی قوم کے لوگوں کو قتل کر اور جو گرفتار ہوں انہیں ہمارے پاس بھیج دے۔ ان اسیروں میں بابک کا ہونا بہت ضروری ہے۔"

زریق نے خود تو بڑے پیمانے پر تیاریاں شروع کر دیں مگر اس کام کے لیے نامی گرامی فوجی سردار ابن جنید کا انتخاب کیا۔ اس کو فوج دے کر حکم دیا کہ وہ بابک کو گرفتار کر کے زریق کے پاس لے آئے۔

چالاک بابک نے اپنے مخبروں اور جاسوسوں کا جال ہر طرف پھیلا دیا تھا۔ چنانچہ زریق کی یہ ساری

Marfat.com

خبر بابک کو پہنچ رہی تھی۔

ابن جنید فوج لے کر آگے بڑھا۔ بابک اس کا منتظر تھا۔ ایک گھاٹی میں داخل ہونے کے بعد ابن جنید کو معلوم ہوا کہ وہ بابک کے گھیرے میں لے لیا گیا ہے۔ جس طرح کوئی مکھی مکڑی کے جالے میں پھنس جائے اسی طرح جنید بھی بابک کے بچھائے ہوئے جال میں پھنس چکا تھا۔ وہ بابک کو گرفتار کرنے گیا تھا مگر خود گرفتار ہو گیا اور اسے بابک کے سامنے پیش کیا گیا۔

بابک نے اس سے پوچھا "ابن جنید' کیا تو مجھے پہچانتا ہے؟"

ابن جنید نے پہلے کبھی بابک کو نہیں دیکھا تھا لیکن اندازے سے اس کو پہچان چکا تھا۔ جواب دیا "اگر میں سمجھنے میں غلطی نہیں کر رہا تو' تو بابک ہے۔"

بابک نے مسکراتے ہوئے کہا "بے شک میرا نام بابک ہے لیکن اس وقت میرے جسم میں جاویدان کی روح بھی موجود ہے۔ اس طرح میں دو روحوں سے ایک ذات بن گیا ہوں۔ جاویدان کے علاوہ مجھ میں خدا کی روح بھی حلول کر چکی ہے اور میرا سب سے بڑا تعارف بھی یہی ہے۔"

ابن جنید نے یہ سب کچھ حیرت اور تعجب سے سنا اور افسوس کرتے ہوئے کہا "توبہ کر۔ ایک لامحدود ذات ایک محدود جسم میں کس طرح منتقل ہو گئی؟"

بابک نے اپنے دین کی تبلیغ کی "تو میرے دین میں داخل ہو جا تاکہ اسلام کی ساری بندشوں اور رکاوٹوں سے نجات حاصل ہو جائے۔"

لیکن ابن جنید اپنا آبائی دین چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوا۔ انہی باتوں کے دوران میں بابک کے کسی پیرو نے بابک کو بتایا "نیچے میدانی علاقے میں ایک سردار کی نہایت حسین لڑکی ولیم بھیجی جا رہی ہے۔ اس سردار کو اندیشہ ہے کہ کہیں آپ اس کی بیٹی کو زبردستی نہ اٹھوا لیں۔"

بابک نے اسی وقت فرمان جاری کیا "اس لڑکی کو میری خدمت میں پیش کیا جائے۔"

ابن جنید کو قید خانے میں ڈلوا دیا گیا اور بابک اپنے محل میں چلا گیا۔

اس وقت محل پسندیدہ اور حسین لڑکیوں اور عورتوں سے بھر چکا تھا' اب اس کی بیوی کو یہ شکایت پیدا ہو گئی تھی کہ بابک اس پر کم توجہ دے رہا ہے۔ بابک کو اس کی اب کوئی خاص پروا نہیں رہی تھی۔ وہ بے شرمی سے بیوی کو جتاتا تھا کہ اب مجھ میں خدا حلول کر چکا ہے اس لیے میں بشریت سے بلند ہو چکا ہوں۔ تجھے میری اس حیثیت سے آگاہ رہنا چاہیے۔"

Marfat.com

یہ خبریں بغداد پہنچیں تو خلیفہ نے زریق کو معزول کردیا اور اس کی جگہ ابراہیم بن لیث کو آرمینیا اور آذربائیجان کا عامل مقرر کیا۔ بابک ان تمام واقعات پر گہری نظر رکھتا تھا۔ اس نے زریق کو دعوت دی "میرے زیر سایہ آجا۔ میں تجھے آرمینیا اور آذربائیجان سے بڑی حکومت بخش دوں گا۔"

جب زریق نے یہ پیشکش قبول نہیں کی تو بابک نے دوسرا مشورہ دیا "اگر تو میری اور مامون کی سیادت پسند نہیں کرتا تب پھر اپنی فوج لے کر آذربائیجان اور موصل کے درمیانی علاقوں پر قابض ہو جا' میں تیری مدد کروں گا۔"

زریق نے اس تجویز کو پسند کیا اور مذکورہ علاقوں پر قابض ہو گیا۔

زریق' بابک میں دلچسپی لے رہا تھا۔ بس بابک کی ایک بات سے اسے اختلاف تھا' وہ کہتا تھا "ایک لامحدود ذات محدود نہیں ہو سکتی۔"

پھر بھی اس نے بابک کو لکھا "میرے پاس اپنے مبلغ بھیج کہ وہ مجھے بتائیں کہ تیرے دین کی اساس کیا ہیں؟"

کچھ دنوں بعد چند مبلغ زریق کے پاس پہنچ گئے اور اس کو سمجھایا "اے زریق سچ بتا خدا نے ہوا کس کے لیے پیدا کی؟"

زریق نے جواب دیا "جانداروں کے لیے؟"

مبلغ نے پوچھا "سورج کی روشنی کس کے لیے پیدا کی گئی؟"

زریق نے جواب دیا "دنیا کے لیے۔ دنیا بھر کے لیے' سب کے لیے۔"

مبلغ بہت خوش تھا۔ نیا سوال کیا "بارش کس کے لیے ہوتی ہے؟"

زریق نے جواب دیا "سب کے لیے۔"

مبلغ نے پوچھا "زمین غلہ اگاتی ہے' درخت پیدا ہوتے ہیں۔ ان میں پھل لگتے ہیں' یہ سب کس کے لیے؟"

زریق نے اقرار کیا "ہم سب کے لیے۔ دنیا بھر کے انسانوں کے لیے۔"

مبلغ نے آخری سوال کیا "زمینوں اور پہاڑوں سے قیمتی پتھر اور سونا چاندی وجود میں آتے ہیں۔ ان پر کسی کا نام لکھا ہوتا ہے' یہ چیزیں کس کے لیے پیدا کی گئی ہیں؟"

زریق کے پاس سارے سوالوں کا ایک ہی جواب تھا "ہم سب کے لیے' دنیا بھر کے انسانوں کے

Marfat.com

لیے۔"

مبلغ نے کہا "تو نے اس کا اقرار نہیں کیا کہ بابک میں خدا کی روح حلول کر گئی ہے لیکن یہ واقعہ ہے اور بابک کی زبان سے خدا خود بولتا ہے۔ اس نے ہمیں پہلی بار یہ بتایا کہ دنیا کی کوئی چیز کسی خاص خاندان یا کسی خاص شخص کی ملکیت نہیں ہو سکتی۔ دولت و املاک' مال و زر۔ عورتیں اور مرد کسی ایک یا چند لوگوں کے قبضہ و اختیار میں نہیں ہونے چاہئیں۔ عورتوں کو عام کر دو۔ ذاتی ملکیت کے تصور کو نیست و نابود کر دو۔ دنیا کے مذاہب نے اخلاقیات کے نام پر جو پابندیاں لگا رکھی ہیں انہیں بابک نے یکسر ختم کر دیا۔ عورت صرف عورت ہے۔ اس کے دس نام رکھ کے اس کی شناخت کو ختم نہ کرو۔ یہ ماں' بہنیں' بیٹی' بیوی' نانی' بھتیجی کچھ بھی نہیں۔ عورت صرف عورت ہے۔ کیا تم دیکھتے نہیں کہ خود غرض اور چالاک انسانوں نے دولت اور وسائل پر کس طرح قبضہ کر رکھا ہے اور وہ اس کوشش میں کتنے پاگل اور دیوانے ہوئے جا رہے ہیں۔ اس دور میں ہر کوئی اپنے ساتھی کو پیچھے چھوڑ دینا چاہتا ہے۔ تم سوچو اگر ذاتی ملکیت کے تصور کو ختم کر دیا جائے تو دنیا کی اور دنیا کے انسانوں کی آدھی سے زیادہ مصیبتیں کم ہو جائیں گی۔ بابک کی یہی بنیادی تعلیمات ہیں۔"

زریق کا سر گھوم گیا اور چکر آ رہا تھا۔ اس نے عباسی خلیفہ' امرا' تاجروں اور سوداگروں کو ذہن میں رکھ کر سوچا۔ یہ سارے چالاک اور عیار غاصب ہیں ان سب نے اپنے سے کمزور' بے بس و مظلوم انسانوں کے حقوق غصب کر رکھے ہیں۔

مبلغ بہت خوش تھے کہ ان کا جادو چل چکا تھا۔

زریق نے مبلغین کا شکریہ ادا کیا اور کہا "تمہاری باتیں دل میں اترتی چلی گئیں مگر جو دین ہمیں ورثے میں ملا ہے اور جس نے ہمارے دل و دماغ میں اپنی جڑیں پھیلا رکھی ہیں ہم اسے اتنی آسانی سے نہیں چھوڑ سکتے۔ ہمیں اس کے لیے کچھ وقت درکار ہو گا۔"

مبلغین نے جواب دیا "ہمیں بھی جلدی نہیں ہے۔ اگر ہماری باتوں میں سچائی ہے تو وہ تیرے دل کو' تیرے دماغ کو مسخر کر لیں گی۔"

مبلغین واپس چلے گئے۔ زریق میں اتنا حوصلہ پیدا ہو گیا تھا کہ موصل پر بھی چڑھائی کر دی۔ اس جنگ میں سید بن انس عامل موصل مارا گیا اور موصل پر زریق کا قبضہ ہو گیا۔ یہاں سے بغداد زیادہ دور نہیں تھا۔ قصر خلافت میں ہلچل مچ گئی۔ مامون نے جس زریق کو نالائق و نااہل سمجھا تھا اب وہی قصر

Marfat.com

خلافت کی طرف بڑھا آرہا تھا۔

اب مامون کے سامنے محمد طوسی نامی نہایت مدبر اور شجاع ایک شخص موجود تھا۔ عساکر کی کمان اس کے ہاتھ میں دے دی گئی اور حکم دیا گیا کہ زریق کو موصل اور دوسرے قابض علاقوں سے بے دخل کردیا جائے اور بابک کے خلاف فیصلہ کن کارروائی کی جائے۔

محمد طوسی نے زریق کے خلاف طوفانی یلغار کی اور اسے موصل سے آذربائیجان تک دھکیلتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ زریق تاریخ کے پس منظر میں چلا گیا۔ اب محمد طوسی بابک کی طرف بڑھا۔ بابک نے اس کو آگے بڑھنے کا موقع دیا اور خود ایک درہ میں چھپ کر بیٹھ گیا۔

محمد طوسی بابک کی مورچہ بندی سے لاعلم اور غافل آگے بڑھا چلا گیا۔ جب مسلمان پہاڑی راستوں میں آگے نکل گئے، تو پیچھے سے بابک نے حملہ کردیا اور مسلمانوں کی واپسی کے سارے راستے بند کردیے۔ اس جنگ میں محمد طوسی مارا گیا۔

جب یہ افسوس ناک خبر بغداد پہنچی تو خلیفہ مامون الرشید آگ بگولہ ہوگیا۔ مشیروں اور وزیروں سے مشورہ کیا کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ ابھی کوئی فیصلہ نہیں ہوسکا تھا کہ خلیفہ مامون الرشید کو قید حیات سے رہائی مل گئی اور اس کی جگہ اس کا ان پڑھ بھائی معتصم باللہ خلیفہ بن گیا۔ یہ سخت مزاج تند خو شخص اپنے سارے معاملات جنگ کے ذریعے حل کرنا چاہتا تھا۔ یہ دوران ولی عہدی سے بابک خرمی کی داستان سرکشی سنتا چلا آرہا تھا اور اسے دکھ تھا کہ عساکر خلافت آخر اس پر قابو کیوں نہیں پاتے۔ اس نے دو سو اٹھارہ ہجری میں ابو سعید محمد بن یوسف کو اس مہم پر مامور کردیا۔

بابک نے اپنے آس پاس کے پہاڑی قلعوں کو تڑوا دیا تھا تاکہ خلافت کی فوجیں ان میں بیٹھ کر بابک کے خلاف کارروائی نہ کرسکیں۔

چنانچہ ابو سعید محمد بن یوسف نے سب سے پہلے ان ٹوٹے پھوٹے قلعوں کی تعمیر کا کام شروع کیا اور فوج کے بڑے حصے کو ان راستوں پر بٹھا دیا جہاں سے بابک اس تعمیراتی کام میں رخنے ڈال سکتا تھا۔

ابو سعید محمد بن یوسف اپنا کام کررہا تھا کہ اس پر بابک کے ایک فوجی دستے نے شب خون مارا اور اس کا سامان لوٹ کے چلتے بنے۔ ابو سعید محمد بن یوسف نے انہیں بھاگنے نہیں دیا۔ ان کا دور تک پیچھا کیا اور ان کو محاصرے میں لے کر بیشتر کا صفایا کردیا۔ باقی گرفتار کرلیے گئے۔ لوٹا ہوا سامان واپس مل گیا اور مقتولوں کے سر کاٹ کے ساتھ لے لیے گئے پھر ان سروں کو معتصم باللہ کی طرف روانہ کردیا گیا۔

Marfat.com

معتصم باللہ نے ان سروں کو دیکھا تو بہت خوش ہوا۔ ان سروں کے بعد ہی وہ قیدی بھی خلیفہ کے سامنے پیش کیے گئے جنہیں ابو سعید محمد بن یوسف نے گرفتار کیا تھا۔

دوسری طرف بابک خرمی کو اپنے آدمیوں کی ہلاکت اور گرفتاری کا بڑا دکھ ہوا۔ اس نے انتقامی کارروائی کے لیے ایک فوجی سردار محمد بن بعیث کو نامزد کیا۔ یہ شخص آذربائیجان کے قلعے میں فوج لیے پڑا ہوا تھا اور یہاں سے بابک کے لیے سامان رسد فراہم کیا کرتا تھا۔

کسی طرح ابو سعید محمد بن یوسف کو خبر مل گئی کہ اب آذربائیجان کے قلعے سے اس کے خلاف کارروائی ہونے والی ہے مگر یہ بالکل اتفاقی بات تھی کہ محمد بن بعیث جو ابھی تک بابک کے دباؤ میں اس کی خدمت انجام دے رہا تھا' ابو سعید محمد بن یوسف کے پاس پہنچ جانے سے وہ بابک کے خلاف ہو گیا اور ابو سعید کو پیغام بھیجا کہ تو میرے خلاف کوئی کارروائی مت کر۔ میں خلیفہ کا آدمی ہوں اور عن قریب اس کا ایک ثبوت بھی پیش کروں گا۔"

اسی دوران میں بابک کا ایک سپہ سالار عصمت' محمد بن بعیث کے قلعے کے پاس سے گزرا۔ اس سپہ سالار کی صاحبِ قلعہ نے دعوت کردی اور رات کو اپنا مہمان بنالیا۔ اس سپہ سالار کے ساتھ سپاہی بھی تھے۔ ان سب کو نہایت عزت و احترام سے قلعے میں ٹھہرایا گیا اور جب یہ لوگ کھا پی کے سو گئے تو عصمت کے علاوہ سبھی کو قتل کردیا گیا اور عصمت کو گرفتار کرکے خلیفہ کے پاس بھیج دیا گیا۔

یہ مسلمانوں کی دوسری کامیابی تھی۔ خلیفہ نے عصمت سے بہت زیادہ معلومات حاصل کیں۔ بظاہر عصمت نے اپنے پرانے عقائد سے توبہ کرلی تھی اور خلیفہ کو بابک کے بارے میں غیر معمولی اطلاعات فراہم کردیں اور اپنی جاں بخشی کا جواز فراہم کرلیا تھا مگر خلیفہ نے اس کو نہیں چھوڑا اور ایک نئے فوجی سپہ سالار افشین حیدر کو اس مہم پر مامور کردیا۔ افشین حیدر خلافت عباسیہ کا نہایت نامور سپہ سالار تھا۔ آذربائیجان کا وہ سارا علاقہ جو الجبال کہلاتا تھا افشین حیدر کے حوالے کردیا گیا۔ حکم دیا گیا اور بطور خاص ہدایت کی گئی کہ جس طرح بھی ممکن ہو بابک خرمی پر قابو پایا جائے۔ اس کا زور توڑ دیا جائے۔

افشین حیدر الجبال پہنچا اور نہایت ہوشیاری سے اپنے کام کا آغاز کردیا۔ اس نے اپنے کچھ آدمی اس کام پر مامور کردیے تھے کہ بابک کے آدمی جہاں بھی ملیں ان سے عزت سے پیش آیا جائے۔ ان کی خاطر تواضع کی جائے اور انہیں اس کی خدمت میں پیش کیا جائے۔

بابک خرمی

Marfat.com

ایسے کئی آدمی ملے۔ یہ چند آدمی افشین حیدر کی فوج میں جاسوس بن کر آئے تھے۔ انہیں گرفتار کرلیا گیا مگر ان کے ساتھ سلوک دوستانہ کیا گیا۔ انہیں افشین حیدر کے سامنے پیش کیا گیا تو افشین حیدر نے ان سے پوچھا "تم یہ خطرناک کام بابک خرمی کے لیے کیوں انجام دیتے ہو؟"

یہ کئی جاسوس تھے۔ ایک نے جواب دیا "بابک میں خدا کی روح حلول کر گئی ہے اس لیے وہ عدل و مساوات کی بات کرتا ہے اور یہ عدل و مساوات ہمیں کہیں اور نہیں ملتا۔"

افشین حیدر نے ان کو سمجھایا "تم لوگ جس عدل و مساوات کی بات کرتے ہو وہ کم از کم بابک کے ہاں ہرگز نہیں ملے گا۔ اس نے تم کو بد اخلاقی اور فحش کاری پر لگا رکھا ہے۔ اگر تم مساوات کی بات کرتے ہو تو کیا تمہاری رسائی بابک کے حرم تک ہو سکتی ہے۔ کیا تم بابک سے اس کی پسندیدہ عورت کو حاصل کر سکتے ہو۔ وہ جس ذاتی ملکیت کی مذمت کرتا ہے اسی تصور ذاتی ملکیت سے بہت سی عورتوں کا مالک بنا بیٹھا ہے۔ مال و دولت اور قبضہ و اختیار میں وہ سب سے آگے ہے۔ کیا تم بتا سکتے ہو کہ تمہیں تمہاری جاسوسی کا کیا صلہ ملتا ہے؟"

جاسوسوں نے اقرار کیا "ہم اپنی جاسوسی کا بہت معمولی صلہ پاتے ہیں۔"

افشین حیدر نے کہا "جس ماحول کو بابک آزاد ماحول کہتا ہے' وہ نہایت تنگ' محدود اور گھٹیا ماحول ہے۔ آزاد ماحول ہمارا ہے کہ یہاں جتنا کام کرو گے اس کا اتنا ہی معاوضہ ملے گا مگر انعام و اکرام اس کے علاوہ ہوتا ہے۔"

اس کے بعد افشین حیدر نے ان سب کو نواز دیا اور کہا "اب تک تم جو بابک کے لیے کرتے تھے اب میرے لیے کرو گے۔ میں تمہیں مالا مال کر دوں گا۔ تم خود یہ کام کرو اور اپنے جیسے دوسروں کو میرے پاس لاؤ۔ میں ان کی بھی اسی طرح سے خدمت کروں گا۔"

افشین حیدر کی یہ تربیت کارگر ثابت ہوئی اور اس طرح اس نے بابک کے بہت سے آدمی توڑ دیئے۔

○✶○

بغداد سے افشین حیدر کے لیے کمک روانہ کی گئی مگر بابک نے کمک افشین حیدر تک نہیں پہنچنے دی اور راستے میں ہی قتل و غارت گری کے ذریعے اس کو منتشر کر دیا لیکن معتصم باللہ دھن کا پکا اور بڑا ضدی انسان تھا۔ اس نے یہ سلسلہ جاری رکھا اور کئی بار کی ناکامی اور حزیمتوں کے بعد جعفر خیاط کی

Marfat.com

سرکردگی میں ایک بڑی کمک روانہ کی اور اس کے ساتھ مصارفِ جنگ کے لیے تیس لاکھ درہم بھی روانہ کیے۔

اس کمک اور رقم نے افشین حیدر کو بہت مضبوط اور جری کردیا تھا۔ اب وہ مطمئن اور پرسکون ہونے کی وجہ سے نئے نئے منصوبے بنا سکتا تھا۔ اسے جعفر خیاط جیسا مخلص، بہادر اور رضاکارانہ مزاج کا حامل ایک ساتھی میسر آگیا تھا۔ دونوں میں مشورے ہوئے۔ جعفر نے کہا "جب تک ہم بابک کو گھیر گھار کے کسی ایک جگہ پر نہیں لے آتے ہم اسے پریشان اور فکرمند نہیں کرسکتے۔"

یہ بات افشین حیدر کی بھی سمجھ میں آرہی تھی۔ اب ان دونوں نے پوری قوت سے کوہ بذ کی تسخیر کا فیصلہ کرلیا۔ اس کی ناکہ بندی کی تدبیریں ہونے لگیں۔ اب بابک کو خبر ملی کہ خلافت عباسیہ کے عساکر کی پوری توجہ اس کے ذاتی قلعہ بذ کی طرف مبذول ہوگئی ہے۔ اس نے اس کو بچانے کے لیے اپنی تمام فوجی قوت کو ایک جگہ جمع ہوجانے کا حکم دیا۔ اس طرح اس کے وہ تمام دستے سمٹنے لگے۔ جو ابھی تک ادھر ادھر چھاپے مارتے پھر رہے تھے اور بغدادی کمک کو افشین حیدر تک نہیں پہنچنے دے رہے تھے۔

افشین حیدر نے بذ تک پہنچنے کا راستہ معلوم کیا تو پتا چلا کہ ایک میدان ہے۔ جہاں سے تین مختلف پہاڑیوں کے راستے اوپر جاتے ہیں اور ان تینوں پہاڑیوں کا تعلق اوپر جاکر ایک ہوجاتا ہے۔ یہاں بذ کا قلعہ واقع تھا۔ اس طرح بابک اگر چاہتا تو تین پہاڑی راستوں سے افشین پر حملہ آور ہوسکتا تھا۔

افشین اور جعفر خیاط اس مخصوص اور بے حد اہم میدان کا جائزہ لینے پہنچ گئے۔ اس موقعے پر ان کے ساتھ بابک کے وہ چند جاسوس بھی ہوتے تھے جنہیں افشین نے انعام واکرام دے کر خرید لیا تھا۔

افشین حیدر نے ان جاسوسوں سے پوچھا "اب تم لوگ یہ بتاؤ کہ اوپر جانے والے تین راستوں میں سے سب سے اہم راستہ کون سا ہے؟"

ان سب نے ان تینوں راستوں کے بارے میں الگ الگ تفصیلات بتائیں۔ ایک راستے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "یہ راستہ اوپر جاتا ہے مگر کئی جگہ یہ اتنا تنگ ہوجاتا ہے کہ فوج کو اس راستے سے بہ آسانی اوپر نہیں لے جایا جاسکتا اور راستے پر پیچ بھی ہیں۔ کسی نئے آدمی کے لیے یہ راستہ پریشان کن ہے۔"

اور دوسرے راستے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "یہ راستہ پہلے کی نسبت بہتر ہے یوں تو اس راستے سے فوج کو اوپر لے جایا جاسکتا ہے مگر راستے میں تین ایسے کھڈ ملتے ہیں جنہیں اتر کے نہایت

Marfat.com

احتیاط سے پار کرنا پڑتا ہے۔ ایک کھڈ کو پل کے ذریعے قابل عبور بنالیا گیا ہے اور یہ پل رسوں کی مدد سے بنا ہے۔ اس پر بیک وقت چھ سات آدمی چل سکتے ہیں۔ جب یہ دوسری طرف پہنچ جاتے ہیں تو بقیہ دوسرے چھ سات آدمی سفر کرتے ہیں۔ اس طرح دو چار سو آدمیوں کو گزرنے کے لیے کافی وقت درکار ہوتا ہے اور یہی راستہ طویل ہے۔"

تیسرے راستے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "اوپر جانے کے لیے یہ بہترین راستہ ہے اور یہاں سے بذکا قلعہ نسبتاً قریب ہے۔ راستہ چوڑا بھی ہے اور اوپر جگہ جگہ کشادہ اور مسطح بھی ہے۔ کئی جگہ ایسا لگے گا جیسے کسی میدانی علاقے میں آگئے ہوں۔ انہی میدانوں میں سے کئی جگہ جاویدان اپنے حریف عمران سے جنگیں لڑتا رہا ہے اور آپ لوگوں کے بھی بابک سے جو آخری معرکے ہوں گے وہ انہی پہاڑی علاقوں میں ہوں گے۔"

دونوں کے لیے یہ معلومات بہت کافی تھیں اور دونوں کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ بابک سے اصل مقابلہ اسی تیسری پہاڑی پر ہوگا۔

لیکن بقیہ دونوں راستوں کی موجودگی میں اس بات کا خطرہ تھا کہ بابک تیسری پہاڑی میں جنگ چھیڑ دے اور جب یہ جنگ شباب پر ہو تو وہ بقیہ دونوں پہاڑیوں سے کمک بھیج کر پیچھے سے حملہ آور ہو جائے۔

اب صرف یہ فیصلہ کرنا تھا کہ پہلی دو پہاڑیوں کو اپنے قبضے میں کس طرح لیا جائے کہ ان راستوں سے کوئی کمک نہ آئے۔ جعفر خیاط بڑے غور و فکر کے بعد کہنے لگا "اب ہمیں پہلی دو پہاڑیوں کا راستہ بند کر دینا چاہیے تاکہ ہم ادھر سے مطمئن ہو جائیں۔"

افشین حیدر نے جواب دیا "بے شک تیری تجویز بہت مفید اور قابل عمل ہے لیکن اس سے پہلے ہمیں اس میدان پر قبضہ کرنا ہوگا۔"

میدان پر قبضہ کر لینے کے بعد افشین حیدر نے حکم دیا "دونوں پہاڑیوں کو بڑے بڑے پتھروں سے بند کر دیا جائے۔"

یہ مشکل کام بہت جلد انجام دینا تھا۔ فوج کا بڑا حصہ بڑے بڑے پتھر لانے اور چننے میں مشغول ہو گیا اور یہ کام چند دنوں میں انجام دے دیا گیا اور ان دونوں راستوں کی نگرانی کے لیے فوج بھی متعین کر دی گئی۔

اونچی اونچی کئی مچان بنائی گئیں اور ان پر نقارہ بجانے والے بٹھا دیے گئے۔ اب افشین حیدر قلعہ

Marfat.com

بذ کی طرف بڑھنے کے لیے تیار ہو چکا تھا اور طے یہ پایا تھا کہ ہر روز صبح فوج کا ایک دستہ اوپر چڑھے۔ دشمن کی فوج کا مقابلہ کرے اور جتنا حصہ قبضے میں آجائے اسے اپنے نظم و نسق میں لے لے۔

نقارہ بجانے والوں کو حکم تھا کہ وہ مسلسل نقارے بجاتے رہیں اور یہ عمل ظہر کی نماز تک جاری رہے اور پھر جیسے ہی نقاروں کی آواز بند ہو جنگ کا سلسلہ روک دیا جائے اور قبضہ میں آیا ہوا حصہ فوج کی نگرانی میں دے دیا جائے۔

دوسری طرف بابک نے ان آگے بڑھنے والے مسلمانوں کو روکنے کے لیے راستے کے دونوں طرف اپنے چھوٹے چھوٹے فوجی دستے چھپا دیئے تھے اور انہیں یہ حکم تھا کہ وہ مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچانے کی کوشش کریں اور ان کو آگے نہ بڑھنے دیں۔

اگلے دن اسلامی دستے آگے بڑھے اور پہاڑی پر کچھ دور تک چڑھتے چلے گئے۔ بابک کے دستے ان کے انتظار میں تھے۔ وہ کمین گاہوں سے نکلے اور مسلمانوں پر حملہ آور ہو گئے۔ دونوں میں جنگ شروع ہو گئی۔ نقارے کی آوازیں مسلمانوں کو جوش دلا رہی تھیں، جعفر خیاط جنگ آزماؤں کی کمان کر رہا تھا اور افشین حیدر ایک اونچی جگہ پر بیٹھا جنگ کا نظارہ کر رہا تھا۔

ظہر کی اذان کے ساتھ ہی نقاروں کی آواز بلند ہو گئی اور مسلمانوں نے جنگ سے ہاتھ کھینچ لیا اس وقت تک ایک محدود راستے تک مسلمان قابض ہو چکے تھے۔

افشین حیدر کو ابھی تک یہ نہیں معلوم ہو سکا تھا کہ بابک کی کل فوج کتنی ہے اور اسے کس طرح سامنے آنے پر مجبور کیا جائے؟

جعفر خیاط بھی ان چھوٹی موٹی تھکا دینے والی جنگوں سے مطمئن نہیں تھا۔

دوسرے دن مسلمانوں نے اور آگے بڑھنا شروع کیا۔ بابک کے چھاپا مار دستوں نے انہیں روک دینا چاہا۔ نقاروں کی آوازیں آ رہی تھیں اور دونوں فریق جنگ میں مشغول تھے۔ اس بار مسلمان کچھ اور آگے بڑھ گئے اور بابک کے محدود دستوں نے انہیں روکنے کی بھرپور کوشش کی مگر ناکام رہے۔

بابک اس طریقہ جنگ سے پریشان ہو رہا تھا اور افشین حیدر کو یہ پریشانی لاحق تھی کہ بابک کی کل فوج کا اندازہ ہونا چاہیے تاکہ اس کی روشنی میں جنگی حکمت عملی اختیار کی جائے۔ ہفتوں کی جنگ آزمائیوں نے مسلمانوں کو قلعہ بذ کے سامنے پہنچا دیا۔ اب مسلمانوں نے فیصلہ کیا کہ وہ کسی بھی طرح قلعہ بذ میں داخل ہونے کی کوشش کریں گے۔

جیسے جیسے اسلامی دستے آگے بڑھ رہے تھے ویسے ویسے ان کے پیچھے پیچھے نقارے والے بھی آگے

Marfat.com

بڑھتے جارہے تھے۔

افشین حیدر نے جعفر خیاط سے مشورہ کیا "ہم اپنے فوجیوں کو فصیل تک پہنچانے میں کامیاب ہو بھی جائیں لیکن ہمیں بابک کی کل فوج کا پہلے سے اندازہ ہونا چاہیے تاکہ ہم بھی اس کے مقابلے کے لیے اپنی اتنی ہی فوج اس سے آگے لے جائیں۔"

جعفر خیاط نے کہا "اب میں کوشش کروں گا کہ بابک کی فوج کے بڑے حصے کو مدمقابل لے آیا جائے۔"

چنانچہ اس بار جعفر خیاط نے اپنی فوج کا بڑا حصہ رات کی تاریکی میں اوپر کافی دور تک پہنچا دیا اور اسے حکم دیا کہ وہ اس وقت تک سامنے نہ آئے جب تک انہیں اذان کے ذریعے سامنے آنے کی اجازت نہ دی جائے۔

چنانچہ اس روز رات کے اندھیرے میں مسلمانوں کو ادھر ادھر چھپا دیا گیا اور محاذ پر موجود فوجی دستوں نے قلعہ بذ کی طرف پیش قدمی شروع کردی۔ دوپہر تک زور و شور کی جنگ ہوتی رہی لیکن کوئی فریق کسی پر غالب نہ آسکا۔ یہاں تک کہ ظہر کا وقت آگیا اور نقاروں کی آواز کا سلسلہ موقوف ہوا۔ بظاہر فوجی دستوں نے واپسی اختیار کی تھی مگر آج وہ درپردہ کوئی اور ہی منصوبہ بنا چکے تھے۔

اچانک واپس ہوتے ہوتے اس دستے نے مڑ کے قلعے کی فصیلوں کی طرف بڑھنا اور چڑھنا شروع کردیا۔

بابک کے سپاہیوں نے یہ سمجھا تھا کہ آج مزید جنگ نہیں ہوگی۔ اس لیے وہ اپنے ہتھیاروں کو ایک طرف رکھ کے آرام کرنے لگے تھے لیکن جیسے ہی انہیں یہ معلوم ہوا کہ ابھی جنگ ختم نہیں ہوئی تو وہ دوبارہ ہتھیار لے کر سامنے کی طرف دوڑے۔

جعفر خیاط اپنے دوسرے کئی دستوں کے ساتھ فصیل کی طرف بڑھا۔ اب مسلمانوں کی کثرت دیکھ کر بابک بھی مزید دستے بھیجنے پر مجبور ہوگیا۔ اس طرح بابک کی فوج کا کثیر حصہ سامنے آگیا اور جنگ نے شدت اختیار کرلی۔

افشین حیدر پہاڑی کی ایک چوٹی سے نظارہ کررہا تھا اور اس بات پر خوش تھا کہ چلئے بابک کی بیشتر فوج سامنے آگئی۔ سوچا اس سے کچھ زیادہ اندر ہوگی۔

جعفر خیاط کے آدمی قلعہ بذ پر چڑھنے کی کوشش کررہے تھے۔ یہاں تک کہ کچھ لوگ فصیلوں پر کسی قدر اوپر جاچکے تھے۔ نیچے سے جعفر خیاط ان کی ہمت افزائی کررہا تھا کہ افشین حیدر کا فرمان پہنچا۔

Marfat.com

فی الحال جنگ بند کردی جائے اور سب واپس آجائیں۔ سوائے ان دستوں کے جو قبضے میں آئی ہوئی زمینوں کی حفاظت کریں گے۔

جعفر خیاط کو افشین کے اس فرمان سے بہت تکلیف پہنچی کیونکہ اگر یہ فرمان نہ آتا تو جعفر خیاط کے آدمی فصیلوں کے اوپر تک پہنچ چکے ہوتے۔ شاید آج ہی قلعہ کے دروازے بھی کھل جاتے۔ یہ عصر کا وقت تھا۔

جعفر خیاط کئی سرداروں کے ساتھ اپنے خیمے میں گیا اور افشین حیدر کو برا بھلا کہنے لگا۔ یہ سردار بھی افشین حیدر کے فرمان کے خلاف تھے۔ جعفر خیاط نے کہا "اب مجھے ایسا لگتا ہے کہ افشین حیدر درپردہ بابک سے مل گیا ہے اور یہ چاہتا ہے کہ ہم لوگ اسی طرح لڑتے مرتے رہیں اور افشین حیدر بابک کو مضبوط اور توانا کرتا رہے۔"

جب یہ خبر افشین حیدر کو پہنچی تو وہ بھی جعفر خیاط کے خیمے میں آگیا' اس کو دیکھتے ہی یہ لوگ خاموش ہو گئے۔

افشین حیدر نے کہا "تم لوگ جو باتیں کر رہے تھے' کرتے رہو۔"

جعفر خیاط برس پڑا "آج آپ نے ہم پر بڑا ظلم کیا۔ ہم فصیلوں تک پہنچ چکے تھے مگر آپ کے فرمان نے ہمیں اندر پہنچنے سے روک دیا۔"

افشین حیدر نے کہا "بھائی! اگر میں ایسا نہ کرتا تو تم لوگ وقت کی تنگی کی وجہ سے مزید جنگ نہیں لڑ سکتے تھے۔"

جعفر خیاط نے پوچھا "وہ کس طرح؟"

افشین حیدر نے کہا "دیکھ بھائی! عصر کا وقت ہو چکا تھا۔ اگر تو اندر پہنچ بھی جاتا تو وہاں سے ایک بھی زندہ واپس نہ آتا۔ اندر کی فوج کے بارے میں ہمیں کچھ نہیں معلوم اور اندھیرے میں تم لوگ تو ادھر ادھر بھٹکتے پھرتے اور بابک کے آدمی تمہیں ٹھکانے لگا دیتے۔"

جعفر خیاط نے کہا "اگر ہم قلعے کا دروازہ کھولنے میں کامیاب ہو جاتے تو ہمیں باہر سے مدد مل جاتی اور ہم اندھیرے میں بھی اپنے دشمن کو ٹھکانے لگا دیتے۔"

افشین حیدر نے اس کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی اور جعفر خیاط کے جذبوں کی تعریف کی اور کہا "یہ کام تم کل بھی کر سکتے ہو۔"

جعفر خیاط نے آہستہ سے کہا "ایسے موقعے بار بار کہاں ملتے ہیں۔"

Marfat.com

افشین حیدر اب بھی یہ نہیں چاہتا تھا کہ یہ لوگ فصیلوں پر چڑھ کے اندر کود جائیں اور خواہ مخواہ اپنی جانیں دے دیں۔ افشین حیدر قلعے کے اندر کی فوج کو باہر لانے کی فکر میں تھا۔

دوسرے دن افشین حیدر نے جعفر خیاط کو سمجھایا "آج جب ظہر کی اذان کے وقت جنگ روک دی جائے تو تم لوگ خلاف توقع اور خلاف معمول اپنی جگہ چھوڑ دو گے۔ تمہارا چالاک دشمن اپنی فوج کا بیشتر حصہ اس جگہ لے آئے گا۔ اس وقت تم لوگ پلٹ کے حملہ کر دو گے اور کوشش کرو گے کہ بابک کا ایک آدمی بھی بچ کے نہ جانے پائے۔ اگر ایسا کرنے میں تم لوگ کامیاب ہو گئے تو بابک اپنی اندر کی فوج باہر لانے پر مجبور ہو جائے گا۔"

اس منصوبے پر اسی طرح عمل ہوا اور ظہر کے بعد جب مسلمان واپس آ رہے تھے تو خالی جگہ دیکھ کر بابک خرمی نے اپنی فوج کے بڑے حصے کو اس جگہ پہنچانے کا حکم دیا اور خالی جگہ تھوڑی دیر میں پر ہو گئی۔

اب منصوبے کے مطابق جعفر خیاط نے پلٹ کے دوبارہ جنگ شروع کر دی۔ ہر دن سے زیادہ گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی اور یہ جنگ مغرب کے وقت تک ہوتی رہی۔ اس میں بابک کو بڑا نقصان اٹھانا پڑا۔

اس کامیابی نے جعفر خیاط اور افشین حیدر پر یہ راز منکشف کر دیا تھا کہ بابک کی مختصر فوج سامنے نہیں ہے۔ بلکہ یہ فوج ادھر ادھر چھپا دی گئی ہے اگر اس کو قلعے تک آنے سے روک دیا جائے تو قلعہ بہ آسانی فتح ہو سکتا ہے۔

لیکن اب افشین کو شکایت تھی کہ جعفر خیاط اس کی مرضی کے مطابق جنگ نہیں لڑ رہا۔ اب وہ افشین حیدر کے بجائے اپنے احکام اور تدبیروں سے کام لیتا ہے۔ اس نے ایک بار پھر جعفر خیاط کو ہدایت کی "جنگ اپنے امیر کی سرکردگی میں لڑو۔"

نئے آنے والے دن جنگ شروع ہوئی تو یہ لوگ بہت جلد قلعے تک پہنچ گئے۔ قلعے پر تیر اندازی کی گئی اور آگ لگانے والے تیر بھی برسائے گئے۔ بابک کے آدمی فصیل پر آ چکے تھے۔ وہ مسلمانوں کو آگے بڑھنے سے روک رہے تھے۔ یہاں تک کہ دونوں فریق تھک گئے۔ دوپہر ہو چکی تھی دونوں نے لڑائی سے ہاتھ کھینچا اور کھانے پینے میں مصروف ہو گئے۔ یہیں یہ منصوبہ تیار ہوا کہ جب مسلمان فصیل کے اوپر بڑھ رہے ہوں اس وقت دشمنوں کو دھوکا دے کر جعفر خیاط قلعے کے دروازے کی طرف بڑھے گا اور اس کو توڑ کر اندر قلعے میں داخل ہو جائے گا۔ چنانچہ دن بھر جنگ جاری رہی۔ بابک بھی

Marfat.com

بڑی لگن سے یہ جنگ لڑ رہا تھا۔

اسی دوران میں معلوم نہیں کس طرف مسلمانوں کا ایک دستہ قلعے کی فصیل کے نیچے پہنچا اور پھاوڑوں اور کدالوں کی مدد سے فصیل کی بنیاد کھودنے اور توڑنے لگا۔ اوپر فصیل کے لوگ اس کارروائی سے بے خبر تھے۔ شام ہوگئی اور کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہیں نکلا۔ پتھر کے قلعے کی بنیادیں کھودنا کوئی معمولی کام نہیں تھا۔ شام تک چور چور ہوگئے۔

اب دونوں فریق اس جنگ سے بیزار ہو چکے تھے۔ اس جنگ میں کچھ رضاکار بھی شامل تھے۔ اب ان رضاکاروں کا دستہ جعفر خیاط اور افشین حیدر سے ملا اور واپسی کی اجازت چاہی۔ جعفر خیاط نے پوچھا "اب تک تم جو کام فصیل کی تسخیر کے سلسلے میں کر رہے تھے۔ وہ فی سبیل اللہ تھا اور اس میں تمہارا جذبہ بھی قابل داد تھا۔ اب کیا بات ہوئی کہ تم سب اپنے اپنے گھروں کو واپس جانا چاہتے ہو؟"

رضاکاروں نے بے دلی سے جواب دیا "جناب! آپ دونوں کے احکامات اور کارروائی میں یکجہتی نہیں پائی جاتی۔ اس لیے ہم اپنی جانیں کیوں کھپائیں۔"

افشین حیدر نے کہا "دیکھو! اس کام کو ادھورا نہ چھوڑو۔ کیونکہ اب تک تم لوگوں نے جو ثواب کمایا ہے وہ ناقص اور ادھورا رہ جائے گا۔"

جعفر خیاط نے سمجھایا "اور فتح تو ایک نہ ایک دن ہونی ہی ہے۔ یہ مشکل دن کٹ جائیں گے۔"

لیکن رضاکار نہیں رکے۔ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

ان کے جانے سے افشین اور جعفر خیاط پر ایسا برا اثر ہوا کہ وہ کئی ہفتے تک جنگ کرنے سے باز رہے۔

اندر بابک خرمی بھی بہت پریشان تھا اور اسے اپنا قلعہ ہاتھ سے جاتا نظر آ رہا تھا۔ اس نے اپنی اس مایوسی کو کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیا اور یہ فیصلہ بھی کیا کہ وہ اپنے خاندان، عورتوں، بچوں اور مال و زر کے ذخائر کو یہاں سے کسی اور جگہ منتقل کر دے گا اور پھر اپنے دشمنوں سے جی جان سے مقابلہ کرلے گا۔"

تقریباً چار ہفتے تک دونوں فریق خاموش رہے۔ اس عرصے میں بابک خرمی نے اپنے مال و زر اور عورتوں، بچوں کو قلعے سے نکال لیا اور نئے سرے سے صف بندی شروع کر دی۔ قلعہ بذ کے قریب پہاڑ پر اپنے سپہ سالار آذین کو ایک بڑی فوج کے ساتھ ہدایت کر دی کہ جیسے ہی مسلمان آگے بڑھیں ان پر تیروں سے بوچھاڑ کر دی جائے۔

بابک خرمی

Marfat.com

لیکن افشین نے بابک کی جنگی حکمت عملی سے آگاہی حاصل کرلی تھی۔ اس نے آذین سپہ سالار کا منصوبہ بھی جان لیا تھا اور اس پہاڑ کی طرف سے حملہ آور ہونے کا منصوبہ ترک کردیا تھا۔

افشین کو بابک کی فوج کے دوسرے حصے کی کمین گاہ کا بھی پتا چل گیا تھا۔ یہ جگہ ایک ٹیلے کے نیچے واقع تھی۔ افشین نے اپنی فوج کو اس ٹیلے کے آس پاس چھپادیا۔ تیسرا دستہ فوج کی حفاظت کی غرض سے لشکر گاہ میں رہنے دیا گیا۔ چوتھے حصے کو بالکل سامنے رکھنا تھا اور اسی کو آگے بڑھ کے دشمنوں پر حملہ آور ہونا تھا۔

جعفر خیاط اپنے چند نامی گرامی افسروں کے ساتھ اس پہاڑی کی طرف بڑھا جہاں آذین سپہ سالار گھات لگائے بیٹھا تھا۔

آذین نے جعفر کو آگے بڑھتے دیکھ لیا تھا۔ اس نے جعفر پر تیر برسانے شروع کردیے۔ جعفر کے آدمیوں نے جوابی کارروائی کی اور تیر برسانے شروع کردیے۔ آذین سپہ سالار کو یہ نہیں معلوم تھا کہ جعفر کے سپاہی دوسری طرف سے بھی اس کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ وہ ایک ہی طرف الجھا رہا اور دوسری طرف سے مسلمانوں نے اس کے سر پر پہنچ کر ایسا بھرپور حملہ کیا کہ آذین بدحواس ہوگیا۔ اب اس پر دو طرفہ مار لگ رہی تھی۔ آخر پسپا ہو کر وادی کی طرف بھاگا تو ٹیلے کے پاس چھپے ہوئے مسلمانوں نے اس پر حملہ کردیا۔

اب بابک بالکل بے بس ہوچکا تھا اور سارے منصوبے خاک میں مل چکے تھے۔ اس کا یہ خیال باطل ثابت ہوا کہ مسلمان براہ راست قلعے پر حملہ آور ہوں گے۔

کمین گاہ میں چھپی ہوئی فوج مسلمانوں سے نہیں لڑنا چاہتی تھی کیونکہ جنگ کا پانسہ پلٹ چکا تھا۔ سپہ سالار آذین کی شکست نے سب کچھ ختم کردیا تھا۔ مسلمان بابک کی سپاہ کی تلاش کرتے پھر رہے تھے کہ ایک ٹیلے کے پیچھے سے ایک گھڑسوار سفید پرچم لیے ہوئے نمودار ہوا۔ اس شخص نے مسلمانوں سے کہا "مجھے اپنے سپہ سالار کے پاس پہنچادو۔"

لوگ اس کو افشین کے پاس لے گئے۔ افشین نے اس سے پوچھا "تم کون ہو اور یہ سفید پرچم لیے کیوں پھر رہے ہو؟"

سوار نے جواب دیا "مجھے بابک نے بھیجا ہے۔ وہ قلعے کی چابیاں آپ کے حوالے کردینا چاہتا ہے۔ بشرطیکہ آپ اس کو اتنی مہلت دے دیں کہ بابک اپنی عورتوں اور بچوں کو لے کر کہیں اور چلا جائے۔"

افشین سوچ میں پڑگیا۔ ابھی کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ مسلمانوں کا آٹھ دس نفری دستہ بھاگا ہوا آیا

Marfat.com

اور افشین کو خوش خبری سنائی "جناب! قلعہ فتح کرلیا گیا ہے۔ ہماری فوجیں اندر داخل ہو چکی ہیں اور قلعے کی چوٹی پر عباسی پرچم لہرا رہا ہے۔"

افشین نے سوار کی طرف دیکھا اور پوچھا "یہاں بھی جھوٹ!"

سوار نے عرض کیا "مجھ کو جو پیغام دیا گیا تھا' اسے آپ تک پہنچا دیا۔"

قلعے میں داخل ہوتے وقت اندر سے کچھ مزاحمت ہوئی تھی۔ ان فوجیوں کو قتل کر دیا گیا اور جس نے ہتھیار ڈال دیئے' اسے گرفتار کرلیا گیا۔ بابک اپنے کچھ آدمیوں کے ساتھ فرار ہو چکا تھا۔ اس کی ماں' بیوی اور دوسری کئی عورتیں پہلے ہی ہٹائی جا چکی تھیں۔

افشین جعفر خیاط کے ساتھ قلعے میں داخل ہوا اور سب نے مل کے نمازِ شکرانہ ادا کی۔

افشین نے یہ ساری روداد لکھ کر قیدیوں اور مال و دولت کے ساتھ بغداد روانہ کر دی۔

اب اسے بابک کی تلاش تھی۔ افشین نے اپنی طرف سے آرمینیا تک پھیلے ہوئے قلعوں کے عاملوں کو ایک حکم نامہ روانہ کر دیا۔ اس حکم نامے میں لکھا گیا تھا کہ بابک کو دیکھتے ہی گرفتار کرلیا جائے۔

بابک' آرمینیا اور آذربائیجان کی سرحدوں پر واقع ایک جنگل میں روپوش تھا۔ افشین کے جاسوس اس کی تلاش میں مارے مارے پھر رہے تھے اور ان میں وہ جاسوس بہت زیادہ کار آمد ثابت ہو رہے تھے جو کبھی بابک کے لیے جاسوسی کیا کرتے تھے۔

افشین نے جعفر خیاط کے ساتھ مذکورہ جنگل کا رخ کیا اور بہت جلد بابک کے سر پر جا پہنچا۔ دیکھنے اور اس کے آس پاس گھومنے پھرنے کے بعد اندازہ ہوا کہ یہ جنگل ایسا نہیں ہے۔ جس میں گھس کے بابک کو گرفتار کرلیا جائے۔ یہ بہت گھنیرا اور خطرناک جنگل تھا۔ دونوں ایک دوسرے سے ہوشیار اپنی گھات میں تھے۔ جنگل میلوں میں پھیلا ہوا تھا اور پورے جنگل کا محاصرہ کرنا افشین کے بس کی بات نہیں تھی۔ اس نے وہاں بھی مقامی لوگوں سے رہنمائی حاصل کی اور ان سے معلوم کیا کہ بابک جنگل میں کس کس جگہ سے نکل سکتا ہے۔

اب افشین نے ان تمام راستوں کی ناکہ بندی کر دی۔ بابک یہاں سے اکتایا ہوا نکلنے کی تدبیریں کر رہا تھا۔

اتفاق سے بابک کا ایک آدمی جنگل سے نکل کر باہر آیا' اور افشین سے کہا "آپ یہاں کب تک اس طرح پڑے رہیں گے۔ عنقریب بارشوں کا سلسلہ شروع ہونے والا ہے۔ ان بارشوں میں آپ کے یہ

Marfat.com

خیمے آپ کا ساتھ نہیں دیں گے۔ اس لیے بابک کا پیچھا چھوڑ دیں اور جو کچھ حاصل ہو چکا ہے اسی پر قناعت کریں۔"

افشین نے بے نیازی سے جواب دیا "تو میری پروانہ کر اور بابک سے جا کر کہہ دے کہ وہ کہاں تک بھاگے گا۔ آخر کار تھک کر کہیں تو بیٹھے گا۔ ہم وہاں پہنچ کر گرفتار کر لیں گے۔"

بالکل اتفاق کی بات کہ اسی وقت خلیفہ معتصم باللہ کے آدمی افشین کو تلاش کرتے پہنچ گئے۔ وہ اپنے ساتھ شکریہ کا پیغام لائے تھے اور یہ حیرت انگیز اطلاع بھی کہ خلیفہ نے بابک خرمی کو معاف کر دیا ہے اور اس کو دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔

ایک معافی نامہ بھی ان کے پاس تھا۔

افشین نے خلیفہ کے دونوں آدمی بابک کے آدمی کے ساتھ کر دیے اور بابک کے آدمی سے کہا "بابک سے کہہ دینا کہ تو خوش قسمت ہے کہ خلیفہ نے تجھ کو معاف کر دیا۔ اب باہر آجائے اور ہمارے ساتھ بغداد چلے۔"

بابک کے یہ آدمی خلیفہ کے دونوں آدمیوں کے ساتھ جنگل میں غائب ہو گئے۔

جب یہ تینوں بابک کے سامنے پہنچے اور اس کو خلیفہ کا معافی نامہ دیا تو وہ حالت غیظ و غضب میں کھڑا ہو گیا۔

قریب ہی ماں اور بیوی بیٹھی تھی، پوچھا "اس خط میں کیا لکھا ہے؟"

بابک غصے میں بڑبڑا رہا تھا "خلیفہ خود کو کیا سمجھتا ہے، وہ میری نظر میں ایک معمولی انسان ہے میں کہ خدا کی روح سے متصف خدا کا بشری پیکر ہوں۔ ایک ذرہ آفتاب کا حریف بننے کی کوشش کر رہا ہے۔ میں کہ رب ہوں، مجھے ایک ادنیٰ انسان کیا معافی دے گا اور نہ میں معافی کا خواہش مند ہوں۔"

خلیفہ کے دونوں نمائندے پریشان تھے کہ ہم کہاں آگئے۔ اس انسانی پیکر میں خود کو خدا کہلانے والا، خلیفہ معتصم باللہ کی تحقیر اور تذلیل کر رہا تھا۔ دونوں نمائندے یہ برداشت نہیں کر سکتے تھے اور انہوں نے طنزاً پوچھا "کیا تجھ میں خدا حلول کر گیا ہے۔ کیسا خدا ہے کہ انسان تیرا پیچھا کر رہے ہیں اور تو ان سے بچتا پھر رہا ہے۔"

بابک نے غصے میں کہا "تم دونوں کو معافی نامہ لے کر آنے کی جرات کیونکر ہوئی؟"

ایک نمائندے نے کہا "ابھی تک امیر المومنین تجھ کو انسان سمجھ رہے تھے۔ اگر انہیں یہ معلوم ہوتا کہ تو شیطان ہے تو وہ کبھی یہ معافی نامہ یہاں نہ بھیجتے۔" بابک خرمی نے غصے میں اٹھ کے دونوں کو

Marfat.com

قتل کردیا۔

اب بابک نے یہاں سے فرار ہونے کا ارادہ کرلیا۔ اس وقت دو عزیز عبداللہ اور معاویہ' ماں اور بیوی اُس کے ہمراہ تھیں۔ اُس کو نہیں معلوم تھا کہ اُس کی جنگل کے باہر سخت نگرانی کی جارہی ہے۔ وہ جیسے ہی نکلا اور ایک وادی میں نمودار ہوا نگرانی کرنے والوں میں سے ایک نے پہچان لیا اور اپنے سردار ابوالسفہ کو مطلع کیا "وہ بابک جارہا ہے۔"

فوجی سوار اُس کے تعاقب میں دوڑے اور ایک چشمے کے قریب اُس کو گرفتار کرنے کی کوشش کی لیکن بابک سب کو چھوڑ کر فرار ہوگیا۔ اُس کی ماں' بیوی اور دونوں عزیز گرفتار کرلیے گئے۔

بابک کو نہیں معلوم تھا کہ افشین کے جاسوس اس کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ اب وہ فرار ہو کر آرمینیا کے پہاڑوں میں روپوش ہوگیا۔ افشین اس کی بو سونگھتا پھر رہا تھا۔ یہ بھی آرمینیا کے پہاڑوں میں پہنچ گیا۔ کچھ ہی عرصے بعد بابک کو کھانے پینے کی پریشانی شروع ہوگئی اور کھانے پینے کی چیزوں پر پہرے بٹھادیئے گئے تھے۔ جس سے بابک سخت پریشان رہنے لگا تھا۔

چند آدمی اس کو تلاش کرتے ہوئے پہنچ گئے۔ یہ بابک کے پرستار تھے۔ بمشکل ان کی بابک سے ملاقات ہوئی۔ بابک ابھی تک تنہائی سے پریشان تھا لیکن ان آدمیوں کے آجانے سے بہت خوش ہوا۔ اس نے اپنے ارادت مندوں سے کہا "میں اپنی طرف سے بہت پریشان تھا' کھانا خریدنے کے لیے باہر نکلنا میرے لیے امر محال ہے۔ اب تم لوگ آگئے ہو تو یہ مشکل کام تم انجام دو گے۔" اس کے بعد اس نے ایک شخص کو چند سکے دیے اور کہا "بازار سے میرے لیے کھانا لادے۔"

یہ شخص بازار گیا اور اس کو بالکل پتا نہیں تھا کہ اس کا پیچھا کیا جارہا ہے۔ جب وہ پہاڑی سلسلوں سے نمودار ہوا تھا اسی وقت اس کی نگرانی شروع ہوگئی تھی اس نے جیسے ہی دکان سے چیزیں خریدیں' اس کو حراست میں لے لیا گیا اور اس کو سہیل بن ساباط کوتوال شہر کے پاس لے جایا گیا۔ افشین کو ابھی تک ان باتوں کی خبر نہیں تھی۔

ابن ساباط نے اس شخص سے پوچھا "تو نے یہ کھانے کا سامان کس کے لیے خریدا ہے؟"

اس شخص نے جواب دیا "اپنے لیے۔"

لیکن جواب میں گھبراہٹ پائی جاتی تھی۔ ابن ساباط نے نرمی سے سمجھایا "دیکھ گھبرا نہیں۔ تو جس شخص کے لیے یہ کھانا خریدنے آیا تھا' میں خود بھی اس کا پرستار ہوں' کیا مجھے تو اس کے پاس نہیں لے

Marfat.com

چلے گا؟"

یہ شخص ابن ساباط کے ساتھ ہولیا اور دونوں بابک کے پاس پہنچ گئے۔

بابک نے اپنے پرستار کے ساتھ ابن ساباط کو دیکھا تو بے حد پریشان ہوا اور غصے میں پوچھا "یہ تو کس کو اپنے ساتھ لے آیا؟"

ابن ساباط نے کہا "میں تیرا ہمدرد ہوں اور ان حالات میں تیری کچھ مدد کرنا چاہتا ہوں۔"

بابک نے پوچھا "تو میری کیا مدد کرے گا' کیا تو مجھے افشین سے بچالے گا؟"

ابن ساباط نے جواب دیا "بالکل۔ میں تجھ کو افشین سے بچالوں گا۔ میں اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتا کہ خلافت کی فوج تیرا پیچھا کر رہی ہے اور کسی نہ کسی دن وہ یہاں تک پہنچ جائے گی اور تو پکڑا جائے گا۔ اس لیے تو میرے ساتھ چل۔ میں تجھ کو کہیں نہ کہیں چھپادوں گا اور وہاں تجھے کھانا پانی بھی ملتا رہے گا۔ میں کہہ تو رہا ہوں کہ یہاں ان پہاڑیوں میں تو بالکل غیر محفوظ ہے۔"

بابک کو اس کی باتوں کا یقین نہیں آرہا تھا اور وہ متذبذب تھا' پوچھا "تو مجھ کو کب تک چھپائے رکھے گا؟"

ابن ساباط نے جواب دیا "اس وقت تک جب تک تیرے پرستار تیرے آس پاس پھر نہ جمع ہوجائیں اور پھر ہم اپنی پناہ کے لیے کوئی قلعہ تلاش کریں گے۔" بابک ان باتوں میں آگیا اور خاموشی سے اٹھا اور ابن ساباط کے گھر میں پناہ لے لی۔

اب بابک ابن ساباط کا قیدی بن چکا تھا۔ ابن ساباط نے یہ خبر افشین کو پہنچادی۔

افشین نے اپنے دو فوجی افسر ابن ساباط کے حوالے کیے اور کہا "بابک کو ان کے حوالے کردیجئے۔"

ابن ساباط دونوں کو اپنے ساتھ لے گیا اور ایک قلعے کے پیچھے دونوں کو چھپادیا۔ اس کے بعد بابک سے ملا اور خوش خبری سنائی "یہاں کا قلعے دار تیرا واقف کار ہے۔ جب میں نے اس سے تیرا ذکر کیا تو وہ یہ قلعہ تیرے سپرد کرنے پر آمادہ ہوگیا۔"

اب بابک بہت خوش تھا۔ وہ چوروں کی طرح گھر سے نکلا اور قلعے کی طرف روانہ ہوگیا۔ ابھی یہ راہ میں تھا کہ دونوں فوجی افسر اپنے گھوڑے دوڑاتے ہوئے اس کے پاس آئے اور اچانک اس کو گرا کے گرفتار کرلیا۔

اب بابک کو رسیوں سے باندھ دیا گیا۔

بابک نے ابن ساباط کی طرف دیکھا اور تھوکتے ہوئے کہا "دغاباز! تو نے مجھ سے دھوکا کیا۔"

Marfat.com

ابن ساباط نے کہا "میں نے تیرے ساتھ کوئی دھوکا نہیں کیا۔ بلکہ دھوکا تو' تو نے خود اپنے آپ سے کیا ہے۔ لوگوں سے کہتا رہا ہے کہ تجھ میں خدا کی روح حلول کر گئی ہے اور تو تمام انسانوں سے اعلیٰ و افضل ہے پھر خدا کے ہوتے جو تیری ذات میں موجود ہے تجھے کوئی کس طرح دھوکا دے سکتا ہے۔"

اب یہ ساری باتیں فضول تھیں۔ اس کو ایک خالی گھوڑے پر ڈال کے افشین کی خدمت میں پہنچا دیا گیا۔ وہاں اس کی ماں اور اس کی بیوی اور دو عزیز پہلے سے موجود تھے۔ بابک کو دیکھتے ہی اس کی ماں نے پوچھا "کیا بات ہے تو بھی یہیں آگیا۔ میں تو تجھے ماورائے عقل اور ماورائے دسترس سمجھتی تھی مگر تو بھی ان فانی انسانوں کی گرفت میں آگیا۔"

بابک نے بیوی کی طرف دیکھا "تو نے مجھے کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔ مجھ میں جاویدان کی روح حلول کر گئی تھی' اب وہ روح کہاں ہے؟"

بابک کی بیوی نے کہا "تجھ میں جاویدان کی روح حلول کر گئی تھی۔ یہ ایک امر واقعہ ہے۔ ورنہ تو ایک معمولی خدمت گار تھا۔ پچاس درہم ماہانہ کا ملازم۔"

بابک نے اپنی بیوی کی باتوں میں کوئی خاص دلچسپی نہیں لی اور کہا "میں پیدائشی بڑا آدمی ہوں۔ میں نے بیس سال تک خلافت عباسیہ کو پریشانی میں گرفتار رکھا۔ اب میں گرفتاری کے بعد بھی مطمئن ہوں کہ میں ایک غیر معمولی آدمی ہوں۔"

افشین نے بحالت قید اس خاندان کو چند دن یکجا رکھا اس کے بعد بابک کو ان سے الگ کر دیا گیا۔

جعفر خیاط مختلف قلعوں میں ان مسلمانوں کو تلاش کر رہا تھا جنہیں بابک نے قید کر لیا تھا۔ یہ مختلف شہروں' مختلف قصبوں اور مختلف قبائل کے لوگ تھے۔ ان میں مرد بھی تھے اور عورتیں بچے بھی۔ یہ کل سات ہزار پانچ سو تھے جنہیں کئی قلعوں اور قید خانوں سے برآمد کیا گیا تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جو ترک اسلام پر آمادہ نہ تھے جن پر بابک کی ترغیب و تحریص اور دھمکیاں سب بیکار ثابت ہوئی تھیں۔ ان مسلمانوں کا پتا نہیں چل سکا جو بابک کے مذہب میں داخل ہو گئے تھے۔

جب جعفر خیاط اپنے اس کام میں مشغول تھا تو اسے کچھ عجیب و غریب چیزیں نظر آئیں۔ بابک کی ہزیمت اور فرار کی خبر ہر طرف پھیل گئی تھی مگر اب بھی اس کی قوم کے لوگوں کو یہ یقین تھا کہ بابک کی یہ ہزیمت عارضی اور کسی مصلحت اندیشی پر مبنی ہے ورنہ جس انسان میں خدا حلول کر گیا ہو وہ فانی انسانوں کے بس میں کس طرح آسکتا ہے۔ یہ لوگ اسی طرح اپنے مذہب پر قائم تھے اور اپنی مذہبی رسوم حسبِ

Marfat.com

معمول ادا کر رہے تھے۔

جعفر خیاط بذ کے قریب اپنے مسلمان بھائیوں کی تلاش میں پہنچا تو اس کا گزر ایک ایسی بستی میں ہوا جس کی پوری آبادی بابک خرمی تھی۔ یہ ان کی کسی عید کا دن تھا۔ ہر شخص نئے لباس میں ملبوس خوش و خرم نظر آ رہا تھا۔

جب ان لوگوں کو جعفر خیاط کے بارے میں یہ معلوم ہوا کہ یہ مسلمان ہے اور خلافت عباسیہ کی طرف سے یہاں ایک سپہ سالار کی حیثیت سے آیا ہوا ہے اور بابک کو شکست دینے والوں میں یہ بھی شامل ہے تو بستی والے اس سے کسی قدر مرعوب ہو گئے اور انہوں نے جعفر خیاط کو اپنا مہمان بنا لیا۔

جعفر خیاط ان کا مہمان بن گیا۔ اب وہ گویا ان میں شامل ہو چکا تھا۔ جعفر کو جس محل میں ٹھہرایا گیا تھا۔ اس روز وہ بہت سجا ہوا تھا اور وہاں لوگوں کی آمد و رفت جاری تھی۔ لوگ بہت زیادہ مصروف نظر آتے تھے اور اس محل میں لوگ پوری بستی سے پہنچ رہے تھے۔

جعفر خیاط نے اپنے میزبان سے پوچھا "آج یہاں یہ غیر معمولی چہل پہل کیوں ہے؟"

میزبان نے جواب دیا "آپ چونکہ اس وقت ہمارے مہمان ہیں اور میں یہ بھی دیکھ رہا ہوں کہ آپ ہم میں بہت زیادہ دلچسپی لے رہے ہیں۔ جس سے ہمیں امید پیدا ہو چلی ہے کہ شاید آپ بھی ہمارے دین میں داخل ہو جائیں۔"

جعفر نے کسی قسم کا بھی تکلف اختیار نہیں کیا اور نہ کوئی ایسی بات کی تھی جس سے اس کا عندیہ معلوم ہو جاتا۔

جعفر خیاط نے پوچھا "کیا میں معلوم کر سکتا ہوں کہ یہ خوشی کس طرح منائی جاتی ہے؟"

میزبان نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا' بتایا "میں آپ کو دکھاؤں گا کہ ہم یہ خوشی کس طرح مناتے ہیں۔ اس کے بعد آپ کو دعوت دیں گے کہ آپ بھی ہمارے مذہب میں داخل ہو جائیں اور اپنی بقیہ زندگی خوش و خرم گزاریں۔"

جعفر خیاط نہایت معصومیت اور بھولے پن سے اپنے میزبان کی باتیں سن رہا تھا اور زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنے کی فکر میں تھا۔ وہاں نصف دن کے بعد عورتیں اور لڑکیاں آنا شروع ہو گئی تھیں۔ ان سب کو محل میں یکجا کیا جا رہا تھا پھر مرد بھی آنے لگے۔ یہ لوگ بھی اسی محل میں جمع ہو رہے تھے۔

میزبان نے ان میں سے کچھ کا جعفر خیاط سے تعارف بھی کروایا۔ چند مردوں نے' جعفر خیاط کی

Marfat.com

حیثیت سے آگاہ ہونے کے بعد اپنا زیادہ وقت جعفر خیاط کے پاس ہی گزارنا شروع کردیا۔ وہ باتیں کرتے جاتے اور آنے جانے والی عورتوں' لڑکیوں کو دیکھتے جاتے۔

میزبان نے آنے والی عورتوں اور لڑکیوں کی طرف اشارہ کیا اور جعفر خیاط سے کہا "کیا بات ہے' کیا آپ کو یہ شکلیں اچھی نہیں لگ رہیں؟"

جعفر خیاط نے جواب دیا "جب میں نے ابھی تک ان کو دیکھا ہی نہیں تو ان کی شکل وصورت کے بارے میں رائے کس طرح دے سکتا ہوں؟"

میزبان نے زور دیا "نہیں ایسا نہ کہیں۔ یہ بھی کوئی بات ہوئی۔ اسلام نے انسانوں پر بڑی پابندیاں لگادی ہیں۔ چار روزہ انسانی زندگی کو خشک اور بدتر بنا دیا ہے۔ ہر جگہ اخلاق کے پہرے بٹھادیے گئے ہیں۔ مزدک نے پہلی بار ہمیں یہ بتایا کہ زندگی خوشی اور شادمانی کا نام ہے اور اب بابک بھی ہمیں یہی بتا رہا ہے کہ زندگی خرمی کا نام ہے۔ خوش و خرم رہو اور مرجاؤ۔ اپنی خواہشات کو آزاد چھوڑ دو اور اس طرح اپنے دلوں کو زندہ رکھو۔"

جعفر خیاط اس کی باتوں کا اصل مفہوم ابھی تک نہیں پاسکا تھا' پوچھا "آخر دل کو خواہشات کے حوالے کردینے سے ہمیں کس قسم کی خوشیاں میسر آتی ہیں اور آزادی سے تم لوگ کیا مراد لیتے ہو؟"

میزبان نے کہا "آج رات جب ہم اپنی عید منائیں گے تو وہاں آپ کو آپ کے سوالوں کا جواب مل جائے گا۔ اس کے بعد اگر آپ چاہیں گے تو ہمارا دین اختیار کرکے عید کی خوشیوں میں آپ بھی شامل ہوجائیں گے۔"

جعفر خیاط کو اب خوف محسوس ہونے لگا تھا' وہ سوچ رہا تھا کہ اس کے فوجی اس سے دور ہیں۔ یہاں وہ اکیلا ہے اور جب میزبان کی راز کی باتیں اس کے علم میں آجائیں گی اور جعفر ان کا دین قبول نہیں کرے گا تو یہ لوگ انتقاماً اور حسداً اس کو قتل بھی کرسکتے ہیں۔

رات ہوگئی تو ایک بہت بڑے ہال میں مرد اور عورت جمع ہوگئے۔ ان دونوں کے درمیان ایک پردہ حائل تھا۔

میزبان نے جعفر کو ایک گوشے میں کھڑا کردیا اور جملہ مردوں اور عورتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "یہ سارے اس بستی کے لوگ ہیں اور ان میں باپ بھائی' بیٹے' شوہر' مائیں' بہن' بیٹیاں سبھی موجود ہیں۔ ہم میں مساوات ہے اور ہم ہر سال یہ عید اسی لیے مناتے ہیں کہ ہم عملاً یہ ثابت کرتے رہیں اور اپنی نسل کو اپنی قوم کو یہ بتاتے رہیں کہ خدا نے دنیا میں دو جنسیں پیدا کی ہیں۔ ایک

Marfat.com

عورت دوسرا مرد۔ یہی ایک حقیقت ہے۔ دنیا کے باطل مذاہب نے ان دو جنسوں کو بہت سارے نام دے دیے ہیں۔ عورت کو ماں، بیٹی، بہن اور بیوی کے نام دے دیے ہیں۔ اسی طرح مرد کو باپ، بیٹا، بھائی اور شوہر بنا ڈالا۔ یہ ساری تقسیم فرضی، مصنوعی اور اضافی ہے۔ ہم آج رات اپنی عید میں ان تمام فرضی، مصنوعی اور اضافی رشتوں کو خیرباد کہہ دیتے ہیں۔ ہر عورت پر ہر مرد کا حق ہے اور ہر مرد پر ہر عورت کا۔"

جعفر خیاط نے پوچھا "تم لوگ یہ عید کس طرح مناؤ گے؟"

میزبان نے جواب دیا "نصف شب کو سارے چراغ گل کر دیے جائیں گے اور درمیان کا پردہ ہٹ جائے گا۔ اندھیرے میں مرد عورتوں پر شکاریوں کی طرح جھپٹیں گے اور جو جس کے ہاتھ لگ جائے گی۔ وہ اس کے ساتھ اپنی رات بسر کرے گا۔ مہمان! اگر تم ہمارے اس فعل کو اخلاقیات کی کسوٹی پر کسو گے تب بھی ہمارا یہ فعل جائز قرار پائے گا۔ تم لوگوں کے لیے ہم نے اس کا نام شکار رکھا ہے۔ شکار کرو اور لطف اندوز ہو۔ شکار شرعاً جائز ہے۔"

نصف شب ہوئی۔ میزبان بھی کہیں غائب ہو گیا۔ ایک دم چراغ گل ہو گئے۔ پردہ ہٹ گیا اور مردوں نے عورتوں کی طرف دوڑ لگائی۔ ایک عجیب قسم کا شور بلند ہوا۔ اندھیرے میں کیا کچھ ہوتا رہا، جعفر کو کچھ پتا نہ تھا۔ وہ چپ چاپ باہر نکل گیا وہاں اس کا گھوڑا موجود تھا۔ اس پر بیٹھ کر اپنے سپاہیوں میں پہنچ گیا۔

صبح اس نے بستی کا محاصرہ کر لیا اور ان سب کو گرفتار کر کے افشین کی خدمت میں پیش کر دیا۔ افشین کو ان کی ساری روداد سنائی۔

میزبان کو جعفر کی تلاش تھی اور جعفر خود بھی میزبان سے ملنا چاہتا تھا۔ جب دونوں کی ملاقات ہوئی تو میزبان نے دیکھتے ہی جعفر سے کہا "بھائی! تو نے ہمارے ساتھ بڑی زیادتی کی ہے۔"

جعفر نے جواب دیا "زیادتی میں نے نہیں کی بلکہ اپنے آپ پر تم لوگ خود زیادتی کر رہے ہو۔"

اب افشین نے واپسی کی تیاریاں کر لیں لیکن اس سے پہلے اس نے ساری روداد لکھ کے بغداد روانہ کر دی تھی۔ یہ گویا فتح نامہ تھا اور اسی فتح نامے میں بابک اور اس کے خاندان کی گرفتاری کا ذکر تھا۔

خلیفہ نے ماہ شوال دو سو بائیس ہجری میں افشین کے نام حکم بھیجا "اپنے قیدیوں کو لے کر فوراً سامرہ آجاؤ۔"

Marfat.com

افشین خلیفہ کے حکم کی تعمیل میں فوراً واپس ہوا۔ اب اس کے ساتھ ان قیدیوں کے علاوہ سات ہزار پانچ سو مسلمان بھی تھے جنہیں بابک کے مختلف قید خانوں سے برآمد کرلیا گیا تھا اور وہ قیدی بھی جنہیں جعفر خیاط نے ایک بستی سے اٹھایا تھا۔

جب یہ لوگ مرزند پہنچے تو وہاں خلیفہ کا ایک نمائندہ ملا جو خلیفہ کی طرف سے افشین کے لیے خلعت فاخرہ لایا تھا پھر مرزند سے سامرہ تک جتنی منزلیں آئیں، ہر منزل پر خلیفہ کے نمائندے نے خلیفہ کی طرف سے ایک خلعت فاخرہ پیش کی۔ ان خلعتوں کے ساتھ ایک گھوڑا بھی ہوتا تھا۔

سامرہ کے قریب افشین کے استقبال کے لیے خلیفہ کا بیٹا واثق باللہ، ارا کین سلطنت کے ساتھ استقبال کے لیے موجود تھا۔ وہ افشین کو قصر مطیرہ میں لے گیا۔ افشین نے اسی قصر میں بابک کو قید کردیا۔

خلیفہ نے افشین کو دربار میں طلب کیا۔ بیش قیمت خلعت پہنائی اور اس کے سر پر ایک تاج رکھا۔ بیس لاکھ درہم بطور انعام دیے اور حکم دیا کہ دس لاکھ درہم افشین کی فوج میں تقسیم کردیے جائیں۔

صفر دو سو تیئس ہجری میں خلیفہ خود قصر مطیرہ پہنچا اور حکم دیا "بابک کو میرے سامنے لایا جائے۔"

بابک کو خلیفہ کے روبرو پیش کردیا گیا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

خلیفہ معتصم باللہ اس شخص کو اپنے سامنے قیدی کی حیثیت سے دیکھ رہا تھا جس نے بیس سال تک خلافت عباسیہ کو پریشانی میں مبتلا رکھا تھا۔ درباریوں کو حیرت تھی کہ بابک خلیفہ سے ذرا بھی خوف زدہ نہیں تھا۔ گویا وہ برابری کی سطح پر خلیفہ سے مل رہا تھا۔

اس وقت خلیفہ نے بابک سے کوئی بات نہ کی اور اپنے قصر واپس چلا گیا۔

دوسرے دن خلیفہ نے حکم دیا "بابک کو ہاتھی پر بٹھا کر دربار میں لایا جائے۔"

قصر مطیرہ سے دربار تک لوگوں کا ہجوم تھا۔ یہ لوگ بابک کو ایک نظر دیکھنا چاہتے تھے۔

بابک کو جب ہاتھی پر بٹھایا جارہا تھا تو کسی شخص نے اس سے کہا "اے بدکردار شخص، تجھ سے جس قسم کے گناہ سرزد ہوئے ہیں۔ اس سے پہلے شاید ہی کسی انسان سے سرزد ہوئے ہوں۔ اب ان کا خمیازہ بھگتنے کا وقت آگیا ہے۔"

بابک نے نہایت بے شرمی سے جواب دیا "تو عن قریب میرے ثبات اور استقلال کو بھی دیکھ لے گا۔"

جب اسے خلیفہ کے سامنے پیش کیا گیا تو خلیفہ نے حکم دیا "اس کے جرائم اور گناہ بیان کیے جائیں۔"

Marfat.com

جب ان بیانوں کا سلسلہ شروع ہوا تو ان تمام باتوں کا ذکر ہوا جو غیر اسلامی تھیں، غیر اخلاقی اور قتل وغارت گری سے متعلق تھیں۔ ان میں یہ بھی بتایا گیا کہ بابک نے بیس سالہ جنگوں میں تقریباً دو لاکھ پچپن ہزار مسلمان شہید کیے۔

خلیفہ نے اس سے پوچھا "بتا تو نے بندگان خدا کا اتنا خون کیوں بہایا؟"

بابک نے دلیری سے جواب دیا "آپ سے یہ کس نے کہا تھا کہ آپ مجھ سے بلاوجہ جنگ کریں اور جب جنگ ہوتی ہے تو دونوں طرف کے آدمی قتل ہوتے ہیں۔ آپ نے اپنے آدمیوں کے قتل کا تو ذکر کیا ہے مگر وہ بھی تو حساب بتائیے جن کا تعلق ہمارے مقتولین سے ہے۔ ہمارے بھی آدمی مارے گئے ہیں۔"

خلیفہ نے دوسرا الزام لگایا "تو نے ہر طرف بدامنی پھیلائی، ہم اس جرم سے تجھ کو کبھی بھی مبرا قرار نہیں دیں گے۔"

بابک نے کہا "میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔ جنگ کا جواب جنگ سے دینا جرم نہیں ہوتا۔ اس تمام عرصے میں جب میں خلافت عباسیہ کی فوجوں کا مقابلہ کر رہا تھا تو ایک بار بھی بغداد، موصل یا کسی اور اسلامی شہر پر حملہ آور نہیں ہوا۔ جبکہ آپ کی فوجیں ہمیشہ ہماری طرف بڑھ بڑھ کر حملہ آور ہوتی رہیں۔ حملہ آور آپ تھے۔ اگر میں جیت جاتا اور آپ میری جگہ قیدی ہوتے تو مقدمہ میری عدالت میں چل رہا ہوتا اور یہی جرم آپ پر عائد کر دیا جاتا۔"

خلیفہ اس کی جرات اور بے باکی پر حیران رہ گیا۔

وزیر نے بابک کو درباری آداب بتائے کہ اسے خلیفہ کے سامنے اس قسم کی باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔

بابک نے کہا "اول تو یہ دربار نہیں ہے۔ یہ عدالت ہے اور عدالت کی طرف سے مجھ پر جو الزام لگائے جا رہے ہیں، ضروری ہے کہ میں ان کے صاف صاف واضح اور غیر مبہم جواب دوں۔"

خلیفہ نے پوچھا "تو کہتا ہے کہ تجھ میں خدا حلول کر گیا ہے۔ اب وہ خدا کہاں ہے؟ جس نے بقول تیرے تجھ کو بڑی طاقت بخشی تھی۔ تیرے اندر کا خدا تیری کوئی مدد نہیں کر رہا ہے؟"

بابک نے جواب دیا "اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ بڑے بڑے پیغمبروں پر مظالم ڈھائے گئے تو خدا نے ان کی کون سی مدد کر دی تھی اور اگر کوئی خدا ہے تو میں اس خدا کو برا بھلا کہتا ہوں اور تو اپنے اس خدا سے کہہ کہ وہ مجھے اس کی سزا دے یا میری زبان بند کروا دے۔ جب یہ سب نہیں ہو سکتا تو

Marfat.com

میرے اندر کا خدا سامنے کی طاغوتی طاقت کا کیا مقابلہ کرے گا۔ دنیا کے کام یونہی ہوتے رہیں گے اور وہ خدا جو مجھ میں حلول کر چکا ہے' مجھے کوئی دوسرا جسم بخش دے گا اور میں دوبارہ پھر آجاؤں گا۔ خدا ایک بار پھر مجھ میں حلول کر جائے گا اور یہ سلسلہ تا ابد جاری رہے گا۔"

خلیفہ معتصم باللہ نے حکم دیا "اس کا ایک ہاتھ کاٹ دیا جائے۔"

حکم کی تعمیل ہوئی اور اس کا ایک ہاتھ جسم سے الگ کر دیا گیا۔ کٹے ہوئے ہاتھ سے جو خون بہہ رہا تھا بابک نے اسے چلو میں لیا اور چہرے پر ملنے لگا۔

جلاد حیران تھا کہ بابک یہ کیا کر رہا ہے۔ کسی نے بابک سے پوچھا "تو اپنے چہرے پر یہ خون کیوں مل رہا ہے؟"

بابک نے جواب دیا "خون کے نکلنے سے میرا جسم پیلا پڑ جائے گا اور میں نہیں چاہتا کہ لوگ میرے چہرے کے پیلے رنگ کو دیکھ کر یہ کہیں کہ میں خوف سے پیلا پڑ گیا ہوں۔"

خلیفہ نے حکم دیا "اس کا دوسرا ہاتھ بھی کاٹ دیا جائے۔"

دوسرا ہاتھ بھی کٹ گیا۔ اب بابک نڈھال ہو کے زمین پر گر گیا۔

خلیفہ کے حکم سے دونوں ٹانگیں بھی کاٹ دی گئیں اور سب سے آخر میں گردن بھی الگ کر دی گئی اور اس کی لاش کو دجلہ کے کنارے پھینک دیا گیا۔

اس کی ماں اور بیوی کو رہا کر دیا گیا اور دونوں عزیزوں کو قتل کر دیا گیا۔ سات ہزار پانچ سو مسلمانوں کے رشتے داروں کو تلاش کروایا گیا۔ بازاروں' گلی کوچوں میں اعلانات ہوئے کہ لوگ آئیں اور اپنے عزیزوں کو پہچان کر اپنے ساتھ لے جائیں۔ یہ عمل مہینوں جاری رہا۔ لوگ آتے رہے اور پہچان پہچان کر اپنے عزیزوں کو لے جاتے رہے۔ یہاں تک کہ دوسرے شہروں میں بھی اعلانات ہوئے اور وہاں سے بھی لوگ اپنے گمشدہ عزیزوں کی تلاش میں آنے لگے اور یہ سلسلہ مہینوں جاری رہا۔

جعفر خیاط جن لوگوں کو پکڑ کے لایا تھا انہیں حکم دیا گیا کہ اگر وہ اپنے باطل عقائد سے توبہ کر لیں اور مسلمان ہو جائیں تو ان کی جاں بخشی ہو سکتی ہے۔ ورنہ انہیں قید میں ڈلوا دیا جائے گا۔

کہتے ہیں کہ ان سب نے اپنے عقائد سے توبہ کر لی اور رہا کر دیے گئے۔ رہائی کے بعد اپنے علاقوں میں واپس چلے گئے اور وہاں دوبارہ اپنا پرانا مذہب اختیار کر لیا اور مدتوں یہ مذہب قائم رہا۔

⊙✶⊙

بابک خرمی

Marfat.com

فاطمی خلافت کے بانی کے حالات
اور سوانح۔ ابنِ خلدون نے اس کو صحیح
النسب قرار دیا مگر جلال الدین سیوطی کو اس سے
اختلاف تھا۔ ابنِ خلدون کا قول تھا کہ حالت کفر والحاد میں
کسی کا ذریت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونا اس کو کچھ نفع
نہیں دے سکتا۔ وہ شخص کس طرح برسرِاقتدار لایا گیا اور اس کے
داعیوں نے کس طرح جھوٹ کو سہارا بنا کے اپنا مقصد حاصل کیا پھر ان
داعیوں کو کس طرح انتہائی بے دردی سے قتل کرد یاگیا۔ قرآن پاک کو
ظاہری اور باطنی تاویلات میں ڈال کر دین میں کتنا بڑا فتنہ کھڑا کردیا گیا۔
یہاں تک کہ اس کے ماننے والوں نے اس کی طرف منہ کرکے نمازیں پڑھنا شروع
کردیں۔ یہ سب کچھ اس کی مرضی سے ہورہا تھا لیکن وہ خود اس سے لاعلمی
ظاہر کررہا تھا حالانکہ اگر اس میں اس کی مرضی شامل نہیں تھی تو اس
کو ایسے لوگوں کو سزا دینی چاہیے تھی جو اس کی طرف منہ کرکے نماز
پڑھ رہے تھے اور اس کو سجدے کررہے تھے۔ ان میں ایک ایسا شخص
بھی موجود تھا جو عبیداللہ مہدی کو خدا کہتا تھا۔انھی کے ایک
ماننے والے عالم ڈاکٹر زاھد علی نے ان کو بے نقاب کردیا
اور وہ باتیں جو ہمارے علم میں کبھی بھی نہیں
آسکتی تھیں، بہ آسانی ہم تک پہنچ
گئیں۔

مضمون کے مآخذ

تاریخ ابن خلدون — علامہ ابن خلدون
تاریخ کامل — ابن اثیر
فتوح البلدان — بلاذری
تاریخ اسلام — اکبرشاہ خان نجیب آبادی
مدارج النبوۃ — عبدالحق محدث دھلوی

عبیداللہ مہدی

Marfat.com

عبیداللہ مہدی

پیدائش ۸۷۴ء - وفات ۹۳۴ء

خلافتِ فاطمہ کا بانی عبیداللہ مہدی اپنے آپ کو ہاشمی کہتا تھا اور خود کو حضرت فاطمہ زہراؓ کی اولاد بتاتا تھا حالانکہ جب عبیداللہ نے ملک کے مغرب میں جاکر اپنے علوی ہونے کا دعویٰ کیا تو علمائے نسب میں سے کسی نے بھی اس کا دعویٰ قبول نہیں کیا۔ البتہ وہ لوگ جو الانساب نہیں رکھتے تھے انہوں نے عبیداللہ کے خاندان کو فاطمی کہنا شروع کردیا اور وہ قریشی مشہور ہوگیا۔

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ بنو عبید کا پانچواں حکمران عزیزباللہ منبر پر چڑھا تو اس نے چند اشعار ایک کاغذ پر لکھ دیکھے "میں نے ایک مکروہ نسب آدمی کو جامع مسجد کے منبر پر دیکھا۔ اگر تو اپنے دعوے میں سچا ہے تو بتلا کہ ساتویں پشت میں تیرا بزرگ کون تھا۔ اگر تجھے اپنے قول کی تصدیق ہے تو اپنا نسب بتلا۔ انساب بنی ہاشم تو ایسے ہیں کہ بڑے بڑے طامعین کا دستِ تصرف بھی ان سے قاصر ہی رہا۔"

اسی حکمران عزیزباللہ نے ایک مرتبہ ایک خط اندلس کے اموی خلیفہ کے نام مشعر بہ ہجو ودشنام لکھا۔

اُموی حکمران نے اس کے جواب میں عزیزباللہ کو لکھا "حمد وصلوۃ کے بعد معلوم ہوا کہ تجھے ہمارا نسب معلوم تھا اس لیے تو نے ہماری توہین اور دشنام دہی پر قدرت پائی۔ اگر ہمیں بھی تیرا نسب معلوم ہوتا تو تیری طرح ہم بھی طعن و تشنیع کرسکتے۔"

اس جواب میں یہ اشارہ موجود ہے کہ تو ایک گمنام خاندان کا آدمی ہے۔

عزیز کو یہ جواب سخت شاق گزرا لیکن خاموشی کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

عبیداللہ مہدی

Marfat.com

اسی طرح ایک مرتبہ ابنِ طباطبا علوی نے عبیداللہ سے اس کا حسب ونسب پوچھا تو اس نے اپنی نصف تلوار میان سے کھینچ کر کہا "یہ میرا نسب ہے" پھر کچھ اشرفیاں امرا اور حاضرین کی طرف پھینک کر کہا "یہ میرا حسب ہے۔"

یہ روایتیں جلال الدین سیوطی کی تاریخ الخلفا میں موجود ہیں لیکن ابنِ خلدون نے اپنے مقدمہ تاریخ میں عبیداللہ کے علوی النسب ہونے کو تسلیم کیا ہے اور لکھا ہے کہ اگر عبیداللہ اور اس کے جانشین ملحد اور غالی شیعہ تھے تو یہ تشیع والحاد ان کے صحیح النسب ہونے میں مانع نہیں ہو سکتا اور نہ حالت کفر والحاد میں کسی کا ذریت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونا اس کو کچھ نفع دے سکتا ہے۔"

فاطمینِ مصر کے بقول حضرت امام جعفر صادقؑ نے اپنے بڑے بیٹے حضرت اسماعیل کو منصوص بنایا اور انہوں نے اپنی وفات کے وقت اپنے صاحب زادے حضرت محمد کو امامت کے لیے منصوص کیا۔ حضرت اسماعیل اپنے والد کی زندگی میں ہی انتقال فرما گئے تھے اس لیے ان کے صاحب زادے حضرت محمد اپنے دادا حضرت امام جعفر صادقؑ کے ساتھ ان کے گھر میں تاحیات رہے۔

کہتے ہیں کہ عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور نے حضرت امام صادقؑ کے نام احکام جاری کیے تھے کہ وہ اپنے بیٹے اسماعیل کو حکومت کے حوالے کردیں۔ اسی اثنا میں حضرت اسماعیل کا انتقال ہو گیا۔ خلیفہ مذکور کو ان کی موت کا یقین دلانے کے لیے حضرت امام جعفر صادقؑ نے مدینہ منورہ کے سربرآوردہ لوگوں کو اس واقعے کا گواہ بنایا۔ ان میں عاملِ مدینہ بھی شامل تھا۔

جو شخص آتا اس کے سامنے حضرت اسماعیل کے کفن کے بند کھولے جاتے اور ان کا چہرہ دکھایا جاتا۔ عاملِ مدینہ نے خلیفہ کو اس واقعے کی اطلاع دی۔

اسی لیے حضرت اسماعیل کے صاحب زادے حضرت محمد کو اتنا پوشیدہ رکھا گیا کہ ان کا نام ہی محمد مکتوم پڑ گیا۔

حضرت محمد کے بعد ان کی نسل سے جو ائمہ گزرے ہیں ان کو ائمہ مستورین کہا جاتا ہے۔ ان کی پوشیدگی کے متعلق ابنِ خلدون نے کسی شاعر کا ایک شعر نقل کیا ہے جس کا مفہوم کچھ یوں ہے۔

"اگر تو (اے میری بیوی) زمانے سے میرا نام پوچھے تو زمانہ بتا نہ سکے گا اور اگر تو میرا مکان دریافت کرے تو زمانہ اس سے بے خبر رہے گا۔"

حضرت امام جعفر صادقؑ کے بعد ہارون الرشید نے ان کو قتل کرنا چاہا تو خلیفہ کی چہیتی بیوی زبیدہ خاتون نے پوشیدہ طور پر ان کو مطلع کردیا اور یہ اپنے بھائی علی کے ساتھ کوفہ میں مقیم ہو گئے۔ اسی جگہ

عبیداللہ مہدی

Marfat.com

ان کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام عبداللہ رکھا گیا۔ اس کے بعد کوفہ کو بھی چھوڑ دیا گیا اور ایران کے شہر میں سکونت اختیار کی اور وہاں اسحٰق بن عباس فارسی کے ہاں عرصے تک مقیم رہے۔ یہ خبریں بغداد پہنچیں تو خلیفہ ہارون الرشید نے اسحٰق سے حضرت محمد کو طلب کیا۔ اسحٰق نے ان کو نہاوند کے قلعے میں منصور بن حوشب کے پاس روانہ کر دیا اور یہ عرصے تک یہیں مقیم رہے اور منصور کی لڑکی سے شادی کر لی۔

ہارون الرشید نے ان کی گرفتاری کے لیے دو سو پچاس ترک غلاموں کو روانہ کیا لیکن حضرت محمد اپنے اہل و عیال کے ساتھ شاہ پور ہوتے ہوئے فرغانہ چلے گئے۔ وہیں ان کا انتقال ہو گیا اور وہیں دفن ہوئے اور ان کی جگہ ان کے صاحب زادے عبداللہ منصوص ہوئے۔

حضرت عبداللہ نے جب یہ دیکھا کہ خلافتِ عباسیہ ان کی تلاش میں ہے تو فرغانہ سے رام ہرمز اور وہاں سے ویلم چلے گئے جہاں ایک عرب خاتون سے شادی کر لی۔ ان خاتون سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام احمد رکھا گیا۔

اب حضرت عبداللہ نے اپنے لیے باقاعدہ کام شروع کر دیا۔ اپنے بھائی حسین کو اپنا داعی بنایا۔ حسین نے مختلف مقامات پر اپنے نائب بھیجے اور خاصی کامیابی حاصل کی۔ لوگوں کی بڑی تعداد ان کے مقلدین میں شامل ہو گئی۔

ہرمز کے قریب سیلمہ میں عبداللہ کا انتقال ہو گیا اور وہیں مدفون ہوئے اور ان کے بیٹے حضرت احمد منصوص ہوئے۔ یہ مامون الرشید عباسی کا عہد تھا۔

حضرت امام احمد نہایت عالم و فاضل تھے اور ان کی کوشش تھی کہ علوم کی زیادہ سے زیادہ اشاعت ہو۔ فرقہ باطنیہ میں مشہور ہے کہ رسائل اخوان الصفا امام احمد ہی نے تحریر فرمائے ہیں۔ یہ بھی خلیفہ کے خوف سے خود کو مخفی رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ تاجروں کے لباس میں کبھی ویلم میں ہوتے کبھی سرمن رائے میں۔ آخری عمر میں سیلمہ میں اقامت فرمائی۔ یہیں شادی بھی کی اور پیدا ہونے والے بیٹے کا نام حسین رکھا۔ امام حضرت احمد کا انتقال سیلمہ میں ہوا اور ان کے بعد حسین منصوص ہوئے۔ انہوں نے سب سے پہلے اپنے جدِ بزرگوار حضرت علیؓ ابن ابی طالب کے مقبرے کی زیارت کی۔

حضرت حسین نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اب بات آگے بڑھنی چاہیے۔ وہ مسلسل چھپے رہنے کی کارروائی کو مناسب نہیں سمجھتے تھے اور اپنی حکومت کا منصوبہ بنا رہے تھے۔ جن خطوں میں ان کے ماننے والے موجود تھے وہاں اپنے نائب بھیج کر ان کو سرگرم عمل رکھنے کا منصوبہ بنایا اور اس سلسلے میں

عبیداللہ مہدی

Marfat.com

یمن ان کا اہم مرکز قرار پایا۔ یمن میں ان کے ماننے والوں کی کثرت تھی۔

یمن میں بڑی کامیابی حاصل ہوئی۔ حسین کی نظر میں اندلس سے لے کر افریقہ، مصر، عرب، عراق، ایران اور ترکستان یہ سارے علاقے تھے۔ وہ ان سب کو ذہن میں رکھ کر سوچ رہے تھے کہ انہیں اپنے مقصد کے لیے کس ملک کا انتخاب کرنا چاہیے اور وہ کون سا خطہ ہے جس پر ان کی تبلیغ و اشاعت کا غیر معمولی اثر ہو سکتا تھا اور یہ کہ وہاں خلافتِ عباسیہ کا کتنا اثر و اقتدار پایا جاتا ہے اور آخر کار اپنے مقصد کے لیے افریقہ کے اس حصے کو پسند کر لیا جہاں بربری قبائل آباد تھے۔ یہ بربری قبائل ہتھیاروں کے استعمال میں بڑی شہرت رکھتے تھے اور نئے مذہبی عقائد اختیار کرنے میں بھی ان کا کوئی جواب نہ تھا۔ یہ خطہ بغداد سے دور ہونے کی وجہ سے اس کے قابو میں نہیں تھا۔ یہاں سے حکومت کی آمدنی کم تھی اور اخراجات بہت زیادہ اس لیے اس پر زیادہ توجہ نہیں دی جاتی تھی۔

حضرت حسین نے اس علاقے کو اپنے عقائد کی ترویج و اشاعت کے لیے مناسب قرار دیا۔

اب کسی ایسے شخص کی تلاش ہوئی جو وہاں حضرت حسین کے بیٹے عبید اللہ کی حکومت کے لیے کام کر سکے۔ حضرت حسین نے یہ قطعی فیصلہ کر لیا تھا کہ اب اس خاندان کی خلافت قائم ہو جانی چاہیے۔

حضرت حسین نے خود کو ہر جگہ عباسی کہنا اور کہلوانا شروع کر دیا تھا جس سے ان کو چھپنے کی روش نہیں اختیار کرنا پڑی۔

عبید اللہ کا ابھی بچپن تھا اور حضرت حسین کو اپنی زندگی کا بھروسا نہیں تھا اس لیے اپنے بھائی حبیب کو وصیت کی کہ ان کے بعد ان کا بیٹا عبید اللہ منصوص ہے۔

حضرت حسین کا بھی انتقال ہو گیا اور اس دوران میں حبیب کی نیت بدل گئی۔ اس نے اپنے بیٹے کو منصوص کیا جس کا کچھ عرصے بعد انتقال ہو گیا۔ اس کے بعد دوسرے بیٹے کو منصوص کیا مگر اس کا بھی انتقال ہو گیا۔ جب یہ سلسلہ کئی بیٹوں کی موت کے بعد قائم نہ رہ سکا تو اس نے اپنے بھتیجے عبید اللہ کے لیے کام شروع کر دیا۔

حبیب کو لوگ سعید الخیر بھی کہتے تھے اور حبیب کو معلوم تھا کہ اس کو عبید اللہ کے لیے افریقہ میں کام شروع کروانا تھا۔ اس کام کے لیے اس کو کسی موزوں ترین شخص کی ضرورت تھی۔ اتفاق کی بات ہے کہ اس کی ملاقات ابو عبد اللہ نامی شخص سے ہو گئی۔ ابو عبد اللہ میں بڑی صلاحیتیں پائی جاتی تھیں مگر اس میں علمیت کی کمی تھی۔

عبید اللہ مہدی

Marfat.com

ابو عبداللہ صنعا کا رہنے والا تھا۔ یہ نہایت ذہین' ہوشیار و چالاک شخص تھا۔ اس کا نام حسن بن احمد تھا مگر اپنی کنیت ابو عبداللہ کے نام سے مشہور تھا۔

حبیب نے اس کو اسمائیلی عالم ابو حوشب کے حوالے کیا اور یہ کچھ عرصے اس کے زیر تربیت رہا۔ جب فارغ التحصیل ہو گیا تو حبیب نے ابو حوشب کو حکم دیا کہ ابو عبداللہ کو تمام نشیب و فراز سمجھا کر افریقہ روانہ کر دیا جائے تاکہ وہاں وہ لوگوں کو عبیداللہ کی مہدویت کی دعوت دے۔

ابو حوشب نے اس کے ساتھ ایک اور شخص کر دیا۔ اس شخص کا نام عبداللہ بن ابو ملاحف تھا۔ ان لوگوں کا یہ قاعدہ تھا کہ وہ کسی داعی کو کہیں تنہا نہیں بھیجتے تھے' ہر داعی کے ساتھ ایک نائب ضرور ہوتا تھا جس کی وجہ سے کسی داعی کی اتفاقی یا حادثاتی موت کی وجہ سے اس کی جگہ خالی نہیں رہتی تھی۔

ابو حوشب نے عبداللہ کو ابو عبداللہ کے حوالے کرتے ہوئے کہا "یہ تیرا نائب ہے جو ہر جگہ تیرے ساتھ ساتھ رہے گا۔"

ابو عبداللہ نے پوچھا "اب میرے لیے کیا حکم ہے؟"

ابو حوشب نے جواب دیا "یہ حج کا زمانہ ہے۔ تو یمنی حاجیوں کے ساتھ مکہ معظمہ روانہ ہو جا اور وہاں افریقہ سے آئے ہوئے بربری قبائل کا پتا لگا کے ان کے قریب قیام کر۔ اپنے زہد و تقویٰ اور علمی باتوں سے ان پر اثر انداز ہونے کی کوشش کر اور پھر ان کے ساتھ مصر روانہ ہو جا۔ اس کے بعد تجھ کو کیا کرنا ہے' تمام فیصلے تو خود کرے گا۔"

اب ابو عبداللہ کو روپے پیسے کی ضرورت تھی۔ اس کا بھی انتظام کر دیا گیا۔ یمنی حاجیوں کا قافلہ تیار تھا۔ یہ دونوں اس کے ساتھ مکہ معظمہ روانہ ہو گئے۔ مکہ معظمہ پہنچ کر افریقی حاجیوں کے قیام کی جگہ کا پتا چلایا اور ان کے قریب ایک خیمہ نصب کر کے اس میں مقیم ہو گئے۔ اب ابو عبداللہ غیر معمولی زہد و تقویٰ کا مظاہرہ کرنے لگا۔ بظاہر یہ نہایت خاموش طبع تھا مگر جب کبھی یہ گفتگو کرتا تھا تو سننے والوں کو بے حد متاثر کرتا تھا۔ اس کا نرم و شگفتہ لہجہ بڑا اثر انگیز تھا۔ اس کی ہر بات دلیلوں سے مرصع ہوتی تھی اور وہ بہترین مثالوں سے سامع کے دل و دماغ کو اپنے قابو میں کر لیتا تھا۔ افریقی حاجیوں نے اس کا بے حد اثر قبول کیا اور وہ مناسکِ حج کی ادائیگی کے بعد اپنا زیادہ وقت ابو عبداللہ کی صحبت میں گزارنے لگے۔ اس کی صحبت اور باتوں سے ان کا دل نہیں بھرتا تھا۔ اگر ابو عبداللہ ان سے یہ کہتا کہ تم لوگ اپنے وطن واپس نہ جاؤ تو افریقی اس کا کہنا مان لیتے مگر ابو عبداللہ نے ان پر مزید اثر انداز ہونے کے لیے دوسرا طریقہ اختیار کیا اور کچھ کہے بغیر ان کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ افریقی بہت خوش تھے کہ ابو عبداللہ

عبیداللہ مہدی

Marfat.com

ان کا ہم سفر تھا۔ پہلے تو افریقی خاموش رہے اور اس کے ساتھ ساتھ سفر کرتے رہے لیکن راستے میں ان لوگوں نے ابو عبداللہ سے پوچھا "آپ کہاں کا ارادہ رکھتے ہیں؟"

ابو عبداللہ نے جواب دیا "مصر کا۔"

ہم سفر افریقیوں نے پوچھا "مصر میں آپ کہاں جائیں گے؟"

ابو عبداللہ نے اس کا گول مول جواب دیا۔

اب اس نے اپنا کام شروع کر دیا تھا۔ وہ ہر افریقی سے ملتا تھا۔ اس سے باتیں کرتا اور اس سے افریقہ کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرتا تھا یہاں تک کہ وہ مصر تک پہنچتے پہنچتے افریقہ کے بارے میں غیر معمولی معلومات حاصل کر چکا تھا۔ اس نے کم پڑھے لکھے اور جاہل افریقیوں سے ان کے گاؤں گاؤں اور قریہ قریہ تک کی معلومات حاصل کر لی تھیں۔ اب وہ افریقہ کے غیر معروف اور تقریباً گم نام حصوں سے بھی واقف ہو چکا تھا۔

مصر میں داخل ہونے کے بعد افریقیوں نے پھر یہی سوال کیا "آپ مصر میں کہاں جائیں گے اور کس کے پاس قیام کریں گے؟"

ابو عبداللہ نے جواب دیا "میں مصر میں ہر اُس جگہ جاؤں گا جہاں سے بھی مجھے علم حاصل ہو گا۔"

افریقیوں نے پوچھا "اس سفر میں آپ کا مقصد کیا ہے؟"

ابو عبداللہ نے جواب دیا "تحصیلِ علم، صرف تحصیل علم۔ مجھے علم کی پیاس مصر لائی ہے۔"

افریقیوں نے کہا "اگر یہ بات ہے تو آپ کو ہمارے ساتھ افریقہ چلنا چاہیے۔ وہاں آپ کو زیادہ لائق عالم ملیں گے اور آپ کی علم کی پیاس وہاں اچھی طرح بجھ سکے گی۔"

ابو عبداللہ نے دریافت کیا "تمہارا سلطان کون ہے اور اس کی حکومت کیسی ہے؟"

انہوں نے جواب دیا "چونکہ ہمیں سلطان کی اطاعت نہیں کرنی پڑتی اس لیے اس کا ذکر ہی فضول ہے۔"

ابو عبداللہ نے حیرت سے پوچھا "تمہیں اس کی اطاعت کیوں نہیں کرنی پڑتی؟"

بربریوں نے جواب دیا "سلطان ہم سے دس دن کی مسافت پر رہتا ہے۔"

ابو عبداللہ بہت خوش تھا کہ اس جگہ وہ نہایت سکون سے کام کر سکے گا کیونکہ وہاں حکومت کے کارندے اس کی نگرانی نہیں کر سکیں گے۔

ابو عبداللہ نے پوچھا "تم لوگ اسلحے سے بھی کام لیتے ہو؟"

عبیداللہ مہدی

Marfat.com

بربریوں نے جواب دیا "اس کے سوا ہمارا شغل ہی کیا ہے؟"

مصر میں ابو عبداللہ نے رکنا چاہا تو بربریوں نے پوچھا "آپ یہاں صرف تحصیل علم کے لیے رکنا چاہتے ہیں یا اس کے علاوہ بھی کوئی مقصد ہے؟"

ابو عبداللہ نے جواب دیا "صرف یہی مقصد ہے۔"

بربریوں نے اصرار کیا "تو پھر آپ ہمارے ساتھ چلیں۔ ہمارے یہاں آپ کی یہ خواہش بھی پوری ہو جائے گی اور لوگ آپ کی خدمت بھی کر سکیں گے۔"

جب بربریوں نے بہت زیادہ اصرار کیا تو ابو عبداللہ ان کے ساتھ ہو لیا۔ یہ لوگ ابو عبداللہ کو اپنے ساتھ کتامہ لے گئے۔ یہ قافلہ پندرہ ربیع الاول دو سو اٹھاسی ہجری کو کتامہ پہنچا۔ لوگوں نے یہاں اپنا سفر ختم کیا لیکن انہیں ایسا لگا جیسے ابو عبداللہ آگے کا ارادہ رکھتا ہے۔ بستی میں اہل قافلہ نے ابو عبداللہ کا ذکر کچھ اس انداز میں کیا کہ بستی کے لوگ بھی ابو عبداللہ کے پیچھے پڑ گئے کہ وہ ان کی بستی میں ہی رہے۔

ابو عبداللہ نے کہا "میں تم لوگوں میں رہ تو سکتا ہوں مگر مجھے اندیشہ ہے کہ میرے حریف اسے پسند نہیں کریں گے اور اس کا بھی امکان ہے کہ وہ میرے خلاف تم سے مجادلہ کریں۔"

بستی کے لوگوں نے جواب دیا "ہم نے آپ سے کہا تو ہے کہ اسلحے کا استعمال تو ہمارا مشغلہ ہے۔ اگر کوئی آپ کو نقصان پہنچانا چاہے گا تو ہم اس کا مقابلہ کریں گے۔ آپ کے لیے اس سے جنگ کریں گے۔"

ابو عبداللہ نے دیکھا کہ بستی کے لوگ پوری طرح اس کے قابو میں آ چکے ہیں۔ اب اس نے ایک نئی چال چلی اور ایک ایسے گاؤں کا نام لیا جو تقریباً بالکل ہی غیر معروف تھا اور ان لوگوں کے خیال میں کسی غیر افریقی کا اس سے واقف ہونا حیرت انگیز بات تھی۔ ابو عبداللہ نے اچانک سوال کیا "یہاں مقام فج الاخیار بھی کوئی جگہ ہے۔"

لوگوں کو اس سوال پر بڑی حیرت ہوئی اور وہ اسے بھی ابو عبداللہ کی کرامت سمجھنے لگے، جواب دیا "ہاں! یہاں اس نام کی ایک بستی ہے تو سہی مگر حیرت ہے کہ آپ بھی اس بستی سے واقف ہیں۔"

ابو عبداللہ نے قافلے کے گمنام لوگوں سے اس قسم کی کئی دوسری معلومات بھی حاصل کر رکھی تھیں۔

بربریوں نے ابو عبداللہ کو خاموش دیکھا تو کہا "آپ فکر نہ کریں، آپ کی معلومات درست ہیں۔

عبیداللہ مہدی

Marfat.com

یہاں فج الاخیار نامی ایک بستی ہے اور قبیلہ بنی سلیمان کے علاقے میں واقع ہے۔"

ابو عبداللہ نے بڑے رمزیہ انداز میں کہا "میں وہیں قیام کروں گا کیونکہ مجھے ہدایت کی گئی ہے کہ میں فج الاخیار میں قیام کروں مگر یہ میرا وعدہ ہے کہ میں وہاں سے وقتاً فوقتاً تم لوگوں میں آتا رہوں گا۔"

اب اہل کتامہ کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ ابو عبداللہ صاحبِ کشف ہے اور وہ لوگ ابو عبداللہ کو ناراض نہیں کر سکتے تھے' اس کی خوشی میں خوش تھے۔

چند آدمی ابو عبداللہ کی رہبری کے لیے ساتھ ہو لیے اور وہ ابو عبداللہ کو لے کر انکجان پہنچ گئے۔ اس کی ایک وادی میں فج الاخیار نامی بستی واقع تھی۔

ابو عبداللہ نے اپنے رہبروں کو راستے سے واپس کر دیا اور اس بستی میں تنہا داخل ہوا۔

جو شخص یہاں سب سے پہلے ملا ابو عبداللہ نے اس کو اشارے سے روکا اور نہایت پُروقار لہجے میں پوچھا "کیا یہی فج الاخیار ہے؟"

فج الاخیار کا یہ شخص کوئی مذہبی پیشوا تھا۔ اس نے اس اجنبی کو ذرا حیرت سے دیکھا اور یہ اندازہ لگا لیا کہ یہ مصر یا افریقہ کے کسی علاقے سے تعلق نہیں رکھتا۔ یہ کوئی اجنبی ہے اور کسی خاص وجہ سے یہ سوال کر رہا ہے۔"

اس نے جواب دیا "ہاں! اسی جگہ کو فج الاخیار کہتے ہیں مگر آپ نے یہ سوال کیوں کیا؟"

ابو عبداللہ نے جواب دیا "شاید تم لوگ نہیں جانتے کہ تمہاری نیکیوں اور خوبیوں کی وجہ سے اس جگہ کا نام فج الاخیار پڑ گیا ہے۔"

اس شخص نے حیرت سے کہا "مگر آپ کو یہ ساری باتیں کس طرح معلوم ہوئیں؟"

ابو عبداللہ نے جواب دیا "میں نے اخبار و آثار میں کہیں پڑھا تھا کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ امام مہدی علیہ السلام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح اپنے وطن سے ہجرت کرنا پڑے گی اور اخیار لوگ مہدی علیہ السلام کے حامی و مددگار ہوں گے۔"

یہ عجیب و غریب پیش گوئی اور بشارت فج الاخیار والوں کو بڑی بابرکت محسوس ہوئی۔ مذہبی پیشوا نے پوچھا "اخبار و آثار میں آپ نے اور کیا پڑھا تھا؟"

ابو عبداللہ نے جواب دیا "یہیں کہیں کوئی ایسا علاقہ بھی ہونا چاہیے جہاں کے لوگ وہ ہوں گے جن کا نام لفظ کتمان سے نکلا ہو گا۔ مجھے بتاؤ کہ یہاں کوئی ایسی بستی ہے۔"

اس نے جواب دیا "بے شک یہاں کتامہ نام کی ایک بستی موجود ہے۔"

عبیداللہ مہدی

Marfat.com

ابو عبداللہ نے جواب دیا "تو کتامہ والے لوگ بھی اخیار میں شمار ہوں گے کیونکہ وہ بھی امام مہدی علیہ السلام کے حامی و مددگار ہوں گے۔"

اب کیا تھا' پوری بستی میں ہر طرف ابو عبداللہ کا شہرہ ہو گیا اور یہ لوگ امام مہدی کی تشریف آوری کے منتظر ہو گئے۔

فج الاخیار والوں کو اب یہ معلوم کرنا تھا کہ جو شخص امام مہدیؑ کی تشریف آوری کی بشارت دے رہا ہے وہ خود کون ہے؟

جب اس سے یہ سوال کیا گیا تو ابو عبداللہ نے جواب دیا "میں تو محض امام مہدی علیہ السلام کا ایک غلام ہوں۔ مجھے حکمِ ربی ہوا اور اخبار و آثار میں جو کچھ پڑھا تھا اس کی خبر دینے تم لوگوں میں آگیا تاکہ جو مجھے معلوم ہوا ہے اور جس سے تم لاعلم ہو' میں تم سب کو اس کی خبر دوں۔"

بستی والوں نے ابو عبداللہ کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اس کے ہاتھوں کو بوسہ دینے لگے۔

ابو عبداللہ نے جواب دیا "یہ بھی کوئی اللہ کا نیک بندہ ہے اور راہ میں کسی جگہ سے میرے ساتھ ہولیا اور اب سائے کی طرح میرے ساتھ رہتا ہے۔ میری خدمت کرتا ہے اور زبان سے کچھ نہیں کہتا۔"

ان لوگوں نے عبداللہ سے پوچھا "تو نے کیا سمجھ کے اس بزرگ کا ساتھ اختیار کیا ہے؟"

عبداللہ نے جواب دیا "مجھے خواب میں ایک شکل دکھائی دی گئی تھی اور حکم دیا گیا تھا کہ اس کا ساتھ اختیار کر۔ یہ خانوادہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک فرد کی بشارتیں دیتا پھرے گا۔ اس کی خدمت کرنا اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے مترادف ہو گا اور اب میں نے اپنی پوری زندگی اس شخص کے لیے وقف کر دی ہے۔"

ان دونوں کا چرچا ہر طرف ہونے لگا۔ اب اس علاقے کے سارے لوگ دوسری بہت سی باتیں بھی ابو عبداللہ سے سننا اور جاننا چاہتے تھے۔ کہتے تھے کہ ہمیں دین کے بارے میں وہ ساری باتیں بتاؤ جن کا ہمیں ابھی تک علم نہیں ہو سکا۔

ابو عبداللہ نے کہا "میں تمہیں اور بہت ساری باتیں بھی بتا دوں گا مگر اے اللہ کے نیک بندو! اس سے پہلے تمہیں مجھ سے ایک وعدہ کرنا ہو گا۔"

بستی والوں کے شوق میں اضافہ ہوا' پوچھا "کس قسم کا وعدہ؟ آپ جو کہیں گے وہ ہم کریں گے۔"

ابو عبداللہ نے جواب دیا "تو پھر مجھ سے یہ وعدہ کرو کہ میں تمہیں جو کچھ بتاؤں گا تم اسے راز رکھو

Marfat.com

گے۔ غیروں سے اس کا ذکر نہیں کرو گے اور میں جو کچھ تمہیں بتاؤں گا اس پر بہ صمیمِ قلب ایمان لاؤ گے۔"

ابو عبداللہ نے تلقین شروع کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ نصوص جلیلہ وارشادات واضحیہ حضرت علیؓ کے حق میں خلافت کی وصیت فرمائی تھی لیکن اس پر عمل نہیں ہوا...وغیرہ وغیرہ۔

بربری یوں بھی عربوں سے نفرت کرتے تھے' ان پر ان باتوں کا اثر ہوا۔

ابو عبداللہ نے ان لوگوں کو بتلایا "حضرت علیؓ نے اپنے بیٹے حضرت حسنؑ کو اور پھر حضرت حسنؑ نے اپنے بھائی حضرت حسینؑ کو' حضرت حسینؑ نے اپنے فرزند حضرت علی معروف بہ حضرت امام زین العابدینؑ کو' حضرت امام زین العابدینؑ نے اپنے فرزند حضرت امام محمد باقرؑ کو' حضرت امام باقرؑ نے اپنے بیٹے حضرت امام جعفر صادقؑ کو' حضرت امام جعفر صادقؑ نے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل کو' حضرت اسماعیل نے اپنے بیٹے حضرت محمد مکتوم کو' حضرت محمد مکتوم نے اپنے بیٹے حضرت عبداللہ کو' حضرت عبداللہ نے اپنے بیٹے حضرت احمد کو' حضرت احمد نے اپنے بیٹے حضرت حسین کو اور حضرت حسین نے اپنے فرزند حضرت عبیداللہ مہدی کو اپنا وصی اور سریرِ خلافت کا جانشین اور وارث مقرر فرمایا تھا اور یہ حضرت عبیداللہ مہدی عنقریب خروج کیا چاہتے ہیں۔ انہوں نے ہم کو اسی جگہ قیام کرنے کی تلقین کی تھی۔"

کتامہ کے علماؒ نے ابو عبداللہ سے اختلاف کیا اور ابو عبداللہ کو مناظرے کی دعوت دی۔ ابو عبداللہ نے مناظرے سے انکار کیا۔ لوگ اپنے زود اعتقادی کی وجہ سے ابو عبداللہ کے ساتھ ہو گئے۔ نوبت فتنہ وفساد تک پہنچ گئی مگر معاملہ رفع دفع ہو گیا اور اب ابو عبداللہ اور عبداللہ دونوں ہی سرگرم عمل ہو گئے۔ یہ لوگوں میں نہایت خفیہ طریقے سے تلقین و تبلیغ کر رہے تھے۔ اس نے سادہ لوح لوگوں میں بار بار یہ تکرار جاری رکھی کہ عبیداللہ مہدی عنقریب خروج کیا چاہتے ہیں۔ ان کے معین وانصار وہ لوگ ہوں گے جو اپنے زمانے کے اخیار ہوں گے۔ ان کے انصار کا نام کتمان سے مشتق ہے جو صاف طور سے ظاہر نہیں فرمایا مگر قرینہ یہ کہتا ہے کہ غالباً یہی اہلِ کتامہ ہوں گے۔

ابو عبداللہ کا اثر روز بروز بڑھنے لگا اور انتہائی راز رکھنے کے باوجود یہ خبریں عام ہوئیں تو کتامہ ہی کے بعض آدمیوں نے یہ خبریں امیرِ افریقہ ابراہیم بن احمد بن اغلب کو پہنچا دیں۔

امیر نے شہر میلہ کے عامل کو لکھا "کتامہ اور فج الاخیار میں ابو عبداللہ نامی شخص جو کچھ کر رہا ہے' وہ تشویش ناک ہے۔ ساری معلومات بالتفصیل لکھی جائیں۔"

عبیداللہ مہدی

Marfat.com

چونکہ ابو عبداللہ کی ساری کوششیں نہایت رازداری سے جاری تھیں اور بار بار یہ ہدایت کی جارہی تھی کہ انہیں جو کچھ بتایا جارہا ہے اسے راز میں رکھا جائے۔ اس ہدایت پر لوگ سختی سے عمل کررہے تھے چنانچہ امیرِ افریقہ کی ہدایت پر شہر میلہ کے عامل نے تحقیقات شروع کیں تو اسے کوئی خاص بات معلوم نہیں ہوسکی۔ اس نے امیرِ افریقہ کو لکھا "ابو عبداللہ بالکل معمولی سا شخص ہے اور قطعی اس قابل نہیں کہ حضور اس کا کچھ خیال فرمائیں۔ وہ موٹا جھوٹا لباس پہنتا ہے اور لوگوں کو نیکو کاری، زہد و تقویٰ اور عبادت الٰہی کی تاکید کیا کرتا ہے۔"

اس جواب نے فرمانروائے افریقہ کو مطمئن کردیا اور ابو عبداللہ اور عبداللہ اپنی کوشش میں مشغول رہے۔ بات یہاں تک بڑھی کہ حاکمِ بربر کے احکام بے اثر ہونے لگے لیکن یہاں عبداللہ کے مخالف بھی موجود تھے اور وہ اس کی مخالفت پر اتر آئے اور اس مخالفت نے اتنی شدت اختیار کی کہ وہ ابو عبداللہ کے قتل پر متفق ہوکر اٹھ کھڑے ہوئے اور ان میں آپس میں خون خرابا شروع ہوگیا۔

ابو عبداللہ نے جب یہ دیکھا کہ اس کی کوششیں اس حد تک بار آور ہوگئی ہیں کہ لوگ اس کی خاطر اپنی جان اور اپنوں کی جان لینے پر آمادہ ہوگئے ہیں تو وہ خود اپنے ساتھی عبداللہ کے ساتھ روپوش ہوگیا اور بربریوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا۔

علاقہ کتامہ کے اکابر اور معززین میں حسن بن ہارون ایک نہایت دولت مند شخص تھا اور جیسا کہ قاعدہ کلیہ ہے کہ اس قسم کے لوگ نہایت چالاک اور موقع شناس ہوتے ہیں اور ان کی نظریں آنے والے دنوں کو بھانپ لیتی ہیں۔ وہ خود اپنے عہد اور اپنے لوگوں میں بڑے ہوتے ہیں اور اس سے زیادہ بڑے بننے کی فکر کرنے لگتے ہیں۔ چنانچہ اس شخص نے بھی وقت سے فائدہ اٹھایا اور ابو عبداللہ کو اپنی حفاظت میں لے لیا۔

حسن بن ہارون کو خوب اندازہ تھا کہ وہ اپنی دولت کی وجہ سے غریب بربریوں کو اپنی طرف ملتفت کرنے میں بہ آسانی کامیاب ہوجائے گا۔

حسن بن ہارون نے ابو عبداللہ کو ساتھ لیا اور ناصرون نامی شہر میں مقیم ہوگیا۔ عام بربری حسن بن ہارون کی دولت، ثروت اور شان و شوکت سے بے حد متاثر تھے۔ انہوں نے جب یہ دیکھا کہ ابو عبداللہ کو حسن بن ہارون نے اپنی حمایت و حفاظت میں لے لیا ہے تو انہوں نے سوچا کہ یہ شخص واقعی معتبر اور اہم ہوگا۔

اب ہر طرف سے بربری ان کے پاس پہنچنے لگے۔ ان کے ہاتھوں کو بوسے دیتے۔ جاں نثاری کا

عبیداللہ مہدی

Marfat.com

عہد کرتے اور جنگی تیاریاں کرتے۔ ابو عبداللہ نے سب سے پہلے سواروں کا رسالہ بھرتی کرنا شروع کیا اور اس کی سپہ سالاری حسن بن ہارون کو دی۔

اب ابو عبداللہ کھلم کھلا میدان میں اتر آیا اور اس نے یہ اعلان کردیا کہ وہ عبیداللہ مہدی کے لیے جو کام کررہا ہے اس میں اگر اس کی جان بھی چلی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں اور جو بھی اس مقصد کی حصول یابی کے لیے اس کا ساتھ دے گا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل کرے گا۔

چھوٹی موٹی جنگیں شروع ہو گئیں اور ان جنگوں میں ابو عبداللہ اور حسن بن ہارون مسلسل کامیابیاں حاصل کرتے رہے۔ ان جنگوں سے ابو عبداللہ اور حسن بن ہارون کو خاصی دولت حاصل ہوئی۔ گویا حسن بن ہارون دولت مند ترین بنتا چلا گیا۔ اب ناصرون ابو عبداللہ کا مستقر تھا۔ انہیں یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ چھوٹی چھوٹی جنگیں بڑی جنگوں میں تبدیل ہو جائیں گی اور افریقی حکومت بالاخران کے خلاف کوئی بڑی جنگی کارروائی کرنے پر مجبور ہو جائے گی۔ اس صورت میں ناصرون کا اپنا بچاؤ کرنا ناممکن ہو گا۔ چنانچہ ابو عبداللہ اور حسن بن ہارون سر جوڑ کر بیٹھے اور اس متوقع خطرے کا مقابلہ کرنے کی تدبیریں کرنے لگے اور آخر کار یہ طے پایا کہ ناصرون کا بچاؤ اسی صورت میں ممکن ہو گا کہ اس کے چاروں طرف خندقیں کھود دی جائیں اور جیسے ہی یہ تجویز متفقہ طور پر منظور ہو گئی' خندقوں کے کھدنے کا عمل شروع ہو گیا۔ بربریوں نے یہ کام جہادی لگن سے کیا۔

افریقی حکومت ابھی تک خطرے کا پورا احساس کرنے سے قاصر تھی۔ اس کی اس غفلت سے فائدہ اٹھا کر ابو عبداللہ نے جارحانہ کارروائی شروع کردی اور شہر میلہ پر چڑھائی کردی۔ سخت مقابلے کے بعد شہر میلہ فتح کرلیا گیا۔ یہ اس داعی کی افریقہ میں پہلی شاندار کامیابی تھی۔

بربریوں کے حوصلے بڑھ گئے اور افریقی حکومت کے حوصلے پست ہونے لگے۔

جب اس واقعے کی خبر امیرِ افریقہ ابراہیم بن احمد کو ہوئی تو اس نے اپنے بہادر بیٹے احول کو بلایا اور کہا "بیٹے! یہاں آنے والے جس شخص کو ہم سیدھا سادہ معمولی آدمی سمجھ رہے تھے' وہ سازشوں میں مشغول ہو گیا ہے۔ وہ نہایت چالاک اور ہوشیار نکلا۔ اس شخص نے کسی ماہر نقب زن کی طرح افریقی قلعہ اقتدار میں نقب لگانی شروع کردی اور ہم اس سے غافل رہے اور افسوس کہ ہمیں اس کے کرتوت کی خبر اس وقت ہوئی جب وہ نقب لگانے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ ہم اب بھی اس کی قوت کو توڑ سکتے ہیں اور اے میرے بیٹے! یہ اہم اور شاندار کام تو انجام دے گا۔ تجھ کو جتنی فوج درکار ہے' اپنے ساتھ لے

Marfat.com

جااور اِس سرکش کو ایسی ضرب لگا کہ یہ پھر نہ پنپ سکے۔"

احول نے قیروان سے دس ہزار فوج لی اور ابو عبداللہ کے مقابلے میں پہنچ گیا۔

چھوٹی موٹی کامیابیوں نے ابو عبداللہ کے حوصلے بڑھا دیے تھے۔ اب وہ کھلم کھلا میدان جنگ میں اتر چکا تھا۔ اس کو جیسے ہی یہ خبر ملی کہ احول دس ہزار فوج کے ساتھ اس کی سرکوبی کے لیے آرہا ہے تو وہ خود بھی اپنی فوج کے ساتھ شہر سے باہر آگیا۔

دونوں فوجیں آمنے سامنے آئیں تو دیکھنے والوں کو ایسا لگا کہ اس بڑی جنگ میں بھی عبداللہ کامیاب ہو جائے گا لیکن یہاں دونوں فوجیں دو مختلف نفسی کیفیات کا شکار تھیں۔ ابو عبداللہ کے حامی اس کے اکسانے پر میدان جنگ میں اتر تو آئے تھے مگر حکومت کے اعلیٰ وسائل اور بڑی قوت سے خوف زدہ بھی تھے۔ وہ حکومتِ وقت کی فوج کے مقابلے میں خود کو بے آسرا اور بے سہارا سمجھ رہے تھے جو بصورتِ شکست کہیں پناہ بھی نہیں پا سکیں گے۔

اس کے برعکس حکومت وقت کی فوج اپنے مدمقابل کو ایک باغی سے زیادہ حیثیت دینے کو تیار نہ تھی اور اسے یہ یقین تھا کہ باغیوں کے پاس کوئی بڑا نصب العین نہیں تھا۔ یہ لوگ عموماً حسد و رشک کے شکار ہو کے اپنی عاقبت نا اندیشی سے میدان جنگ میں اتر تو آتے ہیں مگر ان کا ناپائیدار حوصلہ اور غیر مستقل مزاجی انہیں پامردی سے محروم رکھتے ہیں اس لیے حاکمِ فوج جب چاہے گی باغیوں کے اس جتھے کو مار بھگائے گی۔

دو مختلف نفسی کیفیتوں میں مبتلا فوجیں آمنے سامنے ہوئیں اور ان میں مقابلہ شروع ہو گیا تو وہی ہوا جس کا اندازہ پہلے ہی کیا جا سکتا تھا۔

ابو عبداللہ کو شکست ہو گئی۔ وہ جان بچا کر ایسا بھاگا کہ پلٹ کر یہ بھی نہ دیکھا کہ اس کے حامی بربری کس بری طرح گاجر مولی کی طرح کاٹے جا رہے ہیں۔

احول نے شکست فاش دینے کے بعد ابو عبداللہ کا تعاقب کیا۔ کوئی شہر، کوئی قصبہ اور کوئی گاؤں ابو عبداللہ کو پناہ نہیں دے سکتا تھا۔

ابو عبداللہ نے کوہ انکجان کا راستہ لیا اور ابو عبداللہ کی خوش قسمتی کہ جب احول اس کے قریب پہنچا تو شدید برف باری شروع ہو گئی اور احول بدرجہ مجبوری آگے نہیں بڑھ سکا۔ مجبوراً واپس آیا اور شہر ناصرون کا رخ کیا اور اس کو فتح کرتا ہوا شہر کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک پہنچ گیا۔ اس کو خوب اچھی طرح لوٹا اور جلا کے خاکستر کر دیا۔

عبیداللہ مہدی

Marfat.com

یہاں سے فارغ ہونے کے بعد شہر میلہ کا رخ کیا۔ وہ فاتحانہ شان سے آگے بڑھ رہا تھا اور اعلان کرتا جارہا تھا کہ جس کو ابو عبداللہ کی حمایت کا زعم ہے' سامنے آکر مقابلہ کرے۔ وہی بربری جو کل تک ابو عبداللہ کے حامی تھے اس کی حمایت میں جان دینے کا وعدہ کرتے تھے' آج وہ احول کے مقابلے میں چھپتے پھر رہے تھے اور اپنی جانیں بچانے کی فکر میں تھے۔

شہر میلہ میں بھی کسی نے احول کا راستہ نہیں روکا اور وہ فاتحانہ شان سے شہر میں داخل ہوگیا۔ اس شہر کو بھی لوٹا گیا اور جلا کے خاکستر کردیا گیا۔

احول کچھ عرصے یہاں مقیم رہا اور انتظار کرتا رہا کہ ابو عبداللہ کے حامی سامنے آئیں' مقابلہ کریں مگر ایک شخص بھی ایسا نہ نکلا جو ابو عبداللہ کی حمایت کا دم بھرتا۔ وہ لوگ جو کل تک ابو عبداللہ کی حمایت کا دم بھرتے تھے اور ہتھیاروں کے استعمال کو اپنا مشغلہ کہتے تھے' آج وہ معلوم نہیں کہاں منہ چھپا کے بیٹھ گئے تھے۔

احول نے جب یہ دیکھا کہ آس پاس ابو عبداللہ کا ایک حامی بھی موجود نہیں تو وہ قیروان واپس چلا گیا۔ کچھ دن قیروان میں قیام کے بعد احول تیونس چلا گیا۔

اس دوران میں ابو عبداللہ نے ایک نیا شہر آباد کیا اور اس کا نام دارالہجرت رکھا۔ کچھ عرصے بعد والی افریقہ ابراہیم بن احمد نے وفات پائی اور اس کی جگہ ابوالعباس والی مقرر کیا گیا۔ کچھ دنوں بعد ابوالعباس کا بھی انتقال ہوگیا اور احول کا بھائی زیادۃ اللہ افریقہ کا والی ہوگیا۔ یہ شخص حکومت کا مطلب عیش و عشرت لیتا تھا۔ لہو ولعب میں مشغول ہوگیا۔ اس کے بھائی احول نے اس کی مخالفت کی اور کہا "جس حکومت کو لہو سے پروان چڑھایا گیا ہو اُسے لہو ولعب سے کب تک زندہ رکھیں گے؟"

زیادۃ اللہ نے کہا "حکومت کسی ایک شخص سے متعلق نہیں ہوتی۔ اس کے اجزائے ترکیبی میں وزیر' مشیر' سپاہ سالار اور سپاہی سبھی ہوتے ہیں۔ جس شخص کا جو کام ہے اگر وہ اپنی جگہ سے دیانت داری سے انجام دیتا رہے تو حکومت نہ صرف برقرار رہتی ہے بلکہ ترقی بھی کرتی ہے۔"

احول نے بھائی کو سمجھایا "آپ نے جو کچھ فرمایا بالکل درست ہے اور آپ یہ بھی جانتے ہیں کہ حکمران کی حیثیت بازار جیسی ہوتی ہے۔ اس بازار میں جیسا مال ہوگا ویسے ہی اس بازار میں خریدار پہنچیں گے۔ آپ دربار میں لہو ولعب کا بازار گرم کریں گے تو آپ کے اردگرد جمع ہونے والے بھی لہو ولعب میں مشغول ہوجائیں گے جس سے حکومت کمزور ہوجائے گی۔

دونوں بھائیوں میں یہ باتیں جاری تھیں کہ درباریوں کو اندیشہ ہوا کہ کہیں زیادۃ اللہ کی جگہ اس کا

Marfat.com

بھائی احول اقتدار نہ سنبھال لے۔ اس خطرے کے پیشِ نظر زیادۃ اللہ کو خوب ورغلایا گیا اور نالائقوں نے یہ باور کرایا کہ جب تک احول موجود ہے زیادۃ اللہ کی حکومت ہر وقت خطرے میں رہے گی اس لیے احول کا راستے سے ہٹایا جانا ضروری ہے۔

یہ بات زیادۃ اللہ کی سمجھ میں آگئی اور اس نے احول کو فوری ملاقات کی دعوت دی۔

احول اپنے بھائی سے ملا۔ اس وقت تخلیئے میں ان دونوں بھائیوں کے سوا کوئی تیسرا شخص نہ تھا۔

زیادۃ اللہ نے پوچھا "بھائی احول! ابو عبداللہ کا کیا ہوا؟"

احول نے جواب دیا "میں نے اس کو اتنی دور بھگا دیا ہے کہ اب وہ لوگوں میں فتنہ وفساد پھیلانے کے لیے یہاں نہیں آسکتا۔"

زیادۃ اللہ نے کہا "لیکن سننے میں آیا ہے کہ ابو عبداللہ نے اپنے لیے ایک نیا شہر آباد کیا ہے اور اس کا نام دارالہجرت رکھا ہے' کیا یہ درست ہے؟"

احول نے جواب دیا "ہاں' یہ خبر درست ہے۔ یہ خبر میں نے بھی سنی ہے۔"

زیادۃ اللہ ایک دم گرم ہو گیا "اور تو نے ابھی تک اس نئے شہر کو آباد رہنے دیا۔ میں پوچھتا ہوں کہ ایسا کیوں ہے۔ ایک ہی ملک میں کئی کئی حکومتیں' یہ سب کیا ہے؟"

احول نے عذر پیش کیا "اگر شدید قسم کی برف باری نہ ہوئی ہوتی تو میں کوہ انکجان بھی پہنچ جاتا۔"

زیادۃ اللہ اور زیادہ گرم ہو گیا "برف باری تو تم دونوں ہی کے لیے ہوئی ہوگی اور پھر یہ کیا کہ تو ڈر کے واپس آگیا اور ابو عبداللہ نے ایک شہر آباد کر دیا۔"

احول کو بھی غصہ آرہا تھا "بھائی! جس طرح آپ حکومت کر رہے ہیں اس میں خسارے کے امکانات زیادہ ہیں۔ آپ شاہی محل کے حجرے سے باہر نکلیں تاکہ کارپردازان حکومت بھی اپنے اپنے خول سے نکل کر باہر آجائیں۔"

زیادۃ اللہ نے الزام لگایا "کیا یہ بھی درست ہے کہ میری حکومت پر تو قبضہ کرنا چاہتا ہے؟"

احول نے جواب دیا "ایسی کوئی بات نہیں ہے' یہ مجھ پر الزام ہے۔"

زیادۃ اللہ نے غصے میں احول کے رخسار پر طمانچہ رسید کیا "مجھ سے کوئی بات چھپی ہوئی نہیں ہے۔ تیرے ارادے اچھے نہیں ہیں۔ اس حکومت میں ہم دونوں کا بیک وقت زندہ رہنا کسی طرح بھی مفید نہیں ہے۔ ہم دونوں میں سے ایک کو مرجانا چاہیے۔"

احول نے گھبرا کے کہا "یہ آپ کو کس نے مشورہ دیا؟ ہم دونوں اس حکومت کے ستون ہیں۔ اگر

عبیداللہ مہدی

Marfat.com

کوئی ایک ستون گر گیا تو یہ عمارت کمزور ہو جائے گی۔"

زیادۃ اللہ نے تالی بجائی۔ جواب میں دو گراں ڈیل افراد اندر داخل ہوئے۔ یہ دونوں ہی حبشی تھے۔

زیادۃ اللہ نے انہیں حکم دیا "احول کو قتل کر دیا جائے۔"

احول بہت گھبرایا اور ابھی وہ مزاحمت میں نہ تو کچھ کہہ سکا تھا اور نہ کچھ کر سکا تھا کہ دونوں حبشیوں نے احول کا کام تمام کر دیا۔ اس کے بعد خاموشی سے احول کو دفن کر دیا گیا۔ اس خبر کو راز رکھنے کی کوشش کی گئی مگر کسی نہ کسی طرح یہ خبر ابو عبداللہ تک پہنچ گئی اور ابو عبداللہ زیادۃ اللہ کے مقابلے پر آگیا۔ جنگوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

زیادۃ اللہ میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ وہ ابو عبداللہ کا مقابلہ کرتا۔ کئی محاذوں پر شکست اٹھانے کے بعد تیونس کو چھوڑ دینے کا منصوبہ بنایا لیکن اس سے پہلے اس نے خلافتِ عباسیہ سے مدد مانگی۔ وہاں سے بھی مایوسی میں جواب ملا۔

دوسری طرف ابو عبداللہ نے سیلمہ میں عبید اللہ کو اپنی کارگزاریوں سے آگاہ کر رکھا تھا اور درخواست کی تھی کہ اب وہ یہاں آجائیں کیونکہ بربری ظہور مہدی کے منتظر ہیں۔

ان دنوں بغداد میں مکتفی باللہ عباسی خلیفہ تھا۔ ابو عبداللہ کے بارے میں یہ ساری خبریں بغداد پہنچ رہی تھیں۔ خلیفہ کو یہ بھی بتایا گیا کہ اب عبید اللہ مہدی کو افریقہ پہنچنے کی دعوت دے دی گئی ہے اور حالات سنگین ہوتے جا رہے ہیں۔

خلیفہ نے حمص میں فرمان بھیجا کہ عبید اللہ مہدی کو گرفتار کر لیا جائے لیکن عبید اللہ مہدی نے اس سے پہلے ہی حمص کو چھوڑ دیا اور افریقہ کی راہ لی۔ عبید اللہ مہدی کا بیٹا نزار شریکِ سفر تھا۔

خلیفہ کو جب یہ بتایا گیا کہ عبید اللہ مہدی نے ترک سکونت اختیار کر لی اور افریقہ کا رخ کیا ہے تو اس نے مصر کے عامل عیسیٰ نوشری کو فرمان بھیجا اور عبید اللہ مہدی کا حلیہ اور خصائل و عادات لکھ کر حکم دیا کہ اسے گرفتار کر لیا جائے۔

عیسیٰ نوشری نے جملہ نووارد ان کی نگرانی شروع کروا دی۔ قافلوں پر نظریں رکھی گئیں اور مخبر اور جاسوس ہر طرف پھیل گئے۔

عبید اللہ مہدی کے ساتھ اس کے رفیق اور خدام بھی ہم سفر تھے۔

عیسیٰ نوشری خود بھی عبید اللہ مہدی کی تلاش میں نکلا ہوا تھا۔ بالکل اتفاقی طور پر عیسیٰ نوشری نے

Marfat.com

ایک چھوٹے سے قافلے کو آتے ہوئے دیکھا تو آگے بڑھ کر اسے روک لیا اور سوالات شروع کر دیے لیکن عبیداللہ مہدی کے کسی بھی جواب سے وہ اس کو پہچاننے سے قاصر رہا۔ حالانکہ حلیے سے اس نے عبیداللہ مہدی کو پہچان لیا تھا لیکن قطعی طور پر یہ ثابت نہیں ہو رہا تھا کہ یہی عبیداللہ مہدی ہے پھر بھی عیسیٰ نوشری نے ان سب کو حراست میں لے لیا اور دوپہر تک اپنے خیمے میں رکھا۔

یہ لوگ خود کو تاجر کہتے تھے۔

کھانے کا وقت آیا تو عیسیٰ نوشیری نے عبیداللہ مہدی کو اپنے ساتھ کھانے میں شریک کرنا چاہا لیکن عبیداللہ مہدی نے کہا "میں روزے سے ہوں اس لیے کھانے میں شریک نہیں ہو سکتا۔"

عبیداللہ مہدی کا بیٹا ابوالقاسم نزار کہیں پیچھے رہ گیا تھا کیونکہ اس کا کتا کہیں گم ہو گیا تھا اور وہ کتے کو ادھر ادھر تلاش کرتا پھر رہا تھا اور اسی تلاش و جستجو میں وہ عیسیٰ نوشری کے پاس پہنچ گیا۔ یہاں اپنے باپ اور دوسرے لوگوں کو حراست میں دیکھا تو کسی قسم کی پریشانی کا اظہار نہیں کیا' کہنے لگا "آپ لوگ یہاں مہمان ہیں اور میں آپ کو تلاش کرتا پھر رہا ہوں۔"

عیسیٰ نوشری نے پوچھا "یہ نوجوان کون ہے؟"

لوگوں نے عبیداللہ مہدی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "ان کے صاحب زادے ہیں۔"

عیسیٰ نوشری کو حیرت تھی کہ یہ نوجوان اپنے ساتھیوں کو تلاش کرتا ہوا یہاں آگیا۔ اگر یہ مشتبہ لوگ ہوتے تو یہ نوجوان ان سب سے کٹ کر کہیں روپوش ہو جاتا۔

اب ایک بار پھر عیسیٰ نوشری نے عبیداللہ مہدی سے سوالات شروع کر دیے' پوچھا "تم لوگ تاجر ہو تو مصر میں کہاں کہاں کا ارادہ رکھتے ہو؟"

عبیداللہ مہدی نے جواب دیا "تاجروں کا کوئی خاص ٹھکانا تو ہوتا نہیں۔ ہمارے ساتھ جو چیزیں ہیں وہ جہاں بھی نکل جائیں گی ان کو فروخت کر کے دوسری چیزیں خرید کر آگے روانہ ہو جائیں گے۔"

عیسیٰ نوشری نے کہا "یوں تو ہمیں تم لوگ وہی نظر آتے ہو جن کی ہمیں تلاش ہے لیکن ہم یہ نہیں چاہتے کہ کسی بے گناہ کو خواہ مخواہ پریشان کیا جائے لیکن اگر ہمیں بعد میں یہ معلوم ہوا کہ تم لوگ ہمیں دھوکا دے کر نکل گئے تو اس سے تمہاری وقعت بالکل کم ہو جائے گی کیونکہ جو لوگ خود کو خانوادہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ظاہر کرتے ہیں اور جھوٹ اور مکر سے بھی کام لیتے ہیں' وہ کم از کم میری نظر میں شریف اور عزت دار لوگ نہیں ہو سکتے اور یہ بھی عجیب بات معلوم ہوتی ہے کہ جس جانور کو نجس کہا گیا ہو اسے خانوادہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لوگ پالنا اور اپنے ساتھ رکھنا شروع کر دیں

عبیداللہ مہدی

Marfat.com

کیونکہ ابھی ابھی یہ معلوم ہوا ہے کہ آپ کے ان صاحب زادے کو کتوں کا شوق ہے۔"

بہرحال عیسیٰ نوشری نے ان کو چھوڑ دیا اور یہ لوگ آگے روانہ ہوگئے۔ راستے میں طاحونہ کے مقام پر قزاقوں نے حملہ کردیا اور ان کا سب کچھ لوٹ لیا۔ اس لوٹ کے مال میں چند کتابیں بھی چلی گئیں۔ یہ کتابیں آباؤ اجداد کی طرف سے ورثے میں چلی آرہی تھیں۔ انہیں ان کی گمشدگی کا بے حد دکھ ہوا۔

عبیداللہ مہدی نے طرابلس پہنچ کے سکونت اختیار کرلی اور یہاں سے ابو عبداللہ کے بھائی ابوالعباس کو کتامہ روانہ کردیا تاکہ وہ کتامہ والوں کو بتائے کہ عبیداللہ مہدی تشریف لاچکے ہیں۔

دوسری طرف زیادۃ اللہ بھی عبیداللہ مہدی کے بارے میں جان چکا تھا اور اسے اس کا انتظار تھا۔ اس کے مخبر بھی مصروف عمل تھے۔ چنانچہ ابو عبداللہ کا بھائی ابوالعباس جیسے ہی قیروان میں داخل ہوا' گرفتار کرلیا گیا اور اس سے سوالات کرنے شروع کردیے گئے۔

زیادۃ اللہ نے اس سے پوچھا "میں نے سنا ہے کہ عبیداللہ مہدی افریقہ میں داخل ہوچکا ہے اور تو اس کا داعی ہے۔"

ابوالعباس نے انکار کیا "تُو جن کے بارے میں مجھ سے پوچھ رہا ہے' میں انہیں بالکل نہیں جانتا۔ میں بذاتِ خود ایک عام سا آدمی ہوں اور تلاش معاش میں ادھر ادھر مارا مارا پھرتا رہتا ہوں۔"

زیادۃ اللہ نے کہا "تو جھوٹا ہے۔ جب میں تجھ پر سختی کروں گا تو تُو سب کچھ بتادے گا۔ مجھے بتا کہ یہ لوگ کہاں ہیں اور کیا کررہے ہیں؟"

ابوالعباس نے جواب دیا "اگر میں ان میں سے ہوتا تو آج میں سب کچھ بتا کے اپنی جان چھڑالیتا۔"

بہرحال اس پر سختیاں بھی کی گئیں اور موٹی موٹی معلومات بھی حاصل کرلی گئیں۔ اس کے بعد بھی جب کچھ حاصل نہ ہوا تو ابوالعباس کو قید خانے میں ڈلوا دیا اور کچھ سپاہی طرابلس روانہ کردیے گئے کہ عبیداللہ کو گرفتار کرلیا جائے۔

یہ خبر طرابلس پہنچ گئی۔ عبیداللہ نے فوراً طرابلس چھوڑ دیا اور سلجماسہ کی راہ لی۔ وہاں ابنِ مدورا کے قبیلے نے عبیداللہ مہدی کو پناہ دے دی اور ان کے ساتھ نہایت عزت واحترام کا سلوک کیا۔

عباسی خلیفہ مکتفی باللہ کو بغداد میں یہ خبر مل چکی تھی کہ عبیداللہ مہدی سلجماسہ پہنچ چکا ہے اور ابنِ مدورا نے اس کو اپنا مہمان بنا رکھا ہے۔

Marfat.com

خلیفہ نے زیادۃ اللہ کو حکم دیا "جو شخص ابنِ مدورا کا مہمان ہے در حقیقت وہی خلافت کا مدعی اور مہدویت کا دعوے دار ہے۔ اس لیے عبیداللہ مہدی کو کسی پس وپیش کے بغیر گرفتار کرلیا جائے۔"

اب زیادۃ اللہ نے یہ فیصلہ کرلیا تھا کہ عبیداللہ مہدی کی قوت توڑدی جائے۔ اس نے اپنے ایک عزیز ابراہیم بن خیش کو چالیس ہزار فوج کے ساتھ کتامہ روانہ کردیا۔ یہ لشکر قسطیلہ نامی مقام پر خیمہ زن ہوگیا اور ابو عبداللہ پہاڑ کی ایک بلند چوٹی پر مورچا بند ہوگیا۔

ابراہیم نے چھ مہینے تک دامن کوہ میں عبداللہ کے اترنے کا انتظار کیا پھر ساتویں مہینے مجبوراً کرمت نامی شہر پر حملہ آور ہونے کا منصوبہ بنایا۔ یہ شہر بھی ابو عبداللہ کے حامیوں سے بھرا ہوا تھا۔

یہ خبریں ابو عبداللہ کو پہنچیں تو اس نے ابراہیم پر شب خون مارنے کا منصوبہ بنایا اور ابراہیم ابھی کرمت پہنچا بھی نہیں تھا کہ راستے میں ایک زبردست فوج کے ذریعے ابراہیم بدحواس ہوکے قیروان کی طرف بھاگا۔

یہ خلافِ توقع ایسی فتح تھی جس کا ابو عبداللہ کو بھی اندازہ نہیں تھا۔ کرمت محفوظ رہا اور یہ شہر بھی ابو عبداللہ کی طرف سے لڑنے مرنے کے لیے تیار ہوگیا۔

عبیداللہ مہدی کو قید خانے میں یہ خبر پہنچادی گئی اور اطمینان دلایا گیا کہ وہ قید خانے میں پریشان نہ ہو۔ عنقریب وہ باہر ہوگا اور اسے گرفتار کرکے قید خانے میں ڈالنے والے قید خانے میں۔

زیادۃ اللہ کو ابراہیم کی شکست نے پریشان تو کیا مگر اس نے ابو عبداللہ کی سرکوبی کے لیے دوسری فوج تیار کرلی تھی۔ یہ خبریں بھی ابو عبداللہ اور عبیداللہ مہدی کو پہنچ رہی تھیں۔ ابو عبداللہ کو اندیشہ تھا کہ کہیں قید خانے میں عبیداللہ مہدی کو پریشان نہ کیا جارہا ہو۔ چنانچہ اس نے ایک تفصیلی خط عبیداللہ مہدی کو لکھا۔ یہ خط بڑا امید افزا تھا۔

ابو عبداللہ کے ساتھی پوچھ رہے تھے کہ یہ خط قید خانے میں پہنچے گا کس طرح؟

لیکن جس شخص کو یہ خط دیا گیا تھا' اس نے کہا "خط پہنچانا میرا کام ہے۔ یہ خط میں کس طرح وہاں پہنچاؤں گا یہ میری ذمے داری ہے۔"

قاصد نے سلجماسہ میں داخل ہوتے ہی قصاب کا روپ اختیار کیا اور اسی روپ میں قید خانے میں پہنچ گیا۔ یہاں قیدیوں کے لیے جو کھانا پکتا تھا اس کے جانور بھی قید خانے میں ہی کٹتے تھے۔ قاصد نہایت آسانی سے قید خانے میں داخل ہوگیا اور چپکے سے ابو عبداللہ کا خط عبیداللہ مہدی کے حوالے کردیا۔

عبیداللہ مہدی

Marfat.com

خط پڑھنے کے بعد عبید اللہ مہدی نے سکون کا سانس لیا۔

دوسری طرف ابو عبداللہ جارحانہ پیش قدمی کا سلسلہ شروع کر چکا تھا اور چھوٹے چھوٹے شہروں کو فتح کرنے کے بعد زیادۃ اللہ کی بڑی فوج کا مقابلہ کرنے کی تیاری کر چکا تھا۔

اب اس کے سامنے شہر وملوک تھا۔ زیادۃ اللہ کا لشکر ہارون طبنی کی سرکردگی میں مذکورہ شہر کی طرف بڑھا لیکن اس شہر نے پہلے ہی سے ابو عبداللہ کی اطاعت قبول کر لی تھی۔

ہارون طبنی کو جب یہ معلوم ہوا تو اس نے شہر کی فصیلیں گروا دیں اور بزورِ شمشیر شہر پر قبضہ کر لیا۔ اسی دوران میں ابو عبداللہ کی فوج بھی وہاں پہنچ گئی۔ دونوں میں خونریز مقابلہ ہوا اور ابو عبداللہ کی فوج شکست اٹھا کر بھاگ کھڑی ہوئی۔ اس بھاگتی ہوئی فوج کے عقب میں ابو عبداللہ نئی فوج کے ساتھ چلا آرہا تھا۔ اس نے اپنے شکست خوردہ سپاہیوں کو غیرت دلائی اور ایک بار پھر ہارون طبنی سے جنگ شروع ہو گئی۔ بدقسمتی سے اس جنگ میں ہارون طبنی مارا گیا جس کے بعد اس کا لشکر بھاگ کھڑا ہوا اور شہر پر ابو عبداللہ کا قبضہ ہو گیا۔

یہ خبریں قیروان پہنچیں تو زیادۃ اللہ مارے غصے کے خود جنگ کی تیاریوں میں مشغول ہو گیا۔ اب وہ ابو عبداللہ کے مقابلے میں خود پہنچنا چاہتا تھا۔ وہ کچھ ہی عرصے میں ایک عظیم الشان لشکر کے ساتھ ابو عبداللہ کے مقابلے کے لیے روانہ ہو گیا۔ ابھی دو یا تین منزل کا سفر طے کیا تھا کہ زیادۃ اللہ کے مشیروں نے اس سے کہا "جناب والا! آپ ایسی غلطی نہ کریں کیونکہ اگر اس جنگ میں آپ کو شکست ہو گئی تو آپ کے پیچھے دوسری کوئی فوج نہیں ہے جو آپ کو سہارا دے۔ گویا سب کچھ آپ کے ہاتھ سے نکل جائے گا۔"

زیادۃ اللہ کی سمجھ میں یہ بات آگئی اور اس کی پیش قدمی رک گئی۔ اس نے اپنے مشیروں سے پوچھا "کیا اس کا اثر ابو عبداللہ پر نہیں پڑے گا۔ جب وہ یہ سنے گا کہ میں نے اس کے مقابلے پر جاتے جاتے اپنا ارادہ بدل دیا تو وہ کیا سوچے گا؟"

مشیروں نے جواب دیا "وہ کیا سوچے گا اور کیا نہیں سوچے گا سردست یہ آپ کے سوچنے کی باتیں نہیں ہیں۔ آپ کو اپنی حکمتِ عملی طے کرنی ہے اور آپ وہی کچھ کریں گے جس سے آپ کو فائدہ پہنچے۔"

زیادۃ اللہ اپنی فوج کے ساتھ قیروان واپس چلا گیا۔

یہ خبریں ابو عبداللہ کو پہنچیں تو اس کے حوصلے میں اضافہ ہوا کیونکہ اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ

عبید اللہ مہدی

Marfat.com

خوف زدہ زیادۃ اللہ اب تادیر اس کا مقابلہ نہیں کرسکے گا اور اسے یہ بھی معلوم ہوگیا تھا کہ جو فوج قیروان گئی ہے اب وہ بظاہر کہیں بھی مقابلے پر نہیں نظر آتی۔

اب جنگوں کا لامتناہی سلسلہ شروع ہوچکا تھا۔ ابو عبداللہ جس طرف بڑھا کامیابی نے اس کے قدم چومے یہاں تک کہ افریقی حکومت کا سپہ سالار اعلیٰ ابراہیم ابن اغلب اپنی افواج کے ساتھ ابو عبداللہ کی طرف بڑھا۔ ایک مقام پر ابو عبداللہ کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا مگر دوسری بار ابو عبداللہ اس کے مقابلے پر ایک لاکھ فوج لے کر پہنچ گیا۔ دونوں میں سخت مقابلہ ہوا۔ انجام کار ابراہیم کو شکست ہوئی اور وہ فرار ہوکر قیروان پہنچا۔ قیروان کے لوگ ان جنگوں سے باخبر تھے۔ زیادۃ اللہ پہلے فرار ہوچکا تھا۔ اس سے قیروان کے لوگ بہت مایوس اور پریشان ہورہے تھے۔ زیادۃ اللہ کے فرار ہوجانے کی وجہ سے دارالامارت خالی تھا۔ ابراہیم بن اغلب نے دارالامارت میں قیام کیا اور معززین شہر کو حاضر ہونے کا حکم دیا۔ جب یہ لوگ حاضر ہوئے تو ابراہیم نے ان کے سامنے کل حالات رکھ دیے اور کہا "ہمیں ایک فیصلہ کن معرکے کے لیے آپ سب کا تعاون درکار ہے۔"

معززین شہر خوب جانتے تھے کہ اس وقت اگر وہ کسی قسم کی مدد نہیں کریں گے تو معلوم نہیں اس کے کیا نتائج برآمد ہوں۔

شہر کا ایک معزز شخص کھڑا ہوا اور پوچھا "آپ ہم سے کس قسم کا تعاون چاہتے ہیں؟"

ابراہیم نے جواب دیا "ہمیں آپ کا مالی تعاون درکار ہے اور جانی بھی۔ مالی تعاون سے ہم فوج تیار کریں گے اور جانی تعاون سے آپ ہمیں فوج مہیا کرنے میں مدد دیں گے۔"

ان لوگوں نے معذرت کرلی "جیسا کہ آپ خود بھی جانتے ہیں کہ ہم لوگ تجارت پیشہ ہیں اور اس وقت پورا ملک جنگ وجدل میں مبتلا ہے جس سے زندگی کا ہر شعبہ متاثر ہے اور تجارت تو بالکل مفلوج ہوکر رہ گئی ہے۔ ان حالات میں ہم آپ کی مالی مدد تو نہیں کرسکتے اور اس صورت میں جبکہ ہمیں یہ معلوم ہے کہ اب جو جنگیں ہوں گی اس کے نتائج آپ کے حق میں نہیں ہوں گے تو ہم مالی مدد دے کے خود کو برباد کرنا پسند نہیں کریں گے۔ اب رہ گئی جانی مدد تو ہم تجارت پیشہ لوگ ہتھیار چلانا نہیں جانتے اور نہ ہی ہمیں فوجیں تیار کرنے کا ہنر آتا ہے۔"

اتنا صاف اور واضح جواب شاید ہی کسی ملک کی رعایا نے اپنے حکمران کو دیا ہو۔ یہ لوگ دارالامارت سے اٹھ کر اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے اور ابراہیم سے جو باتیں ہوئی تھیں اس کا ذکر ہنس ہنس کر ایک دوسرے کے سامنے کیا۔ اس شہر کے بدمعاشوں کی بن آئی۔ انہوں نے جمع ہوکر

عبیداللہ مہدی

Marfat.com

دارالامارت پر حملہ کردیا لیکن اس حملے سے پہلے ہی ابراہیم دارالامارت سے فرار ہوچکا تھا۔ دارالامارت کولوٹ لیا گیا۔

جب یہ خبریں ابو عبداللہ کو پہنچیں تو وہ قیروان کی طرف بڑھا۔ یہاں اس کو کسی قسم کی مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ معززینِ شہر ابو عبداللہ کے استقبال کے لیے آگے بڑھے اور شہر اس کے حوالے کردیا۔

شہر پر قبضے اور استحکام کے بعد ابو عبداللہ نے اپنے سکے ڈھلوانے شروع کردیے۔ سکّوں پر ایک طرف بلاغت حجتہ اللہ اور دوسری طرف تفرق اعداء اللہ لکھوایا۔ آلات حرب پر عدۃ فی سبیل اللہ کندہ کروایا اور گھوڑوں کی رانوں پر الملک اللہ کھدوایا۔

پورے ملک میں ان خبروں سے تہلکہ مچ گیا۔

اب ابو عبداللہ سلجماسہ کی طرف بڑھا جہاں عبیداللہ اپنے بیٹوں اور رفیقوں کے ساتھ قید تھا۔

ابنِ مدورا کو جب یہ معلوم ہوا کہ ابو عبداللہ اپنی فوج کے ساتھ سلجماسہ کی طرف بڑھ رہا ہے تو وہ قید خانے میں عبیداللہ کے پاس گیا اور اس سے پوچھا "سچ بتا! کہ تیرا ابو عبداللہ سے کیا تعلق ہے؟"

عبیداللہ نے جواب دیا "میں ابو عبداللہ کو بالکل نہیں جانتا۔"

ابنِ مدورا نے کہا "کیا تو عبیداللہ نہیں ہے جس نے مہدویت کا دعویٰ کیا اور خلافت کا دعوے دار ہے۔"

عبیداللہ نے جواب دیا "میں نہ تو عبیداللہ ہوں اور نہ ہی میں نے مہدویت کا دعویٰ کیا ہے اور نہ ہی امیدوارِ خلافت ہوں۔ میں ایک تجارت پیشہ آدمی ہوں، مجھ پر غلط الزامات مت لگاؤ۔"

اب ابن مدورا نے اس کے بیٹے ابوالقاسم نزار سے پوچھ گچھ شروع کردی اور اس نے بھی اپنے باپ جیسے ہی جوابات دیے۔ ابنِ مدورا نے ان کے رفیقوں سے سوالات کیے۔ ان سب نے بھی اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا "ہم ابو عبداللہ کو بالکل نہیں جانتے۔ ہم سب تجارت پیشہ ہیں۔"

ابنِ مدورا نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا "یہ لوگ اس طرح نہیں مانیں گے۔ ان سب کی مرمت کی جائے۔"

چنانچہ ان سب کی مرمت شروع کردی گئی۔

یہ خبریں کسی طرح ابو عبداللہ کو پہنچ گئیں۔ اس نے ابنِ مدورا کے نام ایک خط نہایت تلطف آمیز لکھا جس سے ابنِ مدورا کو یقین ہوگیا کہ اس کے قیدی وہی ہیں جن کا اسے شبہ تھا۔ اس نے خط لانے

Marfat.com

والے کو قتل کردیا اور خط چاک کرکے ایک طرف پھینک دیا۔

یہ خبریں ابو عبداللہ کو پہنچیں تو وہ نہایت تیزی سے سلجماسہ کی طرف بڑھا۔

اب ابنِ مدورا شہر سے باہر نکلا۔ دونوں میں جو جھڑپ ہوئی اس سے ابنِ مدورا کو یہ اندازہ ہوگیا کہ اب جنگ فضول ہے۔ اس نے رات کے اندھیرے میں اپنے اہل وعیال کو ساتھ لیا اور راہِ فرار اختیار کی۔

دوسرے دن صبح سلجماسہ کے دروازے کھل گئے اور ابو عبداللہ شہر میں داخل ہوگیا۔ وہ سیدھا قید خانے میں پہنچا اور عبیداللہ اور اس کے بیٹے ابوالقاسم اور ساتھیوں کو باہر نکالا۔ عبیداللہ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا پھر انہیں گھوڑوں پر سوار کرایا۔

اب ابو عبداللہ آگے آگے اعلان کرتا جارہا تھا "لوگو! عبیداللہ تمہارا مولا اور سردار ہے۔ یہی تمہارا آقا ہے۔"

ان کے پیچھے پیچھے سلجماسہ کے امرا اور رؤسا تھے۔ خوشی کے آنسو آنکھوں سے جاری تھے جس سے ابو عبداللہ کے رخسار تربتر تھے اور داڑھی کے بال بھیگ گئے تھے۔

لشکر گاہ میں عبیداللہ اور اس کے بیٹے ابوالقاسم کو نہایت عزت واحترام سے اتارا گیا۔

ابو عبداللہ نے کئی دستے مختلف سمتوں میں ابنِ مدورا کے تعاقب میں روانہ کردیے۔ آخر کار ابنِ مدورا گرفتار ہوا اور اپنے خاندان کے ساتھ رسیوں میں جکڑا ہوا عبیداللہ کے سامنے پیش کردیا گیا۔

اب عبیداللہ مسند آرا تھا اور ابنِ مدورا رسیوں میں جکڑا ہوا اس کے قدموں میں پڑا تھا۔

عبیداللہ کے حکم سے ابنِ مدورا کو کوڑوں سے پٹوایا گیا۔

ابنِ مدورا نے کہا "تم مجھے پٹواؤ یا قتل کروا دو' اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تمہارے لیے یہ بات شرم ناک ہے کہ قید خانے میں تم سب حلفیہ جھوٹ بولتے رہے اور اپنی اس حیثیت میں کہ تم سب خود کو خانوادہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک فرد کہتے ہو۔ یہ جھوٹ کم از کم تم کو زیب نہیں دیتا تھا۔"

ابو عبداللہ نے اس کو قتل کروادیا۔

یہ لوگ چالیس دن تک سلجماسہ میں خیمہ زن رہے۔ اکتالیسویں دن افریقہ کی طرف مراجعت کی۔ ماہ ربیع الثانی ۲۹۷ھ میں یہ لوگ رقادہ پہنچے۔ یہیں عبیداللہ کی بیعت خلافت ہوئی۔

کوہ انکجان میں مغلوب حکومتوں کے اموالِ غنیمت موجود تھے۔ یہ سارے خزانے عبیداللہ کی خدمت میں پیش کیے گئے۔ ان سب کو عبیداللہ نے اپنی تحویل میں لے لیا اور ان میں سے کسی کو چھوٹی

Marfat.com

کوڑی تک نہ دی۔

اب عبیداللہ مہدی امیرالمومنین کے لقب سے ملقب ہوا۔ بنی اغلب کی حکومت افریقہ سے بنی مدورا کی حکومت سلجماسہ سے اور بنی رستم کی حکومت تاہرات سے رخصت ہوئی۔ اب ان تمام ممالک کے فرماں روا عبیداللہ تھا۔ عبیداللہ کو رقادہ کے محل میں ٹھہرایا گیا اور ابو عبداللہ کے حکم سے جمعے کے دن تمام بلاد اور امصار میں جمعے کے خطبوں میں عبیداللہ کا نام شامل کیا گیا۔

اب کلی اختیارات عبیداللہ کے ہاتھ میں منتقل ہو چکے تھے اور اس شخص نے ابو عبداللہ اور اس کے بھائی ابوالعباس کو مسلوب الاختیار کر دیا حالانکہ کچھ دن پہلے تک یہ دونوں بھائی سلطنت کے سیاہ وسفید کے مالک تھے۔ اب یہ دونوں بالکل بے دست وپا ہو چکے تھے۔ یہاں تک کہ ان دونوں کو کسی چپراسی کے عزل ونصب کا بھی اختیار باقی نہ رہا۔ دونوں بھائیوں کو اس کا بڑا دکھ تھا۔ خاص کر ابوالعباس کو بڑا ملال تھا۔ اس نے اپنے بھائی ابو عبداللہ سے پوچھا "بھائی! یہ کیا ہو رہا ہے؟"

ابو عبداللہ نے کہا "جو کچھ ہو رہا ہے، تو بھی دیکھ رہا ہے، میں بھی دیکھ رہا ہوں۔"

ابوالعباس نے کہا "بھائی! تم نے بلاد وامصار فتح کیے اور ایک عظیم الشان سلطنت قائم کر دی لیکن اس کے بند عنان فرمانروائی ایسے ناقدر شناس ہاتھوں میں دے دی جس نے مجھے اور تمہیں بالکل عضو معطل بنا دیا ہے حالانکہ عبیداللہ کا فرض تھا کہ تمہارا حق پہچانتا اور تمہارے پاؤں دھو دھو کر پیتا۔"

ابو عبداللہ اس کو منع کرتا کہ وہ اس قسم کی باتیں نہ کرے مگر ابوالعباس باز نہ آیا یہاں تک کہ وہ اٹھتے بیٹھتے مہدی کو ناشکر گزار کہنے لگا۔ ابوالعباس کا کہنا یہ تھا کہ عبیداللہ مہدی کو بھائی ابو عبداللہ کی خدمات کا اتنا صلہ تو دینا تھا کہ وہ اپنے احکامات کی تعمیل اس کے ذریعے کرواتا مگر اس نے تو بالکل ہی نظر انداز کر دیا۔

پہلے تو ابوالعباس ناکام رہا مگر آخر کار ابو عبداللہ پر ان باتوں کا اثر ہوا اور اس کو بھی محرومی کا احساس ستانے لگا۔

دخل اندازوں نے یہ خبریں عبیداللہ کو پہنچائیں تو اس کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا کہ وہ ابو عبداللہ کے خلوص کا قائل تھا۔

ابوالعباس کی کوششیں جاری تھیں۔ اب اس کوشش میں ان کا تیسرا بھائی بھی شامل ہو گیا۔ ابو ذاکی۔ ابوذاکی کے گھر میں یہ دونوں بیٹھ کر صلاح ومشورے کرتے رہتے تھے۔

ابوذاکی نے ابو عبداللہ کو سمجھایا "بھائی! آپ نے اس حکومت کے قیام کے سلسلے میں کتنی محنت

Marfat.com

کی ہے' اس کا اعتراف تو دشمن تک کریں گے مگر آپ کو اس کا صلہ کیا ملا۔ ناشکر گزار عبیداللہ مہدی نے اپنا مشیر عروبہ بن یوسف کو مقرر کردیا۔ اب آپ بھی گویا عروبہ بن یوسف کے تابع اور پابند ہو گئے ہیں' اب آپ کو کچھ سوچنا چاہیے۔"

ابو عبداللہ کا دماغ کوئی فیصلہ کرنے سے قاصر تھا۔ وہ اس طاقت سے واقف تھا جو وہ خود عبیداللہ مہدی کو دے چکا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس موقع پر ذرا سی کوتاہی یا غلطی ہوئی تو اس کی اور اس کے خاندان والوں کی زندگیاں خطرے میں پڑ جائیں گی۔

ابو عبداللہ مستقل غور و فکر میں لگا ہوا تھا اور اس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ وہ اپنا کام کہاں سے شروع کرے۔ اس اندھیرے میں اس کو روشنی کی ایک کرن دکھائی دی۔ وہ اپنا کام بیک وقت دو سمتوں میں شروع کرنا چاہتا تھا۔ کتامہ والوں پر اسے کلی اختیار حاصل تھا اور عبیداللہ مہدی نے کتامہ والوں پر انعام و اکرام کی بارش کردی تھی گویا چالاک عبیداللہ مہدی نے اپنے کمزور محاذ کو طاقت ور بنانے کی کوشش کی تھی۔ یہ باتیں ابو عبداللہ کو گراں گزر رہی تھیں۔ اس نے کتامہ والوں سے کہا "لوگو! میں کچھ عرصے سے ایک عجیب الجھن کا شکار ہو گیا ہوں اور اس پریشانی سے دوچار ہوں جس سے حضرت ابراہیم خلیل اللہ دوچار ہوئے تھے۔"

کتامہ والوں نے پوچھا "کون سی پریشانی! آپ ہمیں بتائیں۔ شاید ہم اس کا کوئی مداوا کر سکیں؟"

ابو عبداللہ نے کہا "میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں' اگر آپ لوگوں نے اس پر سنجیدگی سے غور نہ کیا اور وہ بات مشہور ہو گئی تو اس سے دونوں ہی کو نقصان پہنچ جائے گا۔ آپ کو بھی اور ہم کو بھی۔"

ایک کتامی سردار ہارون جو شیخ المشائخ کہلاتا تھا' کہنے لگا "اے ابو عبداللہ! تجھے جو کچھ کہنا ہے صاف صاف بے خوف ہو کر کہہ اور مت ڈر کہ ہم تیرے ساتھ ہیں۔"

ابو عبداللہ نے کہا "شیخ! آپ تو جانتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیمؑ نے پہلی بار ستاروں کو دیکھا تو ان کو اپنا معبود سمجھ لیا تھا پھر جب رات ختم ہوئی اور سورج طلوع ہوا تو سورج کو اپنا معبود سمجھ لیا تھا لیکن جب شام کو سورج بھی غروب ہو گیا تو ان کو ایک ایسے خدا کو تسلیم کرنا پڑا جو طلوع و غروب سے بالاتر ہو۔ ہمیشہ سے ہو اور ہمیشہ رہے۔"

ہارون نے کہا "ہم اب بھی تیرا مطلب نہیں سمجھے۔"

ابو عبداللہ نے کہا "میں نے بھی مہدی کو سمجھنے میں غلطی کی ہے۔ یہ وہ مہدی نہیں ہے جس کا ہم سب کو انتظار ہے۔"

عبیداللہ مہدی

Marfat.com

ہارون نے پوچھا "اتنا بڑا شبہ کس طرح پیدا ہوا؟"

ابو عبداللہ نے جواب دیا "جب سے ہم نے اس شخص کو مسندِ خلافت پر بٹھایا ہے اس سے آج تک کوئی معجزہ یا کرامت ظاہر نہیں ہوئی۔"

اس دلیل نے ہارون پر اثر کیا اور اس کی وجہ سے کتامہ کے لوگ بھی عبیداللہ کی مہدویت پر شبہ کرنے لگے۔ گویا اس طرح ابو عبداللہ اپنے مقصد میں کسی قدر کامیاب ہو گیا تھا۔

اب ابو عبداللہ نے اس خلیج کو زیادہ بڑھانے کی کوشش کی جو اہلیان کتامہ اور عبیداللہ مہدی کے درمیان پیدا ہو رہی تھی۔ اب وہ عبیداللہ مہدی کے پاس گیا اور نہایت احترام سے عرض کیا "مولانا! میں نے کتامہ قوم کو بڑی محنت سے سدھارا ہے اور اس کو ایسے اصول پر تعلیم دی کہ وہ میرے ساتھ ہو گئی۔ اس کی مدد سے میں نے اپنا مقصد حاصل کر لیا۔ آپ جو اس پر اتنے مہربان رہتے ہیں اور اس کو مال و دولت دینے میں اتنی فیاضی سے کام لے رہے ہیں تو اس سے مجھے خوف ہے کہ ان کی عادت بگڑ جائے گی اور وہ کاہل اور سست ہو جائیں گے۔ مناسب ہو گا کہ آپ اپنے محل میں تشریف رکھیں اور میں خود ملک کا انتظام کروں جس طرح میں پہلے کرتا تھا۔ نیز آپ کا بذاتِ خود کام کرنا آپ کو زیب نہیں دیتا۔ اس سے آپ کی شان و شوکت اور رعب میں فرق آجاتا ہے۔"

اب عبیداللہ مہدی کو یقین ہو چکا تھا کہ ابو عبداللہ اور اس کے بھائیوں کے متعلق جو خبریں سننے میں آرہی تھیں وہ سب درست تھیں لیکن اس نے نہایت چالاکی سے کام لیا اور یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ وہ کچھ معاندانہ خیالات یا جذبات رکھتا ہے۔ اس وقت تو اس نے نہایت نرم اور مشفقانہ لہجے میں باتیں کیں اور وعدہ کیا کہ عنقریب یہ سارے اختیارات ایک فرمان کے ذریعے ابو عبداللہ کو تفویض کر دیے جائیں گے۔

دوسری طرف کتامہ والے بغاوت پر آمادہ نظر آرہے تھے اور ابو عبداللہ نے ہارون کو اس پر آمادہ کیا کہ وہ عبیداللہ مہدی کا امتحان لے۔

شیخ المشائخ ہارون کو اپنی اس اہمیت کا اندازہ تھا جو اسے کتامہ والوں میں حاصل تھی۔ وہ سیدھا عبیداللہ مہدی کے پاس پہنچا اور صاف صاف کہا "ہمیں تمہارے بارے میں شک پیدا ہو گیا ہے۔ اگر تم سچے مہدی ہو تو کوئی معجزہ دکھاؤ۔"

عبیداللہ مہدی نے اس کو سمجھایا "کیا یہ میرا معجزہ نہیں کہ ابو عبداللہ جیسا معمولی آدمی صرف میری وجہ سے پورے افریقہ پر غالب آیا۔"

Marfat.com

ہارون نے کہا "وہ تو ابو عبداللہ کی لیاقت تھی جس نے اسے کامیاب کیا' تم اپنا کوئی کمال دکھاؤ۔"

عبیداللہ مہدی نے اس کو پھر سمجھایا "دیکھ ہارون! تو فضول وسوسوں کا شکار نہ ہو۔ ہم نے کتامہ والوں کو جس طرح نوازا ہے اسی کا خیال کر۔"

لیکن ہارون نہیں مانا اور وہ برابر کوئی معجزہ طلب کرتا رہا۔ آخر عبیداللہ مہدی نے چڑ کے اپنے ایک غلام کو اشارے سے گردن زدنی کا حکم دیا اور کہا "افسوس کہ میرا یہ معجزہ دیکھنے کے لیے تو زندہ نہیں رہے گا۔"

ہارون ابھی کچھ سمجھنے سے قاصر تھا کہ اسے قتل کر دیا گیا۔

ہارون کے قتل نے ابوالعباس' ابوذاکی اور ابو عبداللہ کو چوکنا کر دیا۔ یہ لوگ ابن معارک کے گھر میں جمع ہوئے اور ہارون کے قتل پر تبصرہ کرنے لگے۔ یہ لوگ عبیداللہ مہدی کو احسان فراموش کہہ رہے تھے اور یہ اندیشہ ظاہر کیا کہ اگر مزید خاموشی اختیار کی گئی تو آہستہ آہستہ سبھی کو قتل کر دیا جائے گا۔"

ابوالعباس نے تجویز پیش کی "اب ہمیں جس قدر جلد ممکن ہو عبیداللہ مہدی سے نجات حاصل کر لینی چاہیے۔"

ابوذاکی نے پوچھا "تجویز تو مناسب ہے مگر کس طرح؟ لائحہ عمل کیا ہے؟ کیوں کر کہاں اور کب عبیداللہ سے نجات حاصل کی جائے؟"

ابوالعباس نے رائے دی "ہم نے اتنے حامی تو پیدا کر لیے ہیں کہ کسی وقت محل کا گھیراؤ کر کے عبیداللہ کو قتل کر دیں۔"

ابو عبداللہ اب بھی متذبذب تھا اور اس منصوبے کو ناقابل عمل سمجھتا تھا' کہنے لگا "کیا ہم ان سب پر بھروسا کر سکتے ہیں۔ کیا ان میں کچھ لوگ عبیداللہ مہدی کے وفادار ہوں گے اور کیا یہ لوگ ہمیں ناکام نہیں بنا دیں گے؟"

یہ مجلسِ مشاورت ناکام ہو گئی اور ان میں کوئی بھی کسی پر بھروسا کرنے کو تیار نہ تھا۔

اس مجلسِ مشاورت کا علم عبیداللہ کو بھی ہو گیا۔ اس نے خاموشی سے ابوذاکی کو طلب کیا اور کہا "مجھ کو اس وقت صاحبِ بصیرت اور مدبر افراد درکار ہیں۔ میں تجھ کو طرابلس کی حکومت دینا چاہتا ہوں۔ کیا تو وہاں جانا پسند کرے گا؟"

ابوذاکی تیار ہو گیا۔ اس کو فرمان تقرری ولایتِ طرابلس کے ساتھ روانہ کر دیا گیا۔

عبیداللہ مہدی

Marfat.com

ابوذاکی کو معلوم نہیں تھا کہ ایک دن پہلے ہی والی طرابلس کو ایک فرمان بھیجا جاچکا ہے جس میں والی طرابلس کو حکم دیا گیا ہے کہ "ابوذاکی جیسے ہی طرابلس میں داخل ہو اس کو قتل کردیا جائے۔"

ابوذاکی کے چلے جانے کے بعد ابو عبداللہ اور ابوالعباس کچھ زیادہ ہی پریشان ہو گئے تھے کیونکہ ان تینوں آدمیوں کا اتحاد ختم ہو گیا تھا اور ابو عبداللہ تو اتنا پریشان ہوا کہ وہ تین دن تک عبیداللہ کے دربار میں حاضری دیتا رہا اور ایک ہی لباس میں آتا رہا۔ اسے لباس تک بدلنے کا ہوش نہ تھا یہاں تک کہ عبیداللہ مہدی یہ دیکھ رہا تھا کہ تین دن پہلے ابو عبداللہ نے الٹی قمیص جو پہنی تھی وہ چوتھے دن بھی الٹی ہی پہنے ہوئے تھا۔

عبیداللہ نے اس کو نہایت محبت سے اپنے پاس بٹھایا اور پوچھا "کیا بات ہے' کئی دن سے میں تجھ کو پریشان دیکھ رہا ہوں؟"

ابو عبداللہ نے اعتراف کیا "مولانا! بے شک' آج کل میں پریشان ہوں اور پریشانی کی کوئی خاص وجہ بھی سمجھ میں نہیں آتی۔"

عبیداللہ نے پوچھا "کئی دن پہلے تو نے جو الٹی قمیص پہنی تھی وہ آج بھی الٹی ہی پہنے ہوئے ہے' اس کی کوئی خاص وجہ؟"

ابو عبداللہ نے جواب دیا "میں عرض کرچکا ہوں کہ پریشانی کی کوئی خاص وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔"

عبیداللہ نے پوچھا "کیوں ابو عبداللہ' کئی دن پہلے ابن معارک کے گھر میں جو لوگ جمع ہوئے تھے ان میں کیا تو بھی شامل تھا۔"

ابو عبداللہ نے اقرار کیا "ہاں! میں بھی شامل تھا۔"

عبیداللہ نے پوچھا "مجھ کو تجھ پر بے حد اعتماد ہے۔ تیری شمولیت سے مجھے دکھ پہنچا۔ تو نے ایسا کیوں کیا؟"

ابو عبداللہ نے جواب دیا "مولانا! میں مجبور تھا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں میں اپنے بھائیوں کے ہاتھوں ہلاک نہ کردیا جاؤں۔"

عبیداللہ نے تسلی دی اور کہا "تجھ کو پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

لیکن ابو عبداللہ اب بھی مطمئن نہیں تھا' کہنے لگا "میں کس طرح مطمئن ہوں جب کہ میرا ضمیر مجھے ملامت کرتا ہے۔"

اب عبیداللہ نے اپنا لہجہ بدلا اور کہا "تجھ کو تیرا ضمیر کیوں پریشان کرتا ہے' میں جانتا ہوں۔ ابو

Marfat.com

ذاکی' ابوالعباس اور تو سب مل کر ابن معارک کے گھر میں کیا کرتے رہے' میں جانتا ہوں۔ اگر تو یہ سمجھتا ہے کہ میں غافل ہوں تو یہ تیری سادہ لوحی سے زیادہ تیری حماقت ہے۔ اب تو ہمارے لیے قابل اعتبار نہیں رہا۔ تیرا وجود میرے لیے جب تک تو زندہ ہے' خطرہ بنا رہے گا۔"

ابو عبداللہ نے رحم کی درخواست کی "رحم۔ آپ کو میری سابقہ خدمات کا اعتراف کرنا چاہیے۔"

عبیداللہ نے جواب دیا "مجھے تیری خدمات کا اعتراف ہے لیکن اب تو خود اپنی خدمات پر پانی پھیر دینا چاہتا ہے اور حالات یہ بتا رہے ہیں کہ ہم دونوں میں سے جس کسی نے سستی اختیار کی اور غلطی سے معاف کر دیا تو وہ یقیناً خسارے میں رہے گا۔"

ابو عبداللہ نے اندازہ لگا لیا کہ اب کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوگی پھر بھی وعدہ کیا "اب میں اپنی پچھلے دنوں کی کارگزاریوں سے تائب ہوتا ہوں اور آپ مجھے اگر اتنا ہی ناقابلِ اعتبار سمجھتے ہیں تو مجھے یمن واپس جانے دیں۔"

عبیداللہ نے افسوس کرتے ہوئے کہا "میں تیری صلاحیتوں سے واقف ہوں۔ اگر میں تجھے یمن جانے دوں تو تو میرے لیے اور زیادہ خطرناک ہوگا کیونکہ میں نے دیکھا ہے کہ تو نے پورے افریقہ میں تنہا کیا کچھ کر دکھا دیا۔ تجھ میں اور ابو مسلم خراسانی میں اب کوئی فرق نہیں۔"

ابھی ابو عبداللہ باہر جانے کی سوچ ہی رہا تھا کہ عبیداللہ کے اشارے پر اسے قتل کر دیا گیا۔ اسی وقت ابو عبداللہ کے بھائی ابوالعباس کا بھی کام تمام کر دیا گیا۔ ابو ذاکی کو والی طرابلس نے ایک دن پہلے ہی قتل کروا دیا تھا۔

ان تین آدمیوں کے قتل نے کتامہ کے باغیانہ خیالات رکھنے والوں کو خوف زدہ کر دیا اور سارے باغی بغاوت سے کنارہ کش ہو گئے۔

عبیداللہ کا مشیر عروبہ بن یوسف اس خون خرابے سے سخت پریشان تھا۔ اس نے اپنے آقا' مالک عبیداللہ سے پوچھا "امیرالمومنین! جہاں تک مجھے معلوم ہے ابو عبداللہ آخری وقت تک آپ کا وفادار رہا مگر پھر بھی وہ آپ کے ہاتھوں مارا گیا۔ میں کم از کم اس قتل سے بہت زیادہ خوف زدہ ہوں اور اب ہر چیز پر سے اعتبار اٹھ گیا ہے۔ کیا آپ ابو عبداللہ کو معاف نہیں کر سکتے تھے۔"

عبیداللہ نے خود بھی افسوس کیا اور کہا "میں جانتا ہوں کہ ابو عبداللہ نے میرے ساتھ جس خلوص اور وفاداری سے کام کیا ہے' اس کی کہیں مثال نہیں ملے گی لیکن وہ اب جس ذہنی خلفشار اور فساد کا شکار تھا اس سے بچت کا یہی طریقہ تھا کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ اگر میں یہ نہ کرتا تو ابو عبداللہ اور اس

Marfat.com

کے ساتھی مجھ کو قتل کروادیتے۔"

عروبہ بن یوسف ابو عبداللہ کی بد بختی پر آنسو بہارہا تھا۔ اس نے عبیداللہ کو یاد دلایا "دیکھئے اس شخص نے جو کام کیا اور آپ کی عدم موجودگی میں جتنا مال غنیمت جمع کیا' اگر چاہتا تو اسے ہڑپ کر جاتا اور کسی کو پتا بھی نہ چلتا۔ وہ چاہتا تو اس حکومت پر خود قابض ہو جاتا مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔ وہ رحم کا مستحق تھا۔"

عبیداللہ نے اسے سمجھایا "ابو عبداللہ کی ذات میں کوئی ایسی چیز نہیں تھی کہ وہ اپنے لیے' اپنے نام سے اتنی بڑی کامیابی حاصل کرتا۔ اس کے کام کے پیچھے میرا نام تھا جس سے وہ کامیاب ہوا۔ اگر وہ بذات خود اپنے حسب نسب سے بڑا آدمی ہوتا تو آج میں اس کو اور اس کے بھائیوں کو اتنی آسانی سے قتل نہ کر سکتا۔"

اب عبیداللہ نے پوری طرح تسلط حاصل کرلیا تھا اس لیے اپنی خلافت کی تکمیل' انصرام اور استحکام میں مشغول ہو گیا۔

عبیداللہ نے محمدیہ اور مہدیہ نامی دو شہر بسائے اور مہدیہ کو اپنا دارالخلافہ قرار دیا۔

حکومت کے ساتھ ساتھ عبیداللہ نے اپنے خاص عقائد کی تبلیغ و تلقین شروع کردی۔ عبیداللہ مہدی کے عقائد میں ظاہری اعمال پر زیادہ زور نہیں دیا جاتا تھا اور باطنی تاویلات کو اہم سمجھا جاتا تھا اس لیے اس کا اثر یہ ظاہر ہوا کہ لوگوں نے دین کے ظاہری اعمال ترک کردیے۔

کتامہ کے لوگ ابو عبداللہ' ابوالعباس' اور ابوذاکی کے قتل سے خوش نہیں تھے۔ خاص کر انہیں ابو عبداللہ سے زیادہ عقیدت تھی۔ یہ لوگ خاموشی سے یہ کہتے پھر رہے تھے کہ ابو عبداللہ کو قتل کرنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں تھی اس لیے یہ خبر غلط ہے کہ ابو عبداللہ کو قتل کردیا گیا۔ دراصل ابو عبداللہ روپوش ہو گیا ہے اور وہ کسی وقت بھی ظاہر ہو کر اپنے مخالفین کا کام تمام کردے گا۔

یہ خبریں عبیداللہ مہدی تک بھی پہنچ رہی تھیں۔

عبیداللہ مہدی نے عروبہ بن یوسف سے کہا "ابوالعباس اور ابو عبداللہ کو تو نے قتل کیا تھا اس لیے اب یہ تیری ذمے داری ہے کہ کتامہ والوں کو یہ یقین دلا کہ دونوں بھائی تیرے ہاتھوں قتل ہوئے اور اب وہ کبھی واپس نہیں آئیں گے۔"

عروبہ بن یوسف کتامہ پہنچا اور ابھی وہ کچھ کہہ بھی نہیں سکا تھا کہ معلوم ہوا کہ قبیلہ بنوماوت میں ایک نبی پیدا ہو گیا ہے۔ عروبہ بن یوسف بھی اس نئے نبی کو دیکھنے گیا۔ یہ خردسال نبی پہلے تو مہدی بنایا

Marfat.com

گیا تھا' اس کے بعد قبیلے والوں نے اسے نبی کا درجہ دے دیا اور اب لوگ اس نبی کے گرد جمع ہو رہے تھے۔

عروبہ بن یوسف نے جب یہ تماشا دیکھا تو اسے ان لوگوں سے بات کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔

پھر بھی اس نے کتامہ کے چند بڑوں سے بات کی اور ان کو سمجھایا "دیکھو! آج دنیا پر جو حقیقت آشکارا ہو گئی ہے اسے تسلیم کرلو اور اپنی فضول کوششوں سے باز آجاؤ۔ تم لوگ آخر کیوں اپنی جانوں سے دشمنی پر کمربستہ ہو۔"

کتامہ کے ایک سردار نے عروبہ بن یوسف سے کہا "ہمارے کم سن نبی نے ہمیں یقین دلایا ہے کہ ابو عبداللہ عنقریب واپس آئے گا جب تک وہ واپس نہیں آتا تب تک ہمارا یہ خرد سال نبی ہماری رہنمائی کرے گا۔"

عروبہ بن یوسف نے پوچھا "کیا تمہیں یقین ہے کہ ابو عبداللہ تم میں واپس آئے گا؟"

سردار نے جواب دیا "ہمیں یقین ہے کہ وہ ضرور واپس آئے گا۔"

عروبہ بن یوسف نے پوچھا "مگر وہ کس کے لیے واپس آئے گا؟"

سردار نے جواب دیا "اس مہدی کے لیے جس کے لیے وہ کام کر رہا تھا۔"

عروبہ بن یوسف نے کہا "جس کے لیے ابو عبداللہ کام کر رہا تھا وہ تو آچکا ہے اور اس کی حکومت پورے افریقہ میں مستحکم ہو چکی ہے۔"

سردار نے جواب دیا "عبیداللہ وہ مہدی نہیں ہے جس کا ہمیں انتظار ہے اور جس کے لیے ابو عبداللہ کام کرتا رہا۔"

عروبہ بن یوسف نے کہا "اگر میں تم کو یہ یقین دلاؤں کہ ابوالعباس اور ابو عبداللہ دونوں ہی قتل کر دیے گئے ہیں اور میں اس کا حلفیہ عینی شاہد ہوں تو کیا تم میری بات کا یقین کرلو گے۔"

سردار نے کہا "اگر تمہیں ایسی کوئی بات معلوم ہے تو بتاؤ۔ اس کے بعد ہم دیکھیں گے کہ تمہاری بات کا یقین کیا جائے یا نہیں؟"

عروبہ بن یوسف نے کہا "شاید تم لوگ نہیں جانتے کہ جب عبیداللہ مہدی کو یہ یقین ہو گیا کہ ابو عبداللہ ان کے خلاف سازش کرنے والوں کا ساتھی بن گیا ہے تو اس نے مجھے اپنا مشیر بنالیا اور دونوں بھائیوں کے قتل کی ذمے داری مجھے سونپی گئی۔"

سردار نے حیرت سے عروبہ بن یوسف کو دیکھا اور پوچھا "کیا تجھ کو اتنی قدرت اور اختیار حاصل

Marfat.com

ہے کہ تو ابو عبداللہ کو قتل کر سکے؟"

عروبہ بن یوسف نے سردار کو سمجھانے کی کوشش "تم میری بات سمجھنے کی کوشش کرو اور جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اسے غور سے سنو۔ اگر میری باتیں سن کر تاب برداشت نہ رہے تب بھی میرے سچ کو کڑوے گھونٹ کی طرح حلق سے نیچے اتار لینا کیونکہ مجھے کتامہ والوں سے ہمدردی بھی ہے اور محبت بھی۔ تم لوگ معلوم نہیں کیوں اپنی بربادی کے درپے ہو۔"

کتامہ کا سردار کسی قدر نرم پڑ گیا اور کہا "تمہیں جو کچھ کہنا ہے صاف صاف کہو اور یہ بات چھوڑ دو کہ اگر تم نے دروغ بیانی کی تو اس کی ہم خرد سال نبی سے تصدیق یا تردید کروالیں گے۔"

عروبہ بن یوسف نے بیان کیا "جب تینوں بھائی عبیداللہ مہدی کے خلاف سازش کر رہے تھے اور ابنِ معارک کے گھر میں جمع ہوئے تھے تو ان میں' میں بھی شامل تھا اور وہ ساری خبریں میں نے ہی عبیداللہ مہدی تک پہنچائی تھیں اور بعد میں عبیداللہ مہدی نے جب مجھ سے یہ کہا کہ میں کسی بھی طرح دونوں بھائیوں کا کام تمام کر دوں تو میں نے مہدی سے یہ پوچھا تھا کہ وہ تو تین بھائی ہیں اور آپ صرف دو کی بات کر رہے ہیں۔ کیا آپ نے ابو ذاکی کو معاف کر دیا تو مہدی نے فوراً یہ جواب دیا تھا کہ میں نے ابو ذاکی کو طرابلس کا والی بنا دیا ہے اور اسے طرابلس روانہ کر دیا ہے جبکہ طرابلس کے والی کو یہ لکھا جا چکا ہے کہ ابو ذاکی جیسے ہی وہاں پہنچے اس کو فوراً قتل کر دیا جائے۔ والی طرابلس نے ابو ذاکی کو نہ صرف قتل کیا بلکہ اس کا کٹا ہوا سر ثبوت کے طور پر مہدی کو بھیج دیا۔"

کتامی سردار رونے لگا اور کہا "یہ کیسا مہدی ہے جو اپنے محسنوں کو قتل کرواتا ہے اور ان کے کٹے ہوئے سر دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔"

عروبہ بن یوسف نے جواب دیا "جناب! ہم لوگ تو احکامات کی تعمیل کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ تم لوگ بھی یہی کرو کیونکہ ابوالعباس اور ابو عبداللہ نے جب تک احکامات کی تعمیل کی زندہ رہے اور جب سرکشی اختیار کی تو قتل کروا دیے گئے۔"

کتامی سردار بہت افسردہ تھا "ہاں! تو تُو نے یہ نہیں بتایا کہ ابوالعباس اور عبداللہ کو کس طرح قتل کیا گیا؟"

عروبہ بن یوسف نے جواب دیا "ان دونوں کے قتل کے بارے میں جتنی بھی روایتیں ہیں غلط ہیں لیکن میں جو کچھ بیان کروں گا وہی سچائی ہے کیونکہ اللہ معاف کرے' ان دونوں کو میں نے ہی قتل کیا تھا۔"

عبیداللہ مہدی

Marfat.com

کتامی سردار حیرت سے عروبہ بن یوسف کو دیکھ رہا تھا "کیا واقعی ان دونوں کو تُو نے قتل کیا تھا؟"

عروبہ بن یوسف نے جواب دیا "مہدی نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں ان دونوں کو موقع پاتے ہی قتل کردوں تو میں موقع کی تلاش میں رہنے لگا۔ بظاہر تو یہ قتل بہت آسان تھے لیکن ابو عبداللہ کے اثرات کے پیشِ نظر اندیشہ تھا کہ اگر ابو عبداللہ کو ایسی ویسی جگہ قتل کیا گیا تو اس کے حامی ایک قیامت کھڑی کردیں گے اس لیے میں کئی دن تک دونوں کے قتل کے منصوبے بناتا رہا کہ انہیں کہاں' کب اور کس طرح قتل کیا جائے۔ ابھی میں کسی نتیجے پر نہیں پہنچا تھا کہ مہدی کو مجھ پر شبہ گزرا کہ میں کسی وجہ سے تساہل سے کام لے رہا ہوں۔ اس نے فہمائش کی کہ اے عروبہ! کیا بات ہے۔ کیا تُو بھی ابو عبداللہ سے عقیدت رکھتا ہے اور اس سے محبت رکھتا ہے؟ میں نے عرض کیا "امیر المومنین! ایسی بات نہیں ہے بلکہ میں موقع' وقت اور جگہ کا ابھی تک انتخاب نہیں کرسکا ہوں۔ جیسے ہی کسی نتیجے پر پہنچوں گا' دونوں کو قتل کردیا جائے گا۔"

کتامی سردار بدستور افسردہ تھا' کہنے لگا "افسوس! زمانے کی ناقدری اور بے مروتی کا کس سے گلہ کیا جائے؟"

عروبہ بن یوسف نے اپنا بیان جاری رکھا "مہدی کی فہمائش پر میں نے یہ فیصلہ کیا کہ دونوں کا مُہدی کے قصر میں آنا جانا تو ہوتا ہی رہتا ہے کیونکہ قصرِ خلافت کے اندر ہی کہیں ان دونوں کا کام تمام کردیا جائے۔ وہاں کوئی دیکھنے والا بھی نہ ہوگا اور کسی کو دونوں کے قتل کی خبر بھی نہیں ہوگی چنانچہ میں نے اس کا ذکر مہدی سے کیا تو اس نے غصے میں کہا "اے عروبہ! اتنی مال اندیشی کس کام کی کہ وقت گزر جائے اور کام نہ ہو چنانچہ میں محل کے بیرونی حصے میں چند آدمیوں کے ساتھ چھپ کے کھڑا ہوگیا اور جیسے ہی دونوں بھائی اندر داخل ہوئے' میں نے دونوں کو گھیر لیا۔ دونوں بھائی خوف و حیرت سے ہمیں دیکھ رہے تھے۔ ابو عبداللہ نے ہم سے پوچھا "تم ہم کو کیوں اور کس کے حکم پر قتل کر رہے ہو؟"

میں نے اس کو جواب دیا "تم جس کی فرماں برداری کا حکم ہم کو دیتے ہو اسی نے آج ہم کو تمہارے قتل کا حکم دیا ہے۔"

ابو العباس نے کہا "اے ابو عبداللہ! تیری عاقبت نااندیشی ہمیں قتل کروا رہی ہے۔ اے کاش! ہم گردشِ ایام کو اپنی مرضی سے حرکت دے سکتے۔ اے کاش! جو کچھ ہمارے ساتھ پیش آرہا ہے' وہ غلط ہو۔" میں نے ان دونوں کو زیادہ مہلت نہیں دی اور قتل کردیا۔ مہدی نے ابو عبداللہ کی نماز جنازہ پڑھائی اور اس کے حق میں دُعا کی اور کہا "ابو عبداللہ' تو دھوکے میں آگیا ورنہ اصل باغی تو ابو العباس

عبیداللہ مہدی

Marfat.com

تھا۔"

کتامہ کا سردار اب بھی متذبذب تھا' کہنے لگا "اگر میں تیری بات مان بھی لوں تو یہ بھی ممکن ہے کہ ابو عبداللہ بظاہر قتل ہو گیا ہو لیکن تاویلات کی طرح بہ باطن ہماری نظروں سے اوجھل ہو گیا ہو۔"

عروبہ بن یوسف نے کہا "میں نے سارے حقائق بیان کر دیے' اگر اب بھی یقین نہیں آتا تو میں کیا کروں؟"

کتامی سردار نے عروبہ کو دعوت دی "تو ہمارے ساتھ بنوماوت چل' میں ابو عبداللہ کے بارے میں ان کے نبی سے پوچھوں گا' دیکھیں وہ کیا کہتا ہے۔"

دونوں قبیلہ بنوماوت کے نبی کے پاس پہنچے۔ یہ کم سن نبی اپنی نوجوانی میں قدم رکھ رہا تھا۔

عروبہ نے اس خوب صورت نبی کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔ اس نے بھی عروبہ بن یوسف کو کسی قدر غور سے دیکھا اور پوچھا "یہ عرب یہاں کیا لینے آیا ہے؟"

اس وقت جو بربری لوگ وہاں موجود تھے' حیرت سے عروبہ بن یوسف کو دیکھنے لگے۔

کتامی سردار نے کہا "اے بنوماوت کے نبی! یہ شخص یہاں تجھ سے یہ معلوم کرنے آیا ہے کہ ابو عبداللہ اس وقت کہاں ہے اور اس کے بارے میں جو کچھ مشہور کیا گیا ہے وہ کس حد تک درست ہے؟"

نوعمر نبی نے جواب دیا "ابو عبداللہ کو جو کام کرنا تھا' وہ کر گیا۔ وہ دراصل زندگی بھر میرے لیے کام کرتا رہا اور میں ہی اس دور کا مہدی ہوں اور میں ہی اس دور کا نبی۔"

کتامی سردار نے پوچھا "اور یہ لوگ جو یہ مشہور کر رہے ہیں کہ ابو عبداللہ واپس آئے گا تو اس میں کس حد تک صداقت ہے؟"

خود ساختہ نبی نے جواب دیا "اب وہ کبھی بھی واپس نہیں آئے گا کیونکہ جس کے لیے وہ کام کر رہا تھا وہ میں ہوں' میرا ظہور ہو چکا ہے۔ میرے ظہور کے بعد اس کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔"

کتامی سردار' عروبہ بن یوسف کی شکل دیکھ رہا تھا۔ آہستہ سے کہا "تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ تو نے جو کچھ بتایا وہ درست ہے۔"

عروبہ بن یوسف نے پوچھا "کیا بیک وقت ایک ہی ملک میں دو مہدی ہو سکتے ہیں؟"

نوعمر نبی نے جواب دیا "میں نبی ہوں۔ میرے سوا جو شخص مہدی یا نبی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے' دروغ گو ہے۔"

عبیداللہ مہدی

Marfat.com

عروبہ بن یوسف نے پوچھا "اگر تم دونوں میں جنگ ہوئی تو کیا تم عبیداللہ کا مقابلہ کر سکو گے؟"

نوعمر نبی نے جواب دیا "کیوں نہیں' کیونکہ ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے عبیداللہ کو کامیابی بخشی اور ہم ہی وہ لوگ ہیں جن کی مدد سے عبیداللہ مہدی نے یہاں حکومت حاصل کی ہے۔ جب ہم عبیداللہ مہدی کو مسترد کر رہے ہیں تو وہ یہاں کس طرح حکومت کرے گا؟"

کتامی سردار نے باہر نکل کر عروبہ بن یوسف سے پوچھا "ہمارے اس نبی کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے؟"

عروبہ بن یوسف نے جواب دیا "تمہارا نبی ابھی ناتجربے کار ہے اور عبیداللہ مہدی نہایت تجربہ کار۔ میں تو یہ مشورہ دوں گا کہ تم لوگ مقابلے سے باز رہو کیونکہ ایک ناتجربہ کار' کم سن نبی تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا اور جب جنگ ہوگی تو کتامہ کے لوگ قتل کر دیے جائیں گے حالانکہ تم لوگ ابھی تک عبیداللہ مہدی کے انعام واکرام کے مستحق قرار پاتے رہے ہو۔ اس کے بعد تم ان سے محروم ہو جاؤ گے اور جو کچھ تمہیں ملا ہے یا تمہارے پاس ہے اس سے بھی محروم ہو جاؤ گے۔"

کتامی سردار نے کہا "اور اگر ہم کامیاب ہو گئے تو سب کچھ ہمارا ہو گا۔"

عروبہ بن یوسف واپس گیا اور عبیداللہ مہدی کو اصل حالات سے خبردار کیا اور کہا "کتامہ کے لوگ اپنے جھوٹے اور کم سن نبی کے آس پاس جمع ہو رہے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ فتنہ کوئی خطرناک صورت اختیار کر لے اور حالات قابو سے باہر ہو جائیں۔"

عبیداللہ مہدی نے اپنے بیٹے ابوالقاسم نزار کو حکم دیا کہ وہ جھوٹے مدعی نبوت کے خلاف جنگ کی تیاری کرے۔

کتامہ والوں کے خلاف جنگی تیاریاں ہونے لگیں۔

عروبہ بن یوسف نے مہدی سے درخواست کی کہ اس مہم میں اسے بھی شریک رکھا جائے۔

درخواست قبول کی گئی اور ابوالقاسم جب فوج لے کر جھوٹے نبی کے خلاف کارروائی کے لیے آگے بڑھا تو عروبہ بن یوسف اس لشکر کے ساتھ تھا۔

دوسری طرف کتامہ والے اپنے نبی کے ساتھ میدان جنگ میں اترے۔ دونوں میں خوف ناک جنگ شروع ہو گئی اور کوئی فریق پیچھے ہٹنے کو تیار نہ تھا لیکن آخر کار کتامہ والوں کو اس جنگ میں شکست ہو گئی اور ابوالقاسم نے فتح حاصل کی۔

اس موقع پر عروبہ بن یوسف نے مشورہ دیا "جب تک ان کا جھوٹا نبی ان میں موجود ہے' یہ لوگ

Marfat.com

جنگ جاری رکھیں گے۔ اس شکست کے بعد دوسری جنگ کی تیاری شروع کردیں گے اس لیے ان کے نبی کی گرفتاری اور قتل ضروری ہے۔"

ابوالقاسم نے اعلان کردیا "دشمن کا پیچھا کیا جائے اور اس کے خودساختہ نبی کو گرفتار کیا جائے۔"

اب ابوالقاسم کے سپاہی جھوٹے نبی کو تلاش کرتے پھر رہے تھے اور دوسری طرف کتامہ کے لوگ اس کو بچا کے نکال لے جانے کی کوشش کر رہے تھے۔ گویا آنکھ مچولی جاری تھی۔

ابوالقاسم نے عروبہ بن یوسف سے پوچھا "تو نے ان کے جھوٹے نبی کو دیکھا ہوگا۔ اگر اسے سامنے لایا جائے تو تُو پہچان لے گا؟"

عروبہ بن یوسف نے جواب دیا "میں تو اس کو ہزاروں میں پہچان کے نکال دوں گا۔"

ابوالقاسم، عروبہ کو اس جگہ لے گیا جہاں کتامہ کے قیدی رکھے گئے تھے۔

ابوالقاسم نے کہا "ان میں جھوٹے نبی کو تلاش کر اور جب مل جائے تو اس کو میرے سامنے لے آ۔"

عروبہ بن یوسف نے قیدیوں میں جھوٹے نبی کو تلاش کیا اور اس کو نکال کر باہر لے آیا۔

جھوٹے نبی نے بھی اس کو پہچان لیا اور کہا "تو یہ تو ہے۔ تم عرب ہم افریقیوں کے کبھی بھی دوست نہیں رہے۔ اگر تو ہمیں پہچاننے سے انکار کردے تو ابوالقاسم ہمیں چھوڑ دے گا۔"

عروبہ بن یوسف نے جواب دیا "کیا میں نے اس کتامی سردار کے سامنے لوگوں کو سمجھایا نہیں تھا کہ مہدی سے مت جھگڑو مگر تم لوگ نہیں مانے۔ کہاں ہے وہ کتامی سردار جو مجھ سے بڑی بڑی باتیں کرتا تھا؟"

کچھ دیر بعد جھوٹے نبی کو ابوالقاسم کے حوالے کردیا گیا۔

ابوالقاسم نے اس جھوٹے کم سن نبی کو دیکھا تو بڑی حیرت ہوئی اور کہا "کیا تیرے ماننے والے بھی عقلی اعتبار سے تیری طرح نابالغ ہیں؟"

جھوٹے نبی نے جواب دیا "نبی کبھی بھی نابالغ نہیں ہوتا۔ نبی پیدائشی نبی ہوتا ہے۔ اسے علمِ لدنی حاصل ہوتا ہے۔"

ابوالقاسم نے پوچھا "اگر تو نبی تھا تو آج ہماری قید میں کیوں ہے؟ اللہ نے تجھ کو کامیاب و کامران کیوں نہیں کیا؟"

جھوٹے نبی نے جواب دیا "میرے مرتبے اور مقام کو میری ہار جیت سے سمجھنے کی کوشش نہ کرو۔

Marfat.com

تم لوگ جو بقول خود خانوادہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق رکھتے ہو' صدیوں سے خلافت کے لیے سرگرداں تھے اور کتنی ہی جانیں اس مقصد کے لیے قربان کردیں تو کیا تمہارے وہ لوگ جو اپنی جدوجہد اور کوششوں میں قتل کردیے گئے' جھوٹے تھے؟ اور ان کا تعلق خانوادہِ رسالت سے نہیں تھا؟"

ابوالقاسم نے کہا "اس فتنے کا سدباب ضروری ہے۔"

عروبہ بن یوسف نے سفارش کی "اس کو امیرالمومنین کی خدمت میں روانہ کردیا جائے۔"

کتامہ والوں نے درخواست کی "اس کو ہمارے حوالے کردیا جائے اور اس کے بدلے جتنا مال وزر چاہیں' فراہم کردیا جائے گا۔"

ابوالقاسم نے کہا "تاکہ تم لوگ دوبارہ تیاری کرو اور اس کے ساتھ میدانِ جنگ میں اترو تو گویا اس کے بدلے جو مال و زر تم دوگے اس سے کہیں زیادہ تم سے دوبارہ مقابلہ کرنے پر صرف کرنا پڑے گا۔"

عروبہ بن یوسف کو بہرحال اس کم سن نبی سے ہمدردی تھی جس کو اس کے قبیلے والوں نے دار پر چڑھوا دیا تھا۔

ابوالقاسم نے اس جھوٹے نبی کو قتل کروا دیا اور اس کا سر اپنے باپ کو روانہ کردیا۔

گویا اب مہدی نے آخری بڑی سازش پر بھی قابو پالیا تھا اور بظاہر آس پاس کوئی حریف باقی نہیں رہا تھا۔ صرف دو حریف تھے جو افریقہ سے بہت دور تھے۔ ایک اندلس کا امیہ خاندان اور افریقہ واندلس کے درمیان بحیرہ روم حائل تھا۔ دوسرا حریف بغداد کا عباسی خلیفہ تھا۔ ان دونوں کے درمیان براہ خشکی صحرائے سینائی حائل تھا اور براہ سمندری ایک طرف تو بحیرہ روم تھا اور دوسری طرف بحیرہ احمر۔ مصر میں عباسی خلیفہ کا عامل موجود تھا مگر وہ عبیداللہ مہدی کے خلاف کسی قسم کی جارحانہ کارروائی نہیں کرسکتا تھا۔

اس کامیابی کے بعد اب ان لوگوں نے اپنے مذہب کی تبلیغ واشاعت کا سلسلہ پورے زور وشور سے شروع کردیا چونکہ اس مذہب میں ہر چیز کے دو دو معنی لیے جاتے ہیں یعنی ایک تو ظاہری مطلب دوسرے باطنی مفاہیم اور باطنی مفہوم کو بڑی اہمیت حاصل تھی اور ان ہی کو اصل مطلب سمجھا جاتا تھا اس لیے ان لوگوں نے نمازیں پڑھنا چھوڑ دیں۔ حج سے گریز اختیار کیا اور تارکِ صوم وصلوۃ ہوگئے اور یہ وبا ایسی پھیلی کہ مہدی کے اکثر پیروکاروں نے مکہ معظمہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنا چھوڑ دیا۔ ان کا امام اور ان کا مہدی رقادہ میں مقیم تھا۔ اس لیے یہ لوگ رقادہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنے

عبیداللہ مہدی

Marfat.com

لگے۔

یہ خبریں عبیداللہ کو پہنچائی گئی تو اس نے لاعلمی کا اظہار کیا اور کہا "میں نے کسی کو اس قسم کا کوئی حکم نہیں دیا ہے۔"

لیکن جاسوسوں اور مشیروں نے عرض کیا "حضور! ان پر یقین فرمائیں یا نہ فرمائیں مگر ہمارے عقائد کے ماننے والے ظاہر کو نظرانداز کر رہے ہیں۔"

کہتے ہیں کہ عبیداللہ مہدی نے اس قسم کے کچھ لوگوں کو سزائیں بھی دی تھیں مگر آج بھی ان میں ظاہری اور باطنی مفہوم کا فرق موجود ہے۔

نعمان نامی ایک شخص عبیداللہ کا پرجوش پیرو تھا۔ اس نے ہمیشہ نماز پڑھتے وقت اپنا رخ رقادہ کی طرف رکھا اور جب اس سے اس کو منع کیا گیا تو اس نے جواب دیا "میں مہدی کو اپنا خدا سمجھتا ہوں جو بشری شکل میں ہم میں آگیا ہے اور میں تو ان سے یہ کہتا ہوں کہ آپ کہاں ان گندی سندی دنیا کی جگہوں پر چل پھر رہے ہیں۔ آپ کا مقام تو بہت اعلیٰ وارفع ہے۔ آپ آسمانوں کے آدمی ہیں اور آپ کو آسمانوں پر ہی چلا جانا چاہیے۔"

عبیداللہ مہدی نے بائیس سال شاندار حکومت کی اور اس کے بعد اپنے بیٹے ابوالقاسم کو منصوص امامت کیا اور یہ کتنی عجیب بات ہے کہ افریقہ پر پورا تسلط اور اختیار رکھنے کے باوجود وہ وہاں کی اکثریت کو اپنے فرقے میں شامل کرنے میں ناکام رہے۔

فاطمی خلافت مدتوں قائم رہی لیکن افریقہ اور مصر پر اپنے دینی اثرات قائم کرنے میں ناکام رہی۔

عبیداللہ مہدی

Marfat.com

Marfat.com

تیسری

صدی ہجری کے آخری بیس سالوں
میں اس فتنے نے سر اٹھایا اور یمن کے
مشہور شہر صنعا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ وہ
شعبدہ باز تھا اور اس نے ایسے ایسے کمالات دکھائے
کہ امیر وغریب سبھی اس کے دام فریب میں آگئے۔ اس
نے اپنے ماننے والوں کے دل ودماغ پر ایسا قبضہ جمالیا
تھا کہ جب اس کے مکروفریب کا پردہ چاک ہوگیا تب بھی
اس کے ارادت مند اس کی نبوت کے قائل رہے۔ پھر اس شر
پر کتنی حکمت عملی سے قابو پایا گیا یہ بھی تاریخ کا
ایک شان دار حصہ ہے۔ اس کو کتنی ہوشیاری سے
گمنامی میں پھنچادیا گیا۔ اگر آج اس پر عمل کیا
جائے تو بہت سے فتنے یوں ہی فنا ہوجائیں۔
بہتوں کو آج صرف اخبار زندہ رکھتے
ہیں۔ آج ہم ماضی سے سبق حاصل
کرسکتے ہیں۔

مضمون کے مآخذ

تاریخ کامل	تاریخ ابن خلدون	فتوح البلدان	تاریخ اسلام	تاریخ طبری	معالج النبوۃ
ابن اثیر	علامہ ابن خلدون	البلاذری	اکبر شاہ خان	ابوجریر الطبری	عبدالحق محدث دہلوی

علی بن فضل یمنی

Marfat.com

علی بن فضل یمنی

ظہور ۹۰۵ء - تا ۹۲۵ء میں قتل ہوا

یمن میں اسماعیلیوں کا بڑا زور تھا اور یہ شخص بھی مذہباً اسماعیلی تھا۔ اس نے یمن میں اسماعیلیوں کو مستقل تگ ودو کرتے دیکھا تھا۔ یہاں اسماعیلی داعی تیار کیے جاتے تھے۔ یمن سرمن رائے اور بغداد سے دور ہونے کی وجہ سے اسماعیلیوں کے لیے ایک محفوظ خطہ تھا۔ یہاں خلافتِ عباسیہ کی طرف سے جو بھی والی آتا تھا' وہ حکومت کرکے واپس چلا جاتا تھا۔ اس کو عام آدمی کی زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں تھی اور والی تو والی' عباسی خلیفہ خود بھی اسماعیلیوں کی ان پراسرار سرگرمیوں سے بے خبر تھا۔ یہیں سے ان کے داعی مملکتِ اسلامیہ کے دور دراز حصوں میں روانہ کیے جاتے تھے۔ اپنی تحریک کو چلانے کے لیے ان کو تاویلات کا سہارا لینا پڑتا تھا اور ان تاویلات کو دوسرے لوگ جھوٹ کہتے تھے۔ انہوں نے اپنی مطلب براری کے لیے اس جھوٹ کو جائز قرار دے رکھا تھا۔ جمہور کو ان باتوں کا کچھ پتا نہ تھا۔ ان کے خاص خاص لوگ نہایت خلوص اور دیانت سے اپنے امام' اپنے مقتدا کے لیے ایسے سارے کام کرتے تھے جن سے اس تحریک کو فائدہ پہنچتا۔ ان اسماعیلیوں میں ایسے ذہین لوگ بھی تھے جو اپنے داعیوں کی شعبدے بازی سے واقف ہو چکے تھے۔ ان کی نظروں سے داعی گر گئے اور انہیں اپنا سارا نظام خلا میں معلق نظر آیا۔ یہ داعی وہ تھے جو خود کو اس نظام سے الگ منوانا چاہتے تھے۔

علی بن فضل یمنی یہیں کہیں مضافات میں رہتا تھا۔ جب اس کو داعی بنانے کا منصوبہ زیر غور آیا اور اس کو وہ تمام گر اور ہتھکنڈے بتائے گئے جن سے اس کو کام لینا تھا تو وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ اگر وہ اس قسم کی کوششیں اپنے لیے کرے تو زیادہ بہتر ہو گا۔

علی بن فضل یمنی

Marfat.com

علی یمنی کو مطالعے کا بڑا شوق تھا۔ اس کے مزاج اور سرشت میں پراسراریت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

ایک دم اسے خیال آیا کہ امام اور نبی بننے میں بڑے فائدے ہیں۔ ارادت مندوں کی ایک فوج ظفر موج آسانی سے مرنے اور مارنے پر تیار ہو جاتی ہے۔ یہ ارادت مند اس کو مالی فائدے بھی پہنچائیں گے اور عزت و توقیر بھی دیں گے۔

چنانچہ علی بن فضل یمنی نے فیصلہ کر لیا کہ وہ یہ کام صرف اپنے لیے کرے گا' کسی اور کے لیے ہرگز نہیں۔

وہ مدتوں جمہور کی نفسیات کو سمجھنے میں مشغول رہا۔ اسے اس بات پر حیرت تھی کہ یہ نادان لوگ اپنے اماموں اور بزرگوں کی دعاؤں کی طلب میں اپنی زندگیاں گزار دیتے ہیں اور کسی بات کا شکوہ بھی نہیں کرتے۔ وہ سوچتا تھا کہ آخر ایسا کیوں ہے؟ آخر اس نتیجے پر پہنچا کہ ایسے لوگوں کی شخصیتیں بڑی پر فریب ہوتی ہیں۔

جب اس نے کچھ بننے کا منصوبہ بنا لیا تو وہ مہینوں یہی سوچتا رہا کہ وہ اپنی شخصیت کو پر فریب کس طرح بنائے۔ نسبی اور نسلی برتری اسے حاصل نہیں تھی۔ یہ ایک گمنام خاندان کا فرد تھا اور اس نے سوچا کہ ایک گمنام خاندان کے گمنام فرد کی باتیں کون سنے گا اور اس پر کون ایمان لائے گا؟

ابھی وہ ان فکرات میں گھرا ہوا تھا کہ اس کی نظر قرآن پاک کی ان آیات پر پڑ گئی جن میں حضرت موسیٰؑ اور فرعون کے معرکوں کا ذکر تھا۔ یہاں حضرت موسیٰؑ کا عصا درباری جادوگروں کے سانپوں کو نگل جاتا تھا۔ اس نے ان جادوگروں کے بارے میں بہت کچھ پڑھا اور ان کو سمجھنے کی کوشش کی تو یہ معلوم ہوا کہ فرعون کے جادوگر نظر بندی کے ماہر تھے اور درباریوں کو جو بہت سے سانپ رینگتے نظر آتے تھے وہ درحقیقت ساحروں کی نظر بندی کا کمال تھا اور حضرت موسیٰؑ کا عصا جو رسی کے سانپوں کو نگل گیا تھا' یہ نبوت کا کمال تھا۔

ان واقعات نے علی بن فضل کو مدتوں بے چین رکھا اور وہ ایسی کتابیں تلاش کرنے لگا جن سے نظر بندی کا علم سیکھا جا سکتا تھا۔ مدتوں سرگرداں رہنے کے بعد اسے نیرنجات پر چند کتابیں دستیاب ہو گئیں۔ ان کتابوں میں شعبدوں پر بہت کچھ لکھا گیا تھا اور کچھ ایسے نسخے موجود تھے جو صاحبِ کتاب کے تجربوں میں آ چکے تھے۔ ان میں ایک ایسا نسخہ بھی موجود تھا کہ اگر اس کو تیار کر کے اس کی دھونی دی جاتی تو اس میں سے نکلنے والا سرخ سرخ دھواں ایسا لگتا جیسے خون کی دھاریں نیچے سے اوپر جا رہی

علی بن فضل یمنی

Marfat.com

ہوں۔

اب اس نے نسخے کے اجزائے ترکیبی جمع کیے اور ان پر نہایت مشقت کر کے تجربہ کیا تو نتیجہ حسبِ توقع نہ نکلا۔ سرخ دھواں تو نکلا مگر اس طرح نہیں کہ خون کی دھاریں نیچے سے اوپر رواں ہوں۔ گویا یہ تجربہ کسی حد تک ناکام رہا تھا۔ بظاہر تو یہ حوصلہ شکن، ناقص اور ناتمام تجربہ ایسا تھا کہ معمولی عزم وحوصلے کا آدمی میدان چھوڑ جاتا مگر علی بن فضل یمنی جس مقصد کے لیے یہ کام کر رہا تھا، اس میں تھک کر بیٹھ جانے کی کوئی گنجائش نہ تھی۔

اسی جستجو اور تلاش کے دوران میں اس کو ایک ایسی کتاب مل گئی جس میں قوتِ ارادی کو کام میں لینے کے گر بتائے گئے تھے۔ اسے یہ بات معلوم تھی کہ کئی صوفی اور ریاضتِ شاقہ اختیار کرنے والے لوگ اپنی ذات میں ایسے کمالات پیدا کر لیتے تھے جنہیں عام آدمی ان کی کرامات سمجھنے لگتے تھے اور اسے یہ بات تو معلوم ہو چکی تھی کہ قوتِ ارادی کا جو کھیل فرعون کے زمانے میں جاری تھا وہ تسلسل سے اس کے دور تک چلا آیا تھا۔ اسے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ ایسے لوگ دنیا میں موجود ہیں جو اس راز سے اچھی طرح واقف ہیں۔ اس موضوع پر چند کتابیں بھی مل گئیں مگر انہیں پڑھنے کے بعد علی بن فضل نے محسوس کیا کہ لکھنے والوں نے سب کچھ صحیح صحیح نہیں لکھا ہے۔ ان میں کچھ ایسے رموز و نکات ضرور تھے جن کا کتاب میں کہیں ذکر نہیں تھا مگر ماورائے کتاب انہیں ہونا چاہیے تھا۔

وہ دنیا والوں سے کٹ گیا اور تخلئے میں انسانی ذہنوں کو مسخر کرنے کی تدبیروں اور نسخوں پر غور کرتا رہا۔ اس کے دوست احباب اس سے نالاں تھے کہ وہ کن چکروں میں پڑ گیا۔ وہ علی بن فضل سے سوالات کرتے تو وہ یہ کہہ کر ٹال دیتا کہ وہ ایک ایسے عذاب سے گزر رہا ہے جس کے نتیجے میں برباد بھی ہو سکتا ہے اور انسانی معراج کو بھی پہنچ سکتا ہے۔

علی بن فضل کا یہ گول مول جواب معمّا بن جاتا اور دوستوں کو ایسا لگتا جیسے علی بن فضل کھسک گیا ہے اور اس کا دماغی توازن ٹھیک نہیں ہے۔

اچانک اس نے صنعا کا رخ کیا۔ یہاں نئے لوگ تھے اور ان نئے لوگوں کو نہ تو علی بن فضل جانتا تھا اور نہ علی بن فضل کو یہ لوگ۔

اب وقت آگیا تھا کہ وہ اپنے منصوبے پر عمل درآمد شروع کر دے۔

صنعا میں ذاتی کتب خانے بھی تھے۔ ان کتب خانوں میں بڑی نایاب کتب موجود تھیں۔ اس کی حریص نظریں ان ذاتی کتب خانوں پر تھیں۔ انہی کتب خانوں میں سے ایک میں روحانی عملیات پر چند

علی بن فضل یمنی

Marfat.com

کتابیں موجود تھیں۔ بظاہر یہ کتب خانہ داؤد تاجر کی ملکیت تھا مگر اسماعیلی ہونے کی وجہ سے وہ خوب جانتا تھا کہ داؤد تجارت کے پردے میں اسماعیلی داعی کے فرائض انجام دیتا ہے۔

علی بن فضل داؤد سے ملا اور عرض کیا "جناب! میں ایک پریشان حال اسماعیلی ہوں۔ میری اتنی استطاعت نہیں کہ میں اسماعیلی مذہب اور عقیدے پر کچھ لکھوں۔ اس کے لیے حوالے کی کتابیں مجھے درکار ہیں۔"

داؤد نے کہا "اگر تم واقعی عبیدی مسلک پر کچھ پڑھنا چاہتے ہو تو میرا کتب خانہ حاضر ہے۔ اس میں بیٹھ کر پڑھ لو اور کہیں اور لے جانے کی اجازت نہیں دوں گا۔"

علی بن فضل نے عرض کیا "تب پھر آپ مجھے ایک اجازت اور دیں۔"

داؤد نے پوچھا "وہ کیا، کیسی اجازت، کس قسم کی اجازت؟"

علی بن فضل نے کہا "جناب! مجھے جو کتابیں درکار ہیں، میں ان کی نقل بھی کرنا چاہتا ہوں۔"

داؤد نے جواب دیا "کوئی حرج نہیں، تجھے نقل کا بھی اختیار ہوگا۔"

کئی دن کی بھاگ دوڑ کا یہ نتیجہ نکلا کہ شعبدے بازی کی ایک بہترین کتاب اس کے ہاتھ لگ گئی۔ اس نے اس کتاب کی نقل شروع کردی، دن بھر پڑھتا اور رات کو نقل کرتا۔ اس نے داؤد کو دھوکا دیا۔ وہ جس کتاب کی نقل کر رہا تھا اسے چھپا دیتا تھا اور دوسری کتاب دکھا دیتا تھا۔

اب علی بن فضل نے چند اور نسخے پا لیے تھے۔ ان میں ایک ایسا نسخہ بھی تھا کہ اگر اس کے محلول کو کسی کے جسم یا چہرے پر مل دیا جاتا تو وہ مبروص ہو جاتا لیکن اس کے ساتھ ہی ایک ایسا نسخہ بھی دیا گیا تھا جس کے مل دینے سے برص کے داغ دور ہو سکتے تھے۔

علی بن فضل نے اس کا تجربہ اپنے جسم پر کیا اور وہ برص زدہ ہو گیا۔ وہ کئی گھنٹے برص زدہ رہا پھر اس نے دوسری دوا کی مالش کی اور جب غسل کیا تو وہ پہلے جیسا غیر مبروص ہو گیا تھا۔

اب اسے ایک ایسی چیز میسر آ گئی تھی جس سے وہ بڑے بڑے دعوے کر سکتا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ حضرت مسیح ابن مریمؑ برص زدہ لوگوں کو ٹھیک کر دیا کرتے تھے۔ اس نسخے کے ذریعے اس کو بھی ایک معجزہ مل گیا تھا۔

وہ یہ ساری چیزیں جمع کرتا رہا۔ ابھی وہ وقت نہیں آیا تھا کہ علی بن فضل خوف ناک دھماکا کرتا۔ وہ اب بھی اس ریاضت شاقہ سے محروم تھا جس سے وہ اپنے اندر حیرت انگیز قوت ارادی پیدا کر لیتا۔ وہ دوسروں کو جو کچھ دکھانا چاہتا، لوگوں کو وہی نظر آتا۔

علی بن فضل یمنی

Marfat.com

شب و روز برسوں تجربے کرنے کے بعد وہ اپنی قوت ارادی دوسروں پر طاری کرنے کے لائق ہوگیا۔ اس نے اپنا تجربہ محلے کے چند عام لوگوں پر کیا۔ یہ عام لوگوں سے کہا کرتا تھا کہ آج کل وہ تسخیرِ اجنہ کے عمل میں مشغول ہے کیونکہ اسے اس کے رب نے یہ بتایا ہے کہ اس علاقے کو جن تباہ کردینا چاہتے ہیں اور وہ اللہ کی مخلوق کو اجنہ کے شر سے محفوظ رکھنا چاہتا ہے۔ اس کی کوشش ہے کہ اجنہ آپس کے فتنہ و فساد میں مبتلا ہو جائیں اور صنعا کی طرف سے غافل ہو جائیں۔

محلے کے سادہ لوگوں نے پوچھا "جناب! آپ میں اتنی قوت کہاں سے آگئی کہ آپ جنوں کا مقابلہ کریں گے؟"

علی بن فضل مسکرایا اور کہا "میں برسوں سے عبادت اور ریاضت میں مشغول ہوں۔ بے غرض، بے ریا عبادت نے مجھ میں حیرت انگیز قوتیں پیدا کردی ہیں۔ ان کا میں مظاہرہ بھی کروں گا مگر اسی وقت جب اللہ اس کی اجازت دے دے گا۔"

محلے کے ایک نداف نے حیرت سے پوچھا "تو کیا آپ کو اللہ نے اتنی قوت دے رکھی ہے کہ آپ شریر جنوں کو آپس میں لڑوا سکتے ہیں؟"

علی بن فضل نے جواب دیا "نہ صرف لڑوا سکتا ہوں بلکہ اس لڑائی کا منظر دکھا بھی سکتا ہوں۔ تم لوگ ان کو آپس میں لڑتے ہوئے دیکھو گے اور ان کی آپس کی خانہ جنگی سے عبرت پکڑو گے۔"

نداف نے پوچھا "کیا وہ جن آپس میں جھگڑنے کے بجائے آپ پر حملہ نہیں کرسکتے؟"

علی بن فضل نے جواب دیا "بالکل کرسکتے ہیں اور اس کا بھی امکان ہے کہ اجنہ مجھ پر حملہ آور ہو جائیں اور مجھے ہلاک کردیں۔"

نداف کو علی بن فضل سے انسیت ہوگئی تھی مگر وہ قبل از وقت اپنی اس انسیت کا اظہار نہیں کرنا چاہتا تھا۔

علی بن فضل نداف سے کچھ کام لینا چاہتا تھا۔ اس نے پوچھا "سچ بتا تو روزانہ کتنا کما لیتا ہے؟"

نداف نے جواب دیا "میری کمائی موسمی ہوتی ہے۔ سردیوں میں، میں بہت زیادہ مصروف ہو جاتا ہوں جب کہ گرمیوں میں، میں مارا مارا پھرتا رہتا ہوں اور کوئی خاص آمدنی نہیں ہوتی۔ اگر میں سردیوں کی کمائی کو پس انداز نہ کروں تو گرمیوں میں فاقوں کی نوبت آجائے۔"

علی بن فضل نے نداف کو مشورہ دیا "میرے ساتھ کام کر۔ مجھے تیرے جیسا ایک ایمان دار آدمی درکار ہے۔"

علی بن فضل یمنی

Marfat.com

ندا ف نے حیرت سے پوچھا "آپ کے پاس کتنی روئی ہوگی جو میں دھنتا رہوں گا؟"

علی بن فضل نے تحقیر آمیز لہجے میں جواب دیا "تُو تالاب کی ان مچھلیوں کی طرح ہے جو اپنے تالاب ہی کو کل کائنات سمجھتی ہیں حالانکہ دنیا میں ندافی کے علاوہ بھی بہت سے کام ہیں۔ میں تجھ کو دنیا کے کسی ایسے کام میں مشغول کردوں گا جس سے تو سال بھر کماتا کھاتا رہے گا۔"

ندا ف کی آنکھوں میں اچانک غیر معمولی چمک آگئی تھی "جناب! اگر ایسا ہو جائے تو میں زندگی بھر آپ کو دعائیں دیتا رہوں گا۔"

علی بن فضل نے بے پروائی سے جواب دیا "تو پھر تو وقت کا انتظار کر۔ میں تجھ کو بہت جلد ایک ایسے کام میں مشغول کردوں گا کہ تجھے چوبیس گھنٹے فرصت نہیں ملے گی۔"

ندا ف کچھ دیر بیٹھ کر چلا گیا اور اس وقت کا انتظار کرنے لگا جب اس کو دن رات مشغول ہو جانا پڑے گا۔

وہ اجزائے ترکیبی جمع کر چکا تھا۔ اس نے نسخے کے ذرا سے حصے کا تجربہ کیا اور اس بار وہ کامیاب ہو گیا۔ کمرے میں سرخ رنگ کا دھواں نیچے سے اوپر جانے لگا جیسے سرخ خون ابل رہا ہو۔ وہ دیر تک یہ منظر دیکھتا رہا۔ وہ بے حد خوش تھا کہ اس نے اپنے منصوبے کے خاص حصے پر قابو پالیا تھا۔

اس سلسلے میں اس نے محلے کے ایک لڑکے کو پکڑا اور اس سے کہا "ذرا تو اندر چل کے دیکھ تو سہی وہاں کیسی لڑائی ہو رہی ہے۔"

لڑکا اندر پہنچا تو دیکھا کہ خونی مرغولے اوپر اٹھ رہے ہیں اور ان مرغولوں میں چھوٹے چھوٹے خوب صورت بونے آپس میں تلواریں چلا رہے ہیں۔ یہ تلواریں کسی کو زخمی کر رہی ہیں اور کسی کے اعضا کاٹ کر پھینکے دے رہی تھیں۔

لڑکا یہ منظر دیکھ کر ڈر گیا اور پوچھا "استاد! یہ سب کیا ہے۔ یہ کون لوگ ہیں جو آپس میں کٹ مر رہے ہیں؟"

علی بن فضل نے جواب دیا "یہ جن ہیں۔ پہلے یہ لوگ صنعا کو برباد کر دینا چاہتے تھے مگر اب میں نے ان کو آپس میں لڑوا دیا ہے اور یہ لوگ باہمی خون خرابے میں لگ گئے ہیں۔ اب یہ آپس میں ہی لڑتے مرتے رہیں گے۔"

لڑکے کو بہت ڈر لگ رہا تھا کہ کہیں یہ لوگ اُس کی طرف متوجہ نہ ہو جائیں۔ کسی جن کا ایک ہی

Marfat.com

واراس کی زندگی ختم کر سکتا تھا۔

علی بن فضل نے فخریہ کہا "ہاں! اگر میں ذرا سی دیر کے لیے یہاں سے ہٹ جاؤں یا ان لڑنے والوں پر توجہ نہ دوں تو یہ تجھ پر حملہ کر دیں گے۔"

لڑکا سہم کر علی بن فضل کے قریب بیٹھ گیا اور پوچھا "یہ کب تک لڑتے رہیں گے۔ یہ تو بے شمار ہیں۔ ایک قتل ہوتا ہے تو دوسرا اس کی جگہ لے لیتا ہے۔ یہ سلسلہ کب تک چلے گا؟"

علی بن فضل نے جواب دیا "ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اگر یہ اسی طرح مہینوں لڑتے رہیں تب بھی ان کی تعداد کم نہیں ہوگی۔"

لڑکے نے آنکھیں بند کر لیں اور عاجز آ کر کہا "اب میں یہ منظر زیادہ دیر تک نہیں دیکھ سکتا۔"

لڑکے نے آنکھیں بند کر لی تھیں مگر اب بھی اس پریشانی سے اس کا پیچھا نہیں چھوٹا تھا۔ آنکھیں بند ہونے کے باوجود وہ لڑائی کے منظر سے پیچھا نہیں چھڑا سکا تھا۔ لڑکا چیخنے لگا "یہ لوگ مجھے اب بھی دکھائی دے رہے ہیں۔ خدا کے لیے ان سے میرا پیچھا چھڑائیں۔"

علی بن فضل نے اپنی توجہ ہٹائی تو سارا منظر غائب ہو گیا۔ اب وہاں نہ تو خونی مرغولے تھے اور نہ جنوں کی باہمی مار کاٹ۔

لڑکے نے ڈرتے ڈرتے زمین کے فرش کو دیکھا تو وہاں خون کا کوئی دھبا بھی نظر نہ آیا۔ اس نے حیرت سے پوچھا "یہ جنوں کا خون کہاں چلا گیا؟"

علی بن فضل نے کہا "لڑکے! میں نے تجھ کو اپنی پناہ میں لے لیا ہے۔ تو نے یہاں جو کچھ دیکھا ہے اس کا لوگوں میں خوب چرچا کر، اگر اس میں تو نے بخل سے کام لیا تو میں اپنی ذمے داری سے کنارہ کش ہو جاؤں گا۔"

لڑکے نے باہر نکل کر علی بن فضل کی تشہیر شروع کر دی۔ وہ جو کچھ لوگوں کو بتا رہا تھا وہ سب لوگوں کی سمجھ سے بالاتر تھا۔ محلے کے لوگوں کو لڑکے کی دماغی صحت پر شبہ ہوا کیونکہ وہ جو کچھ بتا رہا تھا، وہ ناقابلِ یقین تھا لیکن محلے کا نداف لڑکے کی تائید کر رہا تھا۔ اس نے سب کو بتایا کہ علی بن فضل ایک صاحبِ کمال شخصیت ہے۔ اس سے منسوب ہر بات درست ہے۔

محلے کے سربرآوردہ لوگ جمع ہوئے اور ان کے سامنے محلے کے عام لوگوں کا ہجوم اکٹھا ہو گیا۔ یہ عام لوگ اپنے بڑوں کی عقل کے تابع تھے۔ وہ اپنے بڑوں سے پوچھ رہے تھے کہ یہ لڑکا علی بن فضل کے بارے میں جو کچھ کہہ رہا ہے، کس حد تک درست ہو سکتا ہے؟

علی بن فضل یمنی

Marfat.com

لڑکے کی بات تو قابل قبول نہیں ہو سکتی تھی مگر..... عمر رسیدہ نداف نے کھڑے ہو کر اعلان کیا "لوگو! یہ تو لڑکا ہے۔ اگر سال بھر کا بچہ بھی علی بن فضل کے کمالات کا ذکر شروع کر دے تو میں اس پر بھی ایمان لے آؤں گا کیونکہ علی بن فضل اس دور کی عظیم الشان شخصیت ہے اور میں حیران ہوں کہ اس شریف آدمی نے اپنے اصل منصب کو ہم سے چھپا کیوں رکھا ہے جبکہ میں اسے پہچان رہا ہوں۔ لڑکے نے اسے سمجھ لیا ہے۔"

محلے کے ایک سب سے زیادہ معتبر شخص زکریا نے نداف سے پوچھا "تو علی بن فضل کو کب سے اور کس طرح جانتا ہے؟"

نداف نے جواب دیا "میں ایک عرصے سے اس شخص کو دیکھ رہا ہوں۔ یہ یہاں کا مقامی باشندہ بھی نہیں ہے بلکہ اللہ نے اسے بطور خاص یہاں بھیجا ہے۔ وہ کیا چاہتا ہے اور کیا نہیں چاہتا' یہ تم لوگ خود اس سے معلوم کرو۔"

زکریا نے دریافت کیا "کیا تو اس سے ملتا رہا ہے؟"

نداف نے جواب دیا "نہ صرف ملتا رہا ہوں بلکہ اس کے ساتھ شب و روز بھی گزارے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ صنعا کو طاغوتی طاقتیں تباہ کر دینا چاہتی ہیں جبکہ اللہ نے ابن فضل کو اسی لیے یہاں بھیجا ہے کہ یہ صنعا کو بچائے۔"

محلے کے چند بزرگ ہنسنے لگے اور آپس میں کہا "ہم کو تو یہ لڑکا اور نداف دونوں ہی ماؤف الدماغ نظر آتے ہیں۔ معلوم نہیں کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہے ہیں۔"

زکریا نے نداف سے پوچھا "کیا علی بن فضل وہ سب کچھ دکھا سکتا ہے جو یہ لڑکا دیکھ چکا ہے؟"

نداف نے جواب دیا "بالکل دکھا سکتا ہے۔"

اہل محلّہ دیر تک بحث و تکرار میں مشغول رہے۔ ان میں بعض ایسے بھی تھے جو یہ کہتے تھے کہ علی بن فضل کو اتنی اہمیت نہ دی جائے۔ یہ کوئی شعبدے باز معلوم ہوتا ہے جو ان کے ایمانوں پر ڈاکا ڈالنے آگیا ہے۔

محلے کی اکثریت علی بن فضل کے خلاف کچھ سننے کو تیار نہ تھی۔ یہ لوگ لڑکے کا بیان کردہ مناظر اپنی آنکھ سے دیکھنا چاہتے تھے۔ زکریا ان اوہام پرستوں کا سرغنہ بن گیا۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا "دوستو! جب تک ہم اس شخص سے مل نہ لیں اس کے کمالات کا مشاہدہ نہ کر لیں' ہمیں اس کے خلاف زبان نہیں کھولنی چاہیے۔"

Marfat.com

لوگوں نے کہا "اگر یہ بات ہے تو پھر ہم اپنا وقت کیوں ضائع کریں۔ ہجوم کی شکل میں وہاں چلتے ہیں اور اس سے بات کرتے ہیں۔"

یہ ہجوم شور کرتا ہوا علی بن فضل کے گھر کی طرف بڑھا تو راستے میں دوسرے لوگ بھی شریک ہوتے چلے گئے۔

نداف ہجوم سے کٹ کر پہلے ہی علی بن فضل کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے ساری تفصیل بتائی اور کہا "ہم نے تو بات یہاں تک پہنچادی ہے اب آگے کا احوال آپ جانیں۔"

علی بن فضل نے کہا "تو یہ جو کچھ کر رہا ہے' اللہ تجھ کو اس کا صلہ دے گا۔"

نداف نے متذبذب لہجے میں پوچھا "اب ایک بات مجھے بتادیں کہ یہ لڑکا جو کچھ بیان کرتا پھر رہا ہے کیا آپ وہ سب محلے والوں کو بھی دکھا سکیں گے؟"

علی بن فضل نے جواب دیا "تو محلے کی بات کرتا ہے' میں پورے شہر کو وہ سب کچھ دکھا سکتا ہوں۔ مجھے کچھ خاص قوتیں بخشی گئی ہیں اور یہ غلط نہیں ہے کہ بعض شیطانی طاقتیں صنعا کو برباد کر دینا چاہتی ہیں لیکن اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اسے بچاؤں۔"

علی بن فضل کے گھر کے سامنے محلے بھر کے لوگ جمع ہو گئے۔

علی بن فضل نے دروازے کو اندر سے بند کر لیا اور چھت پر چڑھ گیا۔

زکریا نے نیچے سے کہا "علی بن فضل! نیچے اترو اور ہم سے ملو۔"

علی بن فضل نے اوپر ہی سے جواب دیا "نہیں' میں نیچے نہیں آؤں گا اور نہ باہر نکل کر تم سے ملوں گا۔"

زکریا نے پوچھا "ہم تم سے جو بات کرنے آئے ہیں' وہ کس طرح ہوگی؟"

علی بن فضل نے جواب دیا "اسی طرح تم لوگ چیخ چیخ کر مجھ سے سوال کرو۔ میں چیخ کر اس کا جواب دوں گا۔"

زکریا نے پہلا سوال کیا "پہلے تم یہ بتاؤ کہ تم صنعا میں کیوں آئے ہو؟"

علی بن فضل نے جواب دیا "میں صنعا کو تباہیوں اور بربادیوں سے بچانے آیا ہوں اور میرے اللہ نے جب مجھے یہ حکم دیا کہ میں صنعا کو طاغوتی طاقتوں سے بچاؤں تو میں بہ حکم خداوندی یہاں چلا آیا۔"

زکریا نے کہا "محلے کا ایک لڑکا کچھ عجیب و غریب باتیں بیان کرتا پھر رہا ہے۔ لوگ تجھے شعبدے باز کہتے ہیں۔"

Marfat.com

علی بن فضل غصے سے بے قابو ہو گیا "اگر حکم خداوندی آڑے نہ آتا تو میں صنعا کو چھوڑ کر چلا جاتا اور میرے بعد شیطانی طاقتیں اس کا جو حشر کرتیں میں دور سے وہ منظر دیکھتا اور تمہاری بربادیوں کا تماشا دوسروں کے لیے نمونہ عبرت بن جاتا۔"

ایک صاحب زکریا کو پیچھے ہٹاتے ہوئے آگے بڑھے اور پوچھا "اگر تو نے لڑکے کے بیان کردہ مناظر ہمیں دکھا دیے تو ہم تیری ہر بات پر یقین کر لیں گے۔"

علی بن فضل نے پوچھا "لڑکے نے تمہیں کیا بتایا؟"

زکریا نے بتایا "لڑکا کہتا ہے کہ میں نے ناری مخلوق کو آپس میں جنگ کرتے دیکھا ہے۔ اس ناری مخلوق کے شریر شریفوں سے مصروفِ پیکار تھے۔"

علی بن فضل نے کہا "بے شک اس لڑکے کو یہی سب کچھ دکھایا گیا تھا۔"

ایک اجڈ دیہی خصلت جوان نے پوچھا "مگر یہ تو بتا کہ جنوں کی یہ مخلوق دو حصوں میں کیوں بٹ گئی کہ شریف اپنی ہی ملت کے شریروں سے مصروفِ پیکار ہو گئے؟"

علی بن فضل نے جواب دیا "ناری مخلوق کے شریف میرے مطیع اور فرمانبردار ہیں۔ اسی لیے وہ میری طرف سے اپنے رب کو راضی رکھنے کے لیے اپنے لوگوں سے جنگ کرنے لگے۔"

اب گفتگو ذرا دلچسپ ہو گئی تھی اور جو لوگ ابھی تک خاموش تھے، وہ بھی بولنے لگے "جناب! جو کچھ کرنا ہے فوراً کیجئے، ورنہ اندیشہ ہے کہ ہمارے باہمی جھگڑے طول پکڑ جائیں گے اور یہ معاملہ قابو سے باہر ہو جائے گا۔"

نداف نے علی بن فضل کے پیچھے سے نمودار ہو کر کہا "لوگو! اپنا وقت برباد نہ کرو۔"

زکریا نے اپنے ساتھیوں اور ہجوم سے کہا "لوگو! میں علی بن فضل سے ایک وقت اور ایک دن کے اعلان کا تقاضا کرتا ہوں۔ محلے بھر کے لوگ اس دن اور اس وقت یہاں جمع ہو جائیں گے اور ناری فوج کو آپس میں برسرِ پیکار دیکھیں گے۔"

علی بن فضل نے یہ معاملہ بھی محلے کے بڑوں پر چھوڑ دیا اور کہا "میں تم سب کو اختیار دیتا ہوں کہ اس دن کا اعلان تم خود کرو۔ وقت کا تعین بھی تم خود کرو گے اور طاغوتی طاقتوں کی جنگ کا نظارہ میں کراؤں گا۔"

زکریا اور اس کے ساتھی آپس میں مشورہ کرنے لگے۔ وہ چاہتے تھے کہ اگر کچھ ہونا ہے تو انہیں اس کا فوراً بندوبست کرنا چاہیے۔

Marfat.com

آخر یہ لوگ آنے والے جمعے کی رات پر متفق ہو گئے۔

اس اعلان نے لوگوں میں بے پناہ جوش و خروش پیدا کر دیا۔ یہ لوگ اس وقت شہر بھر میں پھیل گئے اور اپنے اپنے لفظوں میں مبالغے کے ساتھ علی بن فضل کی تعریفیں کرنے لگے۔

لیکن نداف کچھ اور ہی کہتا پھر رہا تھا "علی بن فضل شہر بھر کے ہجوم کے سامنے اپنی نبوت کا اعلان کرے گا اور اس وقت جو لوگ علی بن فضل پر ایمان لے آئیں گے، انہیں اللہ محفوظ و مامون کر دے گا۔ جو انکار کریں گے ان کا حشر بہت بہت برا ہو گا۔"

اس دوران میں نداف خود بھی علی بن فضل کے پاس پہنچا اور اپنی کارگزاری سے اس کو آگاہ کیا اور پوچھا "کیا آپ اس رات لوگوں کو مشاہدہ کروا سکیں گے یا ہمیں شرمندگی اٹھانا پڑے گی۔"

علی بن فضل نے ہنستے ہوئے جواب دیا "تُو فکر نہ کر۔ میں نے جو کچھ کہا ہے اس سے زیادہ دکھاؤں گا کیونکہ صنعا میں وہ جنگ جاری ہے۔ اس وقت بھی جاری ہے لیکن عام نظریں اسے دیکھ نہیں سکتیں۔"

نداف نے درخواست کی "مجھے اس جنگ کا مشاہدہ کروایا جائے۔"

علی بن فضل نے جواب دیا "فی الحال تُو ضد نہ کر کیونکہ اگر میں وہ منظر تجھ کو دکھا دوں گا تو ناری مخلوق کو تکلیف پہنچے گی۔ وہ اپنی رسوائی نہیں چاہتیں۔ پورا شہر ایک ہی دن دیکھ لے گا، تُو بھی اسی دن دیکھ سکے گا۔"

علی بن فضل اس مرکب کی تیاری میں مشغول تھا جس کو آگ میں ڈالنے سے سرخ رنگ کا دھواں خون کی دھاروں کی شکل میں اوپر ابلتا محسوس ہوتا تھا۔

وہ اس مرکب کی گولیاں بنا بنا کر سائے میں خشک کرتا رہا اور جمعے سے پہلے ہی انہیں چھت پر یکجا کر دیا۔

اس کے ساتھ ہی اس نے صحن میں سب سے قریب یعنی چھت کے عین نیچے کوئلے کا ڈھیر لگا دیا۔

وہ وقت اور وہ دن آ گیا۔ اس روز صبح سے ہی شہر بھر کے لوگ علی بن فضل کے گھر کے سامنے جمع ہونا شروع ہو گئے۔

علی بن فضل کو رات کا انتظار تھا مگر اس دوران میں وہ چھت پر کھڑا سامنے جمع ہونے والوں کو دعوت دے رہا تھا کہ وہ ابھی سے یہ فیصلہ کر لیں کہ جب وہ انہیں آتشی مخلوق کی جنگ و جدل کا نظارہ کروا دے گا تو وہ بے چون و چرا، اس کی نبوت پر ایمان لے آئیں گے۔

علی بن فضل یمنی

Marfat.com

بہتوں نے وعدہ کرلیا تھا کہ اگر وہ ناری مخلوق کی جنگ وجدل دیکھ سکے تو اس پر ایمان ضرور لے آئیں گے۔ لوگوں نے مغرب کی نماز میدان میں ہی ادا کی مگر ان سب کے دل اس شعبدے میں اٹکے ہوئے تھے جسے تھوڑی دیر بعد علی بن فضل دکھانے والا تھا۔

علی بن فضل نے کوئلے دہکانے شروع کردیے۔ جب وہ خوب اچھی طرح دہک گئے تو اس نے نداف کو کوئلوں کے پاس رہنے کا حکم دیا اور کہا "تو جب تک میں نہ کہوں ان کوئلوں کے پاس رہے گا۔ ان میں نئے کوئلے ڈالتا رہے گا اور آگ کو کم نہیں ہونے دے گا۔"

تیار کردہ مرکبات کی گولیاں چھت پر اس کے پاس ڈھیر تھیں۔

اب علی بن فضل نے ہجوم کے سامنے چھوٹی سی تقریر کی۔ میں صنعا سے بہت دور گم نامی کی زندگی گزار رہا تھا کہ اچانک مجھے بتایا گیا کہ میں صنعا پہنچوں کیونکہ شیطانی قوتیں صنعا کی بربادی کے درپے ہیں۔ اس وقت مجھے صنعا میں ہونا چاہیے کیونکہ اللہ کی مرضی یہی ہے کہ میں اس کو بچاؤں۔ اس وقت تک مجھے خود نہیں معلوم تھا کہ میں کیا ہوں اور مجھ کو اس قسم کا حکم کیوں دیا جارہا ہے۔ اسی دوران میں جب میں صنعا کی حفاظت پر مامور کیا گیا تو مجھے یہ احساس ستاتا رہا کہ آخر مجھ جیسے کمزور سے اتنا بڑا کام کیوں لیا جارہا ہے۔ میں روتا تھا اور اللہ سے کہتا تھا کہ مجھے میری حیثیت سے باخبر کرتا کہ میرے سپرد جو کام کیا گیا ہے اسے دل جمعی سے انجام دوں۔ چنانچہ چند ماہ پہلے مجھے بتایا گیا کہ میں نبی ہوں اور تم سب کی حفاظت پر مامور کیا گیا ہوں۔ میں نے اللہ سے کہا کہ اگر میں نبوت کا اعلان کردوں گا تو لوگ مجھے نبی نہیں مانیں گے۔ نبی کے لیے معجزات ضروری ہیں۔ اگر میں واقعی نبی ہوں تو کوئی معجزہ ملنا چاہیے اس لیے اللہ نے مجھے یہ معجزہ بخش دیا کہ جو کچھ اس شہر میں ہورہا ہے مجھے میں اس کا نظارہ کروانے پر قادر کردیا گیا۔ اب تھوڑی دیر بعد میں وہ منظر تم سب کو دکھادوں گا۔ اس کے بعد کسی کو میری نبوت پر شبہ نہیں کرنا چاہیے۔

نیچے سے آوازیں بلند ہورہی تھیں "اگر تو سچا ہے تو ہمیں ناری مخلوق کی جنگ دکھا۔"

علی بن فضل نے اوپر سے آگ میں مرکبات کی گولیاں پھینکنا شروع کردیں اور آگ میں سے سرخ رنگ کا دھواں نکلنے لگا۔ پہلے یہ دھواں بہت معمولی اور پتلی سی ایک لکیر کی شکل میں اوپر اٹھا پھر اس کی وسعت اور دبازت میں اضافہ ہونے لگا اور صریحاً ایسا لگ رہا تھا جیسے نیچے آتش فشاں ہو اور اس کا لاوا ابل ابل کر اوپر جارہا ہو۔ پوری فضا سرخ ہورہی تھی۔ باہر لوگوں میں دہشت طاری تھی۔ انہیں ڈر لگ رہا تھا کہ کہیں آگ کا یہ لاوا ان پر نہ آگرے۔

علی بن فضل یمنی

Marfat.com

اب علی بن فضل نے اپنی اس قوتِ ارادی سے کام لینا شروع کیا جو دوسروں کی قوتِ ارادی کو معطل کرکے وہی کچھ دکھاتی ہے جو قوتِ ارادی کا عامل انہیں دکھانا چاہتا ہے۔ لوگوں نے دیکھا کہ آتشی لاوے میں بہت سارے سوار تلواروں اور نیزوں کے ساتھ نمودار ہوئے۔ یہ لوگ آگ کے گھوڑوں پر سوار تھے اور آپس میں لڑ رہے تھے۔ ان میں جو ہلاک ہو رہے تھے وہ آگ اور خون کی ان دھاروں سے غائب ہو جاتے تھے اور ان کی جگہ دوسرے نمودار ہو جاتے تھے پھر شور و غل بھی بلند ہونے لگا۔ دونوں فریق کسی ایسی زبان میں نعرے لگا رہے تھے جو کسی کی سمجھ میں نہیں آتی تھی۔

نیچے سے لوگوں نے چیخ چیخ کر پوچھا "یہ کون سی زبان استعمال کر رہے ہیں؟"

علی بن فضل نے جواب دیا "ناری مخلوق کی اپنی الگ زبان ہوتی ہے اور اس زبان کو صرف میں سمجھ سکتا ہوں۔"

دوسری طرف سے سوال کیا گیا "یہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں؟"

علی بن فضل نے بتایا "ان میں ایک کا مخالف فریق کہہ رہا ہے کہ ہم اسے یعنی صنعا کو برباد کرکے دم لیں گے اور دوسرا فریق کہہ رہا ہے کہ ہم ایسا نہیں ہونے دیں گے کیونکہ اللہ نے صنعا کو علی بن فضل کی حفاظت میں دے دیا ہے۔"

اچانک جنگ نے شدت اختیار کرلی اور شور و غل میں اضافہ ہو گیا۔ ایسا لگتا تھا جیسے مرنے والے حالت کرب میں واویلا کر رہے ہیں۔ زخمی فریادی 'حملہ آور آگے بڑھو' مارو کوئی بچ کے جانے نہ پائے کے نعرے لگا رہے ہیں۔

ان بھیانک آوازوں نے دہشت طاری کر رکھی تھی اور ہجوم نیچے سے پوچھ رہا تھا "اب یہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں؟"

علی بن فضل نے اوپر سے جواب دیا "وہ کہہ رہے ہیں 'لوگوں سے پوچھو کہ وہ علی بن فضل کی نبوت پر ایمان لائے یا نہیں؟"

نیچے سے بہت سی آوازیں بلند ہوئیں "ان مشاہدات کے بعد بھی کون ہے جو ایمان نہیں لائے گا؟"

علی بن فضل نے پوچھا "کیا تم لوگ اس خوف ناک منظر کو مزید دیکھنا پسند کرو گے؟"

نیچے سے متضاد جوابات ملے۔ کچھ آوازیں کہہ رہی تھیں "خدا کے لیے اس سلسلے کو بند کرو۔ ہمیں خوف محسوس ہو رہا ہے کہ یہ کہیں ناری مخلوق ہم سے جنگ نہ شروع کر دے۔"

علی بن فضل یمنی

Marfat.com

مگر ہجوم میں وہ لوگ بھی تھے جو یہ مناظر بہت شوق سے دیکھ رہے تھے اور ان کی خواہش تھی کہ یہ سلسلہ جاری رہے اور وہ خون خرابا دیکھتے رہیں۔

علی بن فضل نے ان لوگوں سے کہا "مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے کہ تم لوگ رات بھر یہ منظر دیکھتے رہو مگر اندیشہ رہے کہ اگر کسی سرکش نے تمہارے ہجوم کی طرف سے اپنی جنگ کا رخ موڑ دیا تو تم کیا کرو گے؟"

اس اعلان سے ہجوم زیادہ خوف زدہ ہو گیا اور لوگوں نے مطالبہ کیا کہ یہ سلسلہ بند کیا جائے۔

لیکن علی بن فضل نے اس سلسلے کو اپنی مرضی سے جاری رکھا بلکہ اس میں اتنی شدت پیدا کر دی کہ ہجوم کو یہ احساس ہوا کہ ناری مخلوق ان کی طرف متوجہ ہو گئی ہے اور شاید ہجوم میں مار کاٹ شروع ہونے والی ہے۔

ہجوم نے شور مچایا "یہ سلسلہ بند کیا جائے۔"

کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد علی بن فضل نے پوچھا "کیا تم لوگ میری نبوت پر ایمان لانے کو تیار ہو؟"

ہجوم پر دیوانگی طاری تھی۔ اس نے متفقہ آواز میں اعلان کیا "آپ ہمارے شہر صنعا کو تباہی سے بچالیں۔ ہم آپ پر ایمان لائے، آپ کی نبوت پر ایمان لائے اور اگر آپ حکم دیں گے تو آپ کے دین کی بھی ہم تبلیغ کریں گے۔"

علی بن فضل نے مرکبات کی گولیاں آگ میں ڈالنا بند کر دیں اور دھوئیں میں بتدریج کمی ہونے لگی۔ نداف کو کوئلوں کے پاس سے ہٹ جانے کا حکم دیا گیا اور فضا آہستہ آہستہ تاریکی میں ڈوبتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ علی بن فضل ہجوم کو اور ہجوم علی بن فضل کو سائے کی طرح نظر آنے لگے۔

یکایک علی بن فضل کی آواز گونجی "میں اپنا در تمہارے لیے مستقل کھول رہا ہوں۔ جو مجھ پر اور میری نبوت پر ایمان لے آئے گا، محفوظ رہے گا۔ جو نہیں لائے گا، برباد ہو جائے گا۔"

اس کے بعد علی بن فضل چھت سے نیچے آگیا اور دروازہ کھول کر سامنے کھڑا ہو گیا اور ہجوم سے کہا "آگے بڑھو، میری نبوت کا اقرار کرو۔ میرے ہاتھوں کو بوسے دو اور میری امت میں داخل ہو جاؤ۔"

پھر تو ایسی دھکم پیل شروع ہوئی کہ ہر کوئی علی بن فضل کی نبوت پر ایمان لانے کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرنے لگا۔

Marfat.com

ہجوم میں وہ لوگ بھی شامل تھے جن کا ایمان پختہ تھا۔ وہ علی بن فضل کی شعبدہ بازی کو سمجھنے کی کوشش کررہے تھے اور ان کا یہ ایمان تھا کہ محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ وہ علی بن فضل کے وقتی کرشموں سے ذرا بھی متاثر نہ ہوئے اور ان لوگوں نے علی بن فضل کے ہاتھ پر نہ تو بیعت کی اور نہ کسی کو اس کا مشورہ دیا بلکہ یہ لوگ دوسرے لوگوں کو منع کرتے رہے کہ عجلت سے کام نہ لیں۔ عقل کو کام میں لائیں اور اپنے ایمان کو داغ دار نہ کریں مگر ان کے منع کرنے کے باوجود صنعا کے لوگ علی بن فضل کی آواز پر ٹوٹے پڑ رہے تھے۔ پوری رات لوگ اس کی نبوت کا اقرار کرتے رہے' اس کے ہاتھوں کو بوسے دیتے رہے۔ صبح تک وہ صنعا والوں کا نبی بن چکا تھا۔ اس کو نبی تسلیم کرنے والوں میں پڑھے لکھے اور عقل مند لوگ بھی شامل تھے۔

نداف اس کا خاص آلہ کار تھا۔ اسے مالی فائدہ بھی پہنچ رہا تھا اس لیے یہ نداف علی بن فضل کا خاص آدمی بن گیا تھا۔ چنانچہ جب ایک محلول کے ذریعے نداف کو عارضی طور پر جذام کے مرض میں مبتلا کردیا گیا تو یہ بہت گھبرایا اور بار بار تخلئے میں پوچھتا "کیوں جناب! کیا میں اس مرض سے صحت یاب ہوجاؤں گا؟"

علی بن فضل اس کو سمجھاتا "تو ایک عرصے سے مجھ کو دیکھ رہا ہے۔ میرے قول و فعل کی مطابقت سے بھی آگاہ ہے۔ یہ بھی جانتا ہے کہ میں نے تجھ کو صنعا والوں میں بہت زیادہ معزز کردیا ہے۔ کیا میں تجھ کو صحت یاب نہ کرکے خود کو رسوا کرنا پسند کروں گا۔"

نداف نے خوشامدانہ لہجہ اختیار کیا "یہ بات نہیں ہے بلکہ میں اپنے اس مرض سے بہت زیادہ خوف زدہ ہوں اور کبھی کبھی یہ سوچنے لگتا ہوں کہ یہ خطرناک مرض مجھے لاحق ہوگیا ہے کہیں ایسا تو نہیں کہ میں اس میں مستقلاً مبتلا ہوجاؤں گا۔"

علی بن فضل ہنسنے لگا "اگر میں تجھ کو اچھا نہ کرسکا تو صنعا والوں کی نظر میں خود ذلیل ہوجاؤں گا۔"

نداف نے کسی قدر نرمی سے کہا "آپ کو پورا شہر نبی مان چکا ہے۔ آپ کی بڑی حیثیت ہے لیکن میری کوئی حیثیت نہیں ہے اگر آپ کسی وجہ سے مجھے نظرانداز کردیں گے تو پورے شہر میں میرا کوئی پرسان حال نہ ہوگا۔"

علی بن فضل اس کو پاس بٹھا کر تسلیاں دیتا رہا اور آخر میں حکم دیا کہ وہ اپنے اس مرض کا شہر بھر کو مشاہدہ کروائے۔ جب ادھر سے فرصت مل جائے تو اس کی تعریف و توصیف کے بعد وہ لوگوں کو بتائے کہ علی بن فضل کو اس مکروہ مرض کا علاج آتا ہے اور یہ کہ علی بن فضل جب چاہے گا' وہ ٹھیک

Marfat.com

ہوجائے گا۔

نداف نے اس منصوبے پر شاندار کام کیا اور بہت زیادہ لوگوں کو نداف کے مرض کا علم ہوگیا۔ لوگ نداف سے دور دور رہنے لگے لیکن نداف ان سب سے ایک ہی بات کہتا "میری خوش قسمتی ہے کہ میں اس گھناؤنے مرض میں ایک ایسے زمانے میں مبتلا ہوا کہ اللہ کا ایک نبی ہم میں موجود ہے اور اس کو جو معجزے دیے گئے ہیں' ان میں ایک یہ معجزہ بھی ہے کہ وہ مبروص و مجذوم کو ٹھیک کردیتا ہے۔ جب بھی اس کی نظرِ کرم ہوئی میں صحت یاب ہوجاؤں گا۔"

اس دوران میں علی بن فضل یہ حساب لگاتا رہا کہ نداف کے جسم پر جو محلول لگایا گیا تھا اس کے اثرات زائل ہونے میں کتنے دن رہ گئے ہیں پھر جیسے ہی یہ احساس ہوا کہ اب نداف خود بہ خود ٹھیک ہوجائے گا تو اس نے اعلان کروادیا "میں عنقریب نداف کو صحت یاب کرنے والا ہوں۔"

جن لوگوں کو اس معاملے میں دلچسپی تھی' وہ حیرت زدہ اس کے صحت یاب ہونے کے منتظر تھے۔

نداف کو ایک رات کے لیے ایک مکان میں نظر بند کردیا گیا اور اس کے جسم پر ایک دوسرے محلول کی مالش کردی گئی جس کے نتیجے میں وہ صبح تک بالکل صحت یاب ہوچکا تھا۔ نداف نے غسل کیا اور نئے کپڑے پہن کر جب وہ صنعا والوں کے سامنے گیا تو اس کے نکھرے ستھرے چہرے کو دیکھ کر لوگ دنگ رہ گئے۔ انہیں یقین نہیں آتا تھا کہ یہی نداف ہے جو ایک دن پہلے تک گھناؤنے مرض میں مبتلا تھا۔ اب سارے شہر میں یہ چرچا ہونے لگا کہ علی بن فضل کو حضرت مسیحؑ کی طرح مریضوں کو صحت یاب کرنے کا معجزہ بخشا گیا ہے اور اس کا اثر یہ ہوا کہ مختلف امراض میں مبتلا لوگ علی بن فضل کے در کے چکر لگانے لگے۔

اب علی بن فضل کو ایک زبردست معجزہ دکھانا باقی رہ گیا تھا۔ وہ یہ کہ حضرت مسیحؑ نے ایک مردے میں جان ڈال دی تھی۔ یہی معجزہ علی بن فضل کو بھی دکھانا تھا۔ اس موقع پر اس نے نداف سے کام لیا۔ اس سے کہا "تو صنعا کے گلی کوچوں میں گھوم پھر کر یہ پتا لگا کہ ان میں سے کوئی شخص اتنا مہلک بیمار ہے جو صبح و شام دنیا سے رخصت ہونے والا ہو۔"

نداف نے ایسے کئی مریضوں کی نشاندہی کردی۔

ایسے کئی مریض مل گئے اور ان سب کے بارے میں بہترین معلومات اکٹھا کی گئیں۔ علی بن فضل نے ان میں سے ایک مریض کو اپنے لیے منتخب کیا۔

اور پھر تنہائی میں وہ اس مریض سے ملا اور اسے سمجھایا "دیکھ! تو نے اپنے طبیب سے کبھی یہ

Marfat.com

پوچھا کہ اس کے پاس کوئی ایسا نسخہ موجود ہے جو تجھے صحت یاب کردے۔"

مریض کئی اطبا کی طرف سے مایوسی کا جواب پا چکا تھا۔

علی بن فضل نے کہا "میں تجھ کو صحت یاب کر سکتا ہوں اور اطبا کو شرمندہ لیکن پھر وہی شرط کہ اگر میں تجھے صحت یاب کردوں تو تیرے گھر کے وہ لوگ جو اب تک مجھ پر ایمان نہیں لائے' ایمان لے آئیں گے۔"

مریض نے جواب دیا "ان حالات میں آپ کی دعاؤں کے طفیل میرا صحت یاب ہو جانا ایک معجزہ ہوگا اور اس معجزے کی وجہ سے کئی لوگ بے حیل و حجت آپ کی نبوت پر ایمان لے آئیں گے۔"

علی بن فضل نے اپنے منصوبے کے تحت مریض کو پینے کے لیے ایک ایسا محلول دیا جس سے پینے والا سکتے کے مرض میں مبتلا ہو جاتا تھا اور دیکھنے والے یہ سمجھتے تھے کہ مریض کا انتقال ہو گیا۔

چنانچہ مریض محلول پیتے ہی سکتے کے مرض میں مبتلا ہو گیا اور گھر میں اس کی موت کا سوگ منایا جانے لگا۔ ہر عزیز اور ہر رشتے دار سوگوار تھا۔ رو رہا تھا' گریہ و بکا میں مبتلا تھا۔ یہ لوگ علی بن فضل سے پوچھ رہے تھے کہ اس نے تو اس کے صحت مند ہونے کی بشارت دی تھی مگر مریض تو اللہ کو پیارا ہو گیا۔

علی بن فضل نے بھی افسوس کیا اور کہا "دوائیں اللہ کی مشیت کو نہیں بدل سکتیں مگر نبی کی دُعا کبھی خالی نہیں جاتی گو کہ یہ شخص مر چکا ہے مگر ایک نبی کی دُعا اسے زندہ کردے گی۔"

لوگوں کو اس کی باتوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ انہیں یہ اندیشہ تھا کہ اگر مردے کو زیادہ دیر تک رکھا گیا تو لاش سڑنے گلنے لگے گی۔ وہ تدفین میں عجلت اختیار کرنے کا مشورہ دے رہے تھے مگر علی بن فضل سب کو دلاسا دے رہا تھا "میں اس مردے کو زندہ کردوں گا۔"

یہ بڑی ناقابلِ یقین بات تھی اور کسی کو بھی اس پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ مرا ہوا شخص دوبارہ جی اٹھے گا لیکن ابھی تک علی بن فضل نے جو کچھ کہا تھا وہ کر دکھایا تھا اس لیے انہیں کچھ کچھ بھروسا تھا کہ شاید مرنے والے کی روح جسم میں دوبارہ واپس آ جائے۔

علی بن فضل اپنی دوا کے اثر کے وقفے کا منتظر تھا۔ اس کی دوا کا دورانیہ جتنا تھا جب وہ پورا ہونے لگا تو علی بن فضل اس کے سرہانے بیٹھ گیا اور لوگوں کو یقین دلایا "اب میں اللہ سے الحاح و زاری کروں گا کہ وہ میری خاطر اس کے تنِ مردہ میں جان ڈال دے۔ مجھے یقین ہے کہ میرا رب مجھے مایوس نہیں کرے گا۔"

عزیزوں اور رشتے داروں نے میت کے چاروں طرف کھڑے ہو کر اس کے زندہ ہونے کا انتظار کیا

علی بن فضل یمنی

Marfat.com

جب کہ علی بن فضل کو اس پر اعتراض تھا۔ وہ کہتا تھا کہ لوگوں کے آس پاس موجود ہونے کی وجہ سے اس کی طمانیتِ قلبی پر اثر پڑتا ہے اس لیے وہ لوگ کچھ دیر کے لیے یہاں سے ہٹ جائیں۔

رشتے داروں کو مردے کی جان عزیز تھی فوراً ادھر ادھر ہو گئے اور علی بن فضل کی جاتے جاتے خوشامد کر گئے "خدا کے لیے اسے دوبارہ زندہ کر دیں۔"

اب بظاہر اس مردے کے آس پاس کوئی موجود نہ تھا اور یہ اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ دوا کا اثر کم ہوتا جا رہا تھا اور مردے میں فی الحال زندگی کے آثار نہیں پائے جا رہے تھے۔

اب نداف کے ساتھ علی بن فضل کے دوسرے پیرو بھی وہاں پہنچ گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ علی بن فضل سجدے میں گرا ہوا گڑگڑا رہا تھا "اے اللہ، مجھے بتایا گیا ہے کہ یہ شخص ملک الموت کے قبضے میں جا چکا ہے جب کہ میں نے مرحوم کے ورثا سے وعدہ کیا ہے کہ اس کو زندہ کر دوں گا۔ اس کے ورثا کی اس سے باتیں کرواؤں گا۔ اب فیصلہ تیرے ہاتھ میں ہے کہ تو ملک الموت کا ساتھ دیتا ہے یا میرا؟"

جو بھی وہاں موجود تھا وہ اس منظر کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

اچانک علی بن فضل کی آواز سنائی دی جو سجدے میں پڑا ہوا کہہ رہا تھا "اے اللہ! میں نے تیرے سامنے سجدے میں گر کر یہ ارادہ کر رکھا ہے کہ جب تک اس تنِ مردہ میں اس کی روح واپس نہیں آئے گی، میں سجدے سے سر نہیں اٹھاؤں گا۔"

اب اس کے ارادت مندوں کو یہ اشتیاق تھا کہ دیکھیں اللہ کس کی بات مانتا ہے۔ وہ ملک الموت کا ساتھ دیتا ہے یا اپنے نبی علی بن فضل کا؟

کچھ دیر بعد لوگوں نے دیکھا کہ مردہ جسم میں کچھ حرکت پیدا ہوئی۔ پیٹ سانس لینے کی وجہ سے مستقل زیر و بم میں مبتلا تھا اور پھر تقریباً آدھے گھنٹے بعد مردہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور ہر طرف ایک بھگدڑ سی مچ گئی۔ جب عزیزوں کو خبر ملی کہ ان کا مرحوم زندہ ہو گیا ہے تو وہ بھی بھاگے بھاگے یہاں آئے اور مردے کو بیٹھا دیکھ کر پھولے نہ سمائے۔ اب ہر کوئی مردے سے بات کرنے کے لیے بے چین تھا مگر مردہ کچھ ایسا پریشان تھا جیسے وہ کسی نئی دنیا کو چھوڑ کر پرانی دنیا میں آ کے پریشان ہو گیا ہو۔ وہ حاضرین کے سوالوں سے بھی پریشان ہو رہا تھا اور وہ بالکل بولنے یا بات کرنے کی زحمت سے بچنا چاہتا تھا۔

نداف نے اس سے پوچھا "سچ بتا، ملک الموت تجھ کو کہاں لے گیا تھا؟"

علی بن فضل کے نو زندہ نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا "مجھے کوئی شخص بغل میں داب کر اوپر ہی اوپر اڑا چلا جا رہا تھا۔ میں بالکل ہلکا ہو گیا تھا اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ میں ذرا سی دیر میں کتنی

Marfat.com

بلندی پر پہنچ گیا تھا۔ یکایک کسی نے مجھے آواز دی۔ کوئی مجھے نیچے آنے کا حکم دے رہا تھا۔ مجھے جو شخص اوپر لے گیا تھا وہ منع کر رہا تھا' ایسا نہیں ہو سکتا۔ تجھے میرے ساتھ رہنا ہے مگر کسی نے سخت لہجے میں کہا "اگر تو نے اس وقت میرا حکم نہ مانا تو تجھ سے تیری خدمات ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چھین لی جائیں گی اور عزازیل کی طرح تجھے بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے راندۂ درگاہ کر دیا جائے گا۔ مجبوراً مجھے اوپر لے جانے والے شخص نے چھوڑ دیا۔"

لوگ نو زندہ کی داستان دلچسپی سے سن رہے تھے اور عجیب سی کیفیت محسوس کر رہے تھے۔

کسی گھر والے نے پوچھا "تو وہاں انتہائی بلندی تک آسمان نظر آ رہا تھا؟"

اس نے جواب دیا "نہیں وہاں آسمان نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔"

اب نو زندہ کے رشتے داروں نے علی بن فضل کو گھیر لیا اور اس کے ہاتھوں کو بوسے دینے لگے۔ کئی آدمی اس کی نبوت پر ایمان لے آئے۔ علی بن فضل وہاں کچھ دیر ٹھہرنے کے بعد واپس چلا آیا۔

نداف اپنی کامرانی پر نازاں تھا کہ اس کو ایک کامیاب شخص نے کہیں سے کہیں پہنچا دیا تھا۔ اس نے علی بن فضل سے پوچھا "آپ نے جس مردے کو زندہ کیا ہے' اب وہ کب تک زندہ رہے گا؟"

علی بن فضل نے جواب دیا "کچھ پتا نہیں کیوں کہ میں نے اس کو سکتے کی جو دوا دی تھی اس سے ہوش میں آنے کے بعد چند گھنٹوں کے اندر موت واقع ہو سکتی ہے۔"

نداف نے کہا "تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ کچھ دیر بعد اس کے مرنے کی خبر آ سکتی ہے۔"

علی بن فضل نے جواب دیا "بالکل بلکہ میں اسی کا انتظار کر رہا ہوں کہ کب اس کے مرنے کی خبر آتی ہے۔"

نداف نے فکرمند لہجے میں کہا "اگر ایسا ہوا تو برا ہو گا کیونکہ اب اس کی موت سے اس کے رشتے داروں کو بہت زیادہ تکلیف پہنچے گی۔ پہلے تو لوگ رُو دھو کے خاموش ہو گئے تھے مگر اب ان کے آنسو روکے نہیں رکیں گے۔"

علی بن فضل نے افسوس کرتے ہوئے کہا "اگر اس کو سکتے کی دوا نہ دی جاتی تو شاید وہ طویل عرصے زندہ رہتا۔"

نداف کو علی بن فضل کی باتوں پر حیرت ہو رہی تھی اور وہ سوالیہ نشان بنا بیٹھا سوچ رہا تھا کہ جو شخص مدتوں زندہ رہ سکتا تھا اس کو سکتے کی دوا دے کر سلانا اور پھر بیدار کر کے ہلاک کر دینا کہاں کی دانش مندی ہے۔ کیا مرنے والے کے ورثا علی بن فضل کا مذاق نہیں اڑائیں گے کہ یہ کیسا نبی ہے جو صرف

Marfat.com

چند گھنٹے کے لیے کسی مردے کو زندہ کر سکتا ہے۔ یہ جاہل لوگ نبی کے خلاف ہو جائیں گے۔

علی بن فضل نے پوچھا "تو کیا سوچنے لگا؟"

نداف نے اپنا اندیشہ ظاہر کیا اور کہا "جناب! ہماری کوشش رائیگاں تو نہیں جائیں گی؟"

علی بن فضل نے جواب دیا "ایسی کوئی بات نہیں ہوگی بلکہ یہ جو کچھ ہوا میری حمایت میں ہوا ہے کیونکہ حضرت عیسیٰؑ نے بھی جو مردہ زندہ کیا تھا وہ بھی محض چند گھنٹے زندہ رہا تھا مگر حضرت عیسیٰؑ سے کسی نے یہ نہیں کہا تھا کہ آپ کیسے مسیحا ہیں کہ مردے کو چند گھنٹے زندہ رکھ سکتے ہیں۔"

نداف نے کہا "اگر ایسی بات ہے تو ٹھیک ہے ورنہ مجھے اندیشہ ہے کہ یہاں کے جاہل عوام کہیں الٹا اثر نہ لے لیں اور آپ کی نبوت خطرے میں پڑ جائے۔"

علی بن فضل مطمئن تھا، کہنے لگا "ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔ میں یہاں کے لوگوں کو اچھی طرح سمجھ گیا ہوں جبکہ وہ مجھے بالکل نہیں سمجھے۔"

کچھ ہی دیر بعد نو زندہ کا آدمی آیا اور سوگوار لہجے میں بتایا "جناب! جس کو آپ زندہ کر آئے تھے اس کا انتقال ہو گیا۔"

اس شخص کے پیچھے پیچھے دوسرے رشتے دار روتے دھوتے وہاں پہنچ گئے اور درخواست کی کہ اس کو دوبارہ زندہ کیا جائے۔

علی بن فضل نے جواب دیا "میں خدائی معاملات میں زیادہ دخل نہیں دے سکتا اور اب اس کا دوبارہ زندہ کرنا مشکل ہے۔ اللہ کو بھی یہ بات ناگوار گزرے گی۔"

ایک عزیز نے روتے ہوئے کہا "ہم تو مرحوم سے کچھ خاص باتیں پوچھنا چاہتے تھے۔ اب براہِ کرم چند گھنٹوں کے لیے اسے دوبارہ زندہ کر دیا جائے تو مہربانی ہوگی۔"

علی بن فضل نے صاف انکار کر دیا اور کہا "مشکل تو یہ ہے کہ آپ لوگ بات نہیں سمجھتے۔ حضرت عیسیٰؑ کو بھی بس اتنا ہی اختیار دیا گیا تھا کہ وہ چند گھنٹوں کے لیے مردہ زندہ کر دیا کرتے تھے۔"

وہ لوگ جس طرح روتے ..... آئے تھے اسی طرح روتے ہوئے واپس چلے گئے لیکن اس واقعے نے بڑی شہرت حاصل کی اور شہر بھر میں اس کی دھوم مچ گئی۔ شہر میں جس کا بھی انتقال ہوتا وہ اپنے مردے کو لے کر علی بن فضل کے پاس پہنچ جاتا اور درخواست کرتا "جناب! چند گھنٹوں کے لیے ہی سہی اس کو دوبارہ زندہ کر دیں کیونکہ مرحوم کچھ کام کی باتیں بتائے بغیر ہی چل بسا۔"

علی بن فضل نے معذرت کی اور کہا "اگر میں نے اللہ کے موت و زندگی کے معاملات میں زیادہ

Marfat.com

مداخلت کی تو میری نبوت چھن جائے گی۔ اللہ جو اعلیٰ اور عظیم ہے وہ زندگی اور موت کے معاملے میں انسانوں کی مداخلت برداشت نہیں کر سکتا۔"

ابھی ایک سے یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ دوسرے کئی لوگ اپنی میت کے ساتھ علی بن فضل کے پاس پہنچ گئے اور درخواست کی "چند گھنٹوں کے لیے اس کو زندہ کر دیا جائے تاکہ ضروری پوچھنے والی باتیں پوچھ لی جائیں۔"

علی بن فضل نے ان سے معذرت کر لی اور کہا "جناب! آپ لوگ بات سمجھا کریں۔ اللہ کو اگر آپ سب ناراض کرنا چاہتے ہیں تو مجھ سے اس قسم کی درخواست کرتے رہیں۔"

لوگوں نے بڑی کوشش کی مگر علی بن فضل نے سبھی کو مایوس کیا۔

میتوں کے بکثرت آنے اور علی بن فضل کے مسلسل انکار نے برا اثر ڈالا۔ لوگوں کو یہ شکایت پیدا ہو گئی کہ اس کی نبوت پر ایمان لانے کے باوجود وہ ان کے مردوں کو زندہ نہیں کرتا۔ اس مایوسی نے بہتوں کو علی بن فضل سے برگشتہ کر دیا۔

لیکن علی بن فضل کے ترکش میں ابھی اور کئی تیر موجود تھے جن سے علی بن فضل اپنا کام لے سکتا تھا چنانچہ اس نے نداف سے پوچھا "کیا تو شہر میں موجود حماموں سے اچھی طرح واقف ہے؟"

نداف نے جواب دیا "واقف تو ہوں مگر میں خود ان میں نہیں گیا کیونکہ میں ماضی میں کبھی بھی معاشی طور پر مستحکم نہیں رہا اسی لیے خرچے اور مصارف کی جگہوں سے دور دور رہا۔ ان حماموں میں خاصا صرفہ آتا ہے۔"

علی بن فضل نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا "میں نے تجھ سے ایک ذرا سا سوال کیا تھا جواب میں تو نے کئی داستانیں چھیڑ دیں۔ اب بھی میں یہی کہوں گا کہ شہر میں جتنے حمام ہیں تو مجھے ان کے بارے میں بتا کہ امرا و رؤسا کن حماموں میں زیادہ آتے جاتے ہیں۔ تو بس ان کی نشاندہی کر دے۔"

نداف نے جواب دیا "جناب! پورے شہر میں صرف ایک ایسا حمام ہے جہاں شہر کے امرا و رؤسا آتے جاتے ہیں۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں ایک بار پھر اچھی طرح مشاہدہ کر آؤں۔"

علی بن فضل نے کہا "میں تجھ کو اس حمام میں چند مہینوں کے لیے ملازم رکھوا دوں گا کیونکہ اس شہر کے امرا و رؤسا ابھی تک مجھ سے دور ہیں اور معدودے چند نے میری نبوت کا اقرار کر لیا ہے۔ ابھی اکثریت نے مجھے نظر انداز کر دیا ہے اب میں تیری مدد سے ان سب کو اپنے در کی جبہ سائی اور ناصیہ فرسائی پر مجبور کر دوں گا۔"

علی بن فضل یمنی

Marfat.com

نداف نے حیرت سے پوچھا "بھلا وہ کس طرح؟"

علی بن فضل نے جواب دیا "میرے پاس شیشیوں میں ایک خاص محلول ہے۔ تو اس محلول کو اپنے ساتھ رکھے گا پھر جب کوئی نہانے والا رئیس اس حمام میں داخل ہو گا تو اس کو نہلائے گا اور نہلانے کے دوران میں ہی تو اس محلول کے چند قطرے اس رئیس کے جسم پر مل دے گا مگر اس کا خاص خیال رہے کہ جسم کے یہ حصے لوگوں کی نظروں کے سامنے رہتے ہوں تُو تو خود بھی اس کا تجربہ کر چکا ہے۔"

نداف نے ڈرتے ڈرتے پوچھا "حضرت! میں جس کے چہرے پر یہ محلول استعمال کروں گا' اگر وہ یہ جان گیا کہ اس کے چہرے پر کوئی محلول لگایا جا رہا ہے تو وہ مجھ سے ناراض ہو جائے گا اور مجھے حمام کی ملازمت سے نکلوا نہیں دے گا۔"

علی بن فضل نے ہمت بندھائی اور کہا "تو بالکل نہ ڈر۔ میں تیری پشت پر موجود ہوں۔"

نداف دیر تک سوچتا رہا۔ وہ واقعی بہت خوف زدہ تھا اور اسے اس وقت کوئی ایسا امیر غصے میں پاگل ڈانٹتا پھٹکارتا نظر آ رہا تھا جس نے اس کی محلول زدہ انگلیوں کو پکڑ لیا تھا اور پکڑتے ہی اس پر مکوں اور لاتوں کی بارش کر دی تھی۔

ابھی وہ اپنی سوچ کے انجام تک نہیں پہنچا تھا کہ علی بن فضل نے درشت لہجے میں پوچھا "تو کہاں گم ہو گیا؟ میں تجھ سے کچھ پوچھتا ہوں اور تو جواب کچھ دیتا ہے۔"

نداف نے عرض کیا "ٹھیک ہے جناب! آپ جہاں چاہیں مجھے بھیج دیں۔"

علی بن فضل نے شہر کے بہترین حمام کے مالک کو ایک سفارشی خط لکھا "میں اللہ کا نبی علی بن فضل ایک شخص کو تیرے پاس بھیج رہا ہوں۔ تو اسے نہلانے کی معمولی سی تربیت دے کر ملازم رکھ لے اور اس وقت تک اس سے کام لیتا رہ جب تک میں خود اس سے کام لینے کی ممانعت نہ کر دوں۔"

نداف اس خط کے ساتھ حمام کے مالک کے پاس پہنچا اور خط دیا۔ حمام کا مالک پہلے تو خط لے کر پڑھتا رہا۔ آخر میں نداف کو سر سے پاؤں تک دیکھا اور پوچھا "کیا تو نے اس عظیم انسان کی خدمت سے کنارہ کشی اختیار کر لی ہے؟"

نداف نے جواب دیا "نہیں' ایسی کوئی بات نہیں بلکہ میں نے خود یہ محسوس کیا کہ اس دربار میں اتنی زیادہ گنجائش نہیں ہے کہ وہاں خدمت گاروں کی ایک فوج ہر وقت موجود رہے اور اپنا وقت ضائع کرتی رہے۔"

حمام کے مالک نے کہا "میں تجھ کو ملازم رکھ لوں گا مگر ایک بات تو بتا کہ تو وہاں سے اتنی جلدی

Marfat.com

کیوں بھاگ آیا۔ دوسرے لوگوں نے تیری طرح کنارہ کشی کیوں نہیں اختیار کی؟"

نداف نے جواب دیا "جناب! میں دوسروں کی طرف سے کوئی جواب نہیں دے سکتا۔ میں تو صرف اپنی بات کر رہا ہوں۔ میں نے جب یہ محسوس کیا کہ اللہ کا نبی شرافت کی وجہ سے کسی کو منع نہیں کرتا تب میں نے کنارہ کشی اختیار کر لی اور آپ کے پاس چلا آیا۔"

حمام کے مالک نے پھر ایک سوال کر دیا "ویسے سچ سچ بتا کہ یہ علی بن فضل آدمی کیسا ہے؟"

نداف نے جواب دیا "جناب! آدمی بہت اچھا ہے۔ وہ واقعی نبی ہے۔ میں نے اسی لیے اس سے دوری اختیار کر لی کہ وہ کسی سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ تو یہاں اپنا وقت کیوں ضائع کر رہا ہے۔ وہ نبی ہے اور ہر نبی محنت و مشقت کی عظمت سے واقف ہوتا ہے۔"

حمام کے مالک نے پوچھا "ویسے یہ آدمی کیسا ہے کہیں کسی قسم کی عیاری اور مکاری سے تو کام نہیں لیتا؟ میں نے ابھی تک اس کی خدمت میں جا کر شرف نیازمندی نہیں حاصل کی۔"

نداف نے علی بن فضل کی تعریفیں شروع کر دیں اور آخر میں کہا "میں خود آپ کو لے چلوں گا۔ مجھے حیرت ہے کہ ابھی تک آپ اس سے ملے کیوں نہیں۔"

حمام کے مالک نے اس کو ملازم رکھ لیا۔ چند دن اس کو تربیت دی گئی پھر اسے کام پر لگا دیا گیا۔ نداف تو بہت ہی چالاک نکلا اور وہ جس امیر یا رئیس کو نہلاتا اس کے سامنے علی بن فضل کا ذکر چھیڑ دیتا۔ علی بن فضل کے کمالات بیان کرتا' اس کی اعجاز نمائیوں کا ذکر کرتا اور ساتھ ساتھ یہ بھی کہتا جاتا کہ وہ شخص بد قسمت اور بے نصیب ہے جو اس شہر میں تو رہتا ہے مگر ابھی تک علی بن فضل کی بارگاہ میں نہیں گیا۔

ہر امیر اور رئیس اس سے یہ وعدہ کر رہا تھا کہ وہ علی بن فضل کا نیاز ضرور حاصل کرے گا۔

تقریباً دو ہفتے کے بعد نداف نے اپنا کام شروع کر دیا اور علی بن فضل کا محلول زیر استعمال آ گیا لیکن چالاک نداف نے حمام میں آنے والے ہر رئیس اور امیر کو یہ بتانا شروع کر دیا کہ شہر میں اچانک جذام اور برص کا مرض پھیلنے لگا ہے۔ اکثر مریض طبیب کے بجائے علی بن فضل کے پاس آتے ہیں اور اپنا علاج کروا کر صحت یاب ہو کر چلے جاتے ہیں۔

علی بن فضل کے محلول نے اپنا کام شروع کر دیا اور کئی امیر اور رئیس برص اور جذام میں مبتلا ہو گئے۔ کسی کے کان' کسی کے ناک اور کسی کے دونوں رخسار اور پیشانی اس مرض میں مبتلا ہو گئے تھے۔ ان میں سے کئی علی بن فضل کے پاس آئے اور انتہائی مایوسی کے عالم میں عرض کیا۔

علی بن فضل یمنی

Marfat.com

"ہم نے آپ کی بڑی تعریف سنی ہے۔ خدا کے لیے اس موذی مرض سے نجات دلائیں۔"

علی بن فضل نے جواب دیا "تم کو میرا پتا کس نے دیا۔ میں ایک نئے دین کا بانی ہوں جو لوگ میری نبوت پر ایمان لائے ہیں میں انہی کا علاج کرتا ہوں' کیا تم لوگ میری نبوت کا اقرار کرتے ہو؟"

کئی آوازیں بلند ہوئیں "ہمیں آپ کی نبوت کا اقرار ہے۔ خدا کے لیے ہمیں صحت یاب کردیں۔"

علی بن فضل نے تخلیئے میں جا کر محلول نکالا اور علاج شروع کردیا۔

علی بن فضل یہ کام خود کر رہا تھا' لوگوں کو مرعوب کرنے کے لیے۔

اسی دوران میں کئی آدمی وہاں پہنچے اور والہانہ انداز میں اظہارِ تشکر گزاری شروع کردیا کیونکہ یہ لوگ انہی دونوں مرضوں میں مبتلا ہو کر صحت یاب ہوئے تھے۔ اب یہ لوگ علی بن فضل کی نبوت کا اقرار کر رہے تھے۔ امرا و رؤسا ان باتوں کا اثر اپنے دل و دماغ میں محسوس کر رہے تھے۔

علی بن فضل نے بظاہر ان کے مرض زدہ حصوں پر ہاتھ پھیرا اور کہا "کل پھر مجھے دکھانا۔"

ان بے چاروں کو یہ نہیں معلوم تھا کہ علی بن فضل کا جو ہاتھ ان کی پیشانی پر حرکت میں تھا وہی ہاتھ خاص محلول زدہ تھا۔ اس محلول میں وہ خاص اجزا تھے جو چکناہٹ اور بو کو زائل کردیتے تھے۔ دوا ہاتھ میں خشک ہو جاتی تھی بالکل پانی کی طرح مگر ہاتھ کے مسام میں موجود رہتی تھی اور پھر یہ مریض کے مرض زدہ حصے میں منتقل ہو جاتی تھی۔

کئی دن کے بعد یہ لوگ صحت یاب ہو گئے اور یہ سب اظہار شکر گزاری کے لیے حاضر ہوئے۔ علی بن فضل کی نبوت کا اقرار کیا اور وعدہ کیا کہ اب وہ زندگی بھر علی بن فضل کے پیروکار رہیں گے۔

ان واقعات نے علی بن فضل کو بہت زیادہ مشہور کردیا۔ اب وہ عوام و خواص میں یکساں مقبول و مشہور ہو گیا اور کوئی نہیں جانتا تھا کہ اس تشہیر میں نداف کا کتنا ہاتھ تھا۔

نداف کام کرتا رہا۔ امرا و رؤسا اس گھناؤنے مرض میں مبتلا ہو کر علی بن فضل سے علاج کرا کے صحت یاب ہوتے رہے۔

لیکن ایک چالاک رئیس کے ذہن میں یہ بات آئی کہ آخر کیا وجہ ہے کہ اس مخصوص حمام ہی کے لوگ اس گھناؤنے مرض کا شکار کیوں ہو رہے ہیں۔ وہ شہر بھر کے حماموں میں خود گیا اور اس موذی مرض کے مریضوں کی تعداد معلوم کرتا رہا تو یہی معلوم ہوا کہ دوسرے تمام حماموں میں ایک بھی شخص کبھی اس مرض میں مبتلا نہیں ہوا۔

علی بن فضل یمنی

Marfat.com

اب اس نے عباسی خلافت کے والی سے علی بن فضل کی شکایت کی "جناب! میں ابھی تک اس فریبی انسان کی مفسدانہ حرکات وسکنات پر خاموش تھا مگر اب کچھ باتیں ایسی ہیں جو ناقابل برداشت ہیں۔ آپ کو اس شخص کے خلاف کوئی کارروائی کرنی چاہیے۔"

والی نے کہا "واقعی میں نے بھی اس کا ذکر سنا ہے اور اس کی حرکات وسکنات پر میری نظریں ہیں مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کے خلاف کس طرح کارروائی کی جائے۔ پورا شہر اس کا حمایتی بن گیا ہے۔ اگر کوئی کارروائی کرتا ہوں تو شہر کے لوگ سامنے آکھڑے ہوں گے۔"

دیر تک یہ امیرِ یمن کے والی کو قائل کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ آخر یہ طے پایا کہ یمن کا والی پہلے علی بن فضل سے بات کرے گا۔

امیر نے کہا "اس ملاقات میں مجھے بھی شریک کیا جائے۔"

والیِ یمن نے وعدہ کیا کہ جب بھی وہ علی بن فضل کو بلائے گا تو اس امیر کو بھی طلب کرے گا۔

والیِ یمن نے اپنے کارندے چھوڑ دیے اور ان سے کہا "تم لوگ صنعا شہر میں گھوم پھر کر یہ اندازہ لگاؤ کہ علی بن فضل شہر کے کتنے حصے پر ذہنی حکمرانی کر رہا ہے۔"

اس کام میں کارندوں کو دو ہفتے لگ گئے اور اس تگ ودو کے بعد معلوم ہوا کہ پورا شہر علی بن فضل کا پیروکار ہو چکا ہے اس لیے اس شہر میں اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جا سکتی۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ پہلے شہر کو علی بن فضل کے پیروکاروں سے خالی کرایا جائے اور ان کی جگہ دوسرے لوگ آباد کر دیے جائیں اور پھر جن سے یہ شہر خالی کروایا جائے گا ان کے خلاف کارروائی کی جائے۔

یہ بڑا پیچیدہ اور طویل العمل منصوبہ تھا۔ والیِ یمن اس پر عمل کرنے سے گھبرایا۔ اب امیر کو بھی طلب کر لیا گیا اور یہ منصوبہ اس کے سامنے رکھ دیا گیا اور پوچھا گیا "ان حالات میں تو بتا کہ ہم کیا کریں؟"

امیر نے جواب دیا "اگر آپ ہمت سے کام لیں اور میرا مشورہ مانیں تو....."

والی نے پوچھا "تیرا کیا مشورہ ہے' اگر تو میری جگہ ہوتا تو کیا کرتا؟"

امیر نے جواب دیا "جناب! آپ علی بن فضل کو قید کر دیں اور اس طرح قید کریں کہ صنعا والوں کو اس کا پتا نہ چلے اور کچھ دن خاموش رہیں لوگوں کا رد عمل دیکھیں۔"

مشورہ معقول تھا اور والیِ یمن کی سمجھ میں بھی آگیا۔

والیِ یمن چند آدمیوں کے ہمراہ علی بن فضل کے پاس پہنچا۔

علی بن فضل یمنی

Marfat.com

علی بن فضل کو جب والی یمن کی آمد کی اطلاع دی گئی تو وہ انتہائی رعونت سے اس کے ساتھ پیش آیا اور اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں اور اپنے پیروکاروں کو حکم دیا کہ والی یمن کو یہیں لے آیا جائے۔

والیِ یمن کو اس کی یہ رعونت ناگوار گزری اور اپنے ایک آدمی کو حکم دیا "اس سے کہو کہ وہ مجھ سے یہیں آکر مل لے۔"

علی بن فضل نے جواب میں کہلوایا "میں پورے شہر سے اس حجرے میں ملتا ہوں۔ والی یمن سے کہو کہ وہ دنیاوی اعتبار سے بڑا آدمی ہے مگر دوسری بعض حیثیتوں سے مجھے اس پر برتری حاصل ہے اس لیے وہ خود اندر آجائے۔"

والیِ یمن کو اس وقت یہ دشواری پیش آئی کہ وہ رکے 'اندر جائے یا واپس چلا جائے۔

آخر اس نے پیغام بھیجا "میں کھڑے کھڑے بات کر کے واپس جانا چاہتا ہوں اس لیے وہ چند لمحوں کے لیے باہر آجائے۔"

علی بن فضل نے کہلوایا "آپ چند لمحوں کے لیے آئے ہوں یا چند ساعتوں کے لیے 'اندر تشریف لے آئیں۔ ویسے آپ کو تو یوں بھی اندر آنے والوں میں شامل نہیں ہونا چاہیے جو شخص اتنی دور سے چل کر میرے پاس آیا ہو 'وہ چند قدم چلنے سے گریز کر رہا ہے۔"

والیِ یمن واپس چلا گیا اور جب امیر کو صورت حال کا علم ہوا تو اس نے کہا "اب آپ اس فتنے کو فوراً کچل دیں ورنہ یہ آگے چل کر دردِ سر بن جائے گا۔"

لیکن والیِ یمن کوئی ہنگامی قدم اٹھاتے ہوئے گھبراتا تھا۔ وہ شہریوں سے ڈرتا تھا کیونکہ تقریباً پورے شہر پر علی بن فضل کا قبضہ تھا حالانکہ ابھی تک علی بن فضل نے کوئی فوج تیار نہیں کی تھی مگر والی یمن کی سوچ کے مطابق یہ پرامن شہری جو اپنے دل و دماغ میں خاص عقائد کا طوفان چھپائے ہوتے ہیں' فوجیوں سے زیادہ خطرناک ہوتے ہیں اور ان کی حملہ آوری کی کوئی خاص سمت نہیں ہوتی اور ان کی پہچان بھی مشکل ہوتی ہے اور یہ ہر کہیں موجود ہوتے ہیں اور جو کام کرنا چاہتے ہیں بہ آسانی کر گزرتے ہیں۔

اس موقع پر اسے امیر یاد آیا جو صنعا کے لوگوں میں سب سے زیادہ قابل اعتبار تھا۔

اس امیر نے پوری صورت حال سننے کے بعد مشورہ دیا "اب آپ کو وہاں جانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ علی بن فضل کو یہیں طلب کر لیجئے۔"

والیِ یمن نے پوچھا "جو شخص چند قدم چل کے باہر نہ آسکتا ہو وہ بھلا یہاں تک کس طرح آئے

Marfat.com

گا؟"

امیر نے کہا "اس وقت آپ اخلاقاً ایک انسان بن کر اس سے ملنے گئے تھے اور اب آپ اس کو والی یمن کی حیثیت سے حکماً یہاں طلب کریں گے اور اس کو آپ کا یہ حکم ہر حال میں ماننا ہو گا۔"

والی یمن نے اس تجویز پر خاصا غور کیا۔ اس دوران میں اس نے علی بن فضل کے جملہ کوائف معلوم کر لیے تھے۔ ان حالات اور معاملات میں اس کو ندا ف زیادہ اہم اور پر اسرار شخص نظر آیا۔ اس نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا "اس ندا ف کو خاموشی سے اٹھالاؤ۔"

چنانچہ ندا ف جیسے ہی حمام سے نکلا' والی یمن کے آدمی اس کو اٹھا لے گئے اور اس کو والی یمن کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔

ندا ف والی یمن کو دیکھ کر بہت گھبرایا اور خوشامد کرنے لگا۔

والی یمن نے اس کو تسلی دی "تجھ کو خوف زدہ یا پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں تیرا تعاون چاہتا ہوں۔"

ندا ف نے پوچھا "کس قسم کا تعاون؟ میں ایک معمولی آدمی ہوں۔ میں نے اپنے آبائی پیشے ندا فی کو اس لیے ترک کر دیا کہ اس میں میری گزر بسر نہیں ہوتی تھی اور میں نے ایک حمام میں ملازمت کر لی۔"

والی یمن نے پوچھا "تیرے جیسے معمولی آدمی کو اتنے بڑے اور خاص حمام کی ملازمت ملی کس طرح؟"

اس سوال نے ندا ف کو چکرا دیا۔ وہ خوف زدہ لہجے میں بولا "مجھے یہ ملازمت ایک خاص ذریعے سے حاصل ہوئی تھی۔"

والیِ یمن نے کہا "میں نے اسی خاص ذریعے کی وجہ سے تجھ کو طلب کیا ہے' اس خاص ذریعے کے متعلق ہمیں کچھ بتلائے گا؟"

ندا ف نے براہ راست علی بن فضل کا نام لے لیا اور کہا "میں اس عظیم ہستی کا ادنیٰ پرستار ہوں۔"

والی یمن نے پوچھا "یہ علی بن فضل تیری نظر میں کیسا آدمی ہے؟"

ندا ف نے جواب دیا "اچھا آدمی ہے۔"

والی یمن نے علی بن فضل کی شکایت کی "میں اس مغرور شخص سے خود ملنے گیا تھا اور کافی دیر اس کوشش میں رہا مگر اس شخص نے تو چند قدم چلنا بھی گوارا نہ کیا۔"

علی بن فضل یمنی

Marfat.com

نداف نے حیرت ظاہر کی اور کہا "علی بن فضل نہایت بااخلاق اور ملنسار انسان ہے پھر اس نے آپ کے ساتھ ایسا کیوں کیا؟ اگر آپ فرمائیں تو میں خود علی بن فضل سے ملتا ہوں اور آپ کی شکایات پیش کرتا ہوں۔"

والی یمن کو ہنسی آگئی، کہنے لگا "کیا تو ایسا نہیں کر سکتا کہ اپنی گرفتاری کی اطلاع اس کو بھجوا دے اور دیکھ وہ تیرے لیے کیا کرتا ہے؟"

نداف والیِ یمن کا مقصد سمجھنے سے قاصر تھا اور یہ بھی نہ سمجھ سکا کہ اگر علی بن فضل کو اس طرح یہاں بلوایا گیا تو کیا وہ واقعی آجائے گا؟

والی یمن نداف کی نفسی کیفیات سمجھنے سے محروم تھا مگر اسے اتنا اندازہ ضرور ہو گیا تھا کہ نداف علی بن فضل کا بے حد احترام کرتا ہے اور اپنی گرفتاری کی خبر وہاں تک نہیں پہنچانا چاہتا۔

لیکن والیِ یمن بھی بہت چالاک انسان تھا۔ اس نے خاموشی سے نداف کی گرفتاری کی خبر اپنے طور پر علی بن فضل کو پہنچا دی۔

علی بن فضل نے پہلے تو کئی آدمی اس خبر کی تصدیق کے لیے والیِ یمن کے پاس بھیجے۔ یہ سارے بااثر لوگ تھے۔ ان لوگوں نے والیِ یمن سے نداف کی رہائی کی سفارش کی تو والیِ یمن نے کہا "میں نداف کو اس لیے نہیں چھوڑوں گا کہ اس نے حمام کے سلسلے میں ایک عجیب خبر دی ہے اور اسی سے علی بن فضل کی سازشی بداعمالیوں کا علم حاصل ہوا۔"

علی بن فضل نے شہریوں کو ورغلایا کہ وہ والیِ یمن کے خلاف احتجاج کریں اور نعرے لگائیں کہ بے گناہ نداف کو رہائی دی جائے۔

والیِ یمن نے ان احتجاج کرنے والوں کو دھمکی دی کہ وہ چپ چاپ اپنے گھروں کو واپس جائیں ورنہ ان کے خلاف فوجی کارروائی کی جائے گی۔ اس دھمکی نے کام کیا اور احتجاج کرنے والے آسانی سے منتشر ہو گئے۔

علی بن فضل نے جب اپنی احتجاجی تحریک کو ناکام ہوتے دیکھا تو اسے احساس ہوا کہ اپنے دین کی کامیابی اور اپنی نبوت کی تبلیغ و اشاعت کے لیے اس کے پاس فوجی قوت کا ہونا لازمی ہے گو کہ فوری طور پر اس پر عمل کرنا بہت مشکل تھا مگر اس نے اپنے پرستاروں کو یہ مشورہ ضرور دے دیا کہ اب انہیں مرنے مارنے کے لیے تیار ہو جانا چاہیے کیونکہ اب اس کے دین کے خلاف شیطانی قوتیں سر اٹھا رہی ہیں۔ علی بن فضل کو یہ نہیں معلوم تھا کہ نبی بننے کے لیے کن کن صلاحیتوں کی ضرورت پیش آتی

Marfat.com

ہے۔وہ معجزات کی جگہ شعبدے بازیوں سے کام لے رہا تھا مگر عسکری قوت کس طرح پیدا کی جاتی ہے اور اس کے لیے کیسے افراد درکار ہوتے ہیں' فوجی جوانوں میں کس قسم کا جذبہ اور کس طرح پیدا کیا جاتا ہے؟ اس کے لیے کتنا جان دار نصب العین ہونا چاہیے اور یہ نصب العین کہاں سے حاصل ہوتا ہے۔ انسانی نفسیات کیا ہیں اور اس نفسیات کی کن کمزوریوں سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے؟ اسے کچھ نہیں معلوم تھا۔ وہ تو یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ جب اس کی جھوٹی نبوت اور جھوٹے دین کے خلاف حکومتی اور غیر حکومتی مزاحمتیں اٹھ رہی ہوں گی تو اسے اس کا مقابلہ کس طرح کرنا ہوگا؟

والیِ یمن نے نداف کو کسی ایسی جگہ چھپا دیا تھا جہاں سے اس کی رہائی ناممکن تھی۔ وہ کسی بھی طرح اس جھوٹے نام نہاد شیر کو اس کی کچھار سے باہر لانا چاہتا تھا۔

جب اس کے چند مخلص کارگزار والیِ یمن کو نداف کی رہائی کے سلسلے میں قائل کرنے میں ناکام رہے تو اس نے والیِ یمن سے خود ملنے کا منصوبہ بنایا۔ وہ نداف کو زیادہ دنوں تک والی یمن کی قید میں رہنے کو اپنے لیے خطرناک سمجھتا تھا۔

اس نے والی یمن کو پیغام بھیجا کہ وہ نداف کے سلسلے میں والی یمن سے ملنا چاہتا ہے۔

والیِ یمن نے جواب میں کہلا دیا "فی الحال ملاقات نہیں ہو سکتی اور جب ملاقات ہوگی تو پھر وہ پہلی اور آخری ملاقات ہوگی۔"

اس جواب نے علیِ بن فضل کو بہت پریشان کر دیا اور اسے یہ یقین ہو گیا کہ نداف نے والیِ یمن کو سب کچھ بتا دیا ہے۔ اب وہ خود بھاگا بھاگا والیِ یمن کے پاس پہنچا اور کہا "خدا کے لیے آپ میرے آدمی کو چھوڑ دیں۔"

والیِ یمن نے اس کو یاد دلایا "یاد کرو وہ دن جب میں تجھ سے ملنے تیرے ٹھکانے پہنچا تھا اور تو نے باہر نکلنے سے منع کر دیا تھا۔"

علی بن فضل نے پوچھا "اچھا تو یہ بتائیں کہ اس نے میرے خلاف بیان کیا دیا ہے؟"

والیِ یمن نے جواب دیا "اس نے جو بیان دیا ہے اللہ نے چاہا تو وہی بیان تیرے روبرو تیرے منہ پر دے دے گا۔"

علی بن فضل نے غصے میں کہا "وہ جھوٹا ہے' اللہ اس کو برباد کرے۔"

والی یمن نے اس کو حکم دیا "میں تجھ کو حکم دیتا ہوں کہ تو صنعا کے اندر موجود رہ' تو اس شہر کو نہیں چھوڑے گا۔"

علی بن فضل یمنی

Marfat.com

علی بن فضل نے دھمکی دی "جناب! آپ میرے آدمی کو چھوڑ دیں ورنہ ہمیں اپنے آدمی کو چھڑوانا بھی آتا ہے۔"

والی یمن نے اس دھمکی سے یہ سمجھ لیا تھا کہ علی بن فضل اپنے ماننے والوں کی عددی قوت سے خوف زدہ کر رہا ہے اور وہ یقیناً امن وامان کا مسئلہ کھڑا کر دے گا۔ اس نے جواب دیا "او جھوٹے انسان! اگر تو یہ سمجھتا ہے کہ مجھے اپنی دھمکیوں سے مرعوب کر لے گا تو یہ محض تیری خام خیالی ہوگی۔"

علی بن فضل نے پھر نداف کی رہائی پر زور دیا اور کسی قدر خوشامدانہ لہجے میں کہا "آپ اس کی رہائی کے بدلے جتنی رقم کا مطالبہ کریں گے' میں حاضر کر دوں گا۔ دراصل میں انسانیت کا نبی ہوں اور ہر طرف امن وامان کا خواہش مند ہوں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے آدمی مشتعل ہو جائیں اور صنعا تباہ وبرباد ہو جائے۔"

علی بن فضل اپنے گھر واپس گیا اور اس کے جاتے ہی والیِ یمن نے نداف کو طلب کر لیا اور کہا "میں نے تیرے جھوٹے نبی کو پہچان لیا ہے۔ اب وہ اس خوف سے کہ تو اس کا بھانڈا نہ پھوڑ دے' تجھ کو قتل کر دینے کے منصوبے بنا رہا ہے۔"

نداف کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ وہ کہنے لگا "میں نے تو ابھی تک اس کی کوئی بات آپ کو بتائی نہیں پھر وہ مجھے کیوں قتل کروا دیتا ہے؟"

والیِ یمن نے کہا "اسی لیے تو وہ تجھے قتل کروا دینا چاہتا ہے۔ تیری زبان کھولنے سے پہلے ہی اب تجھ کو یقین آیا کہ یہ جھوٹے جعل ساز لوگ کسی کے بھی نہیں ہوتے۔"

اب نداف بالکل مایوس ہو گیا تھا اور اسے علی بن فضل پر غصہ آ رہا تھا کہ وہ اس کو بلاوجہ قتل کروا دینا چاہتا ہے۔ والی یمن نے نداف کے چہرے پر تبدیلی اور خجالت کے آثار دیکھے تو نہایت نرمی سے سمجھایا "دیکھ! تو مسلمان ہے اور تو اپنے جھوٹے نبی کا رازدار ہے کیوں اپنی عاقبت اور دنیا خراب کر رہا ہے۔"

نداف نے کئی بار زبان کھولنی چاہی مگر ہر بار یہ سوچ کر رک گیا کہ اسے بھی علی بن فضل کا شریک کار سمجھا جائے گا اور یہ بھی سزا سے نہیں بچ سکے گا۔

والیِ یمن نے اس کے اندیشے اور خدشے سمجھ لیے تھے۔ "دیکھ! میرا کہنا مان۔ اگر تو ایک آدھ راز کی بات مجھے بتا دے گا تو میں تجھ کو مالا مال کر دوں گا اور یہاں سے تجھ کو اتنی دور بھیج دوں گا کہ علی بن فضل کا ہاتھ تجھ تک نہیں پہنچ سکے گا۔"

Marfat.com

نداف نے اپنی مفلسی کو کوسنے دیے اور کہا "برا ہو اس افلاس اور تنگ دستی کا کہ انسان اس کے سامنے بے بس اور مجبور ہو جاتا ہے۔"

والیِ یمن نے بے قراری سے کہا "ہاں ہاں! تجھے جو کچھ کہنا ہے جلد از جلد کہہ دے۔"

نداف نے سب کچھ صاف صاف بتا دیا اور آخر میں کہا "اس سے یہ ضرور ہوا کہ میری مالی حالت سدھر گئی اور میں نے علی بن فضل کی نظر میں بڑی وقعت حاصل کر لی۔"

مگر والیِ یمن کو اب بھی یہ یقین نہیں تھا کہ نداف نے سب کچھ اس کو صاف صاف بتا دیا ہے۔ ابھی وہ کچھ اور جاننے کے لیے بے قرار ہو رہا تھا۔

دوسری طرف علی بن فضل مشتعل شہریوں کے ہجوم کے ساتھ والی یمن کے محل پر حملہ آور ہونے کے منصوبے بنا رہا تھا۔ یہ خبریں بھی وقت سے پہلے والی یمن کو پہنچ گئیں اور اس نے اپنے محل کے چاروں طرف فوج متعین کر دی۔

بلوائی آئے اور محل کو گھیرنے کی کوشش کی مگر سپاہیوں کی وجہ سے وہ اپنے ارادوں میں کامیاب نہ ہو سکے۔ خاصے آدمی مقابلے میں مارے بھی گئے۔

علی بن فضل نے اپنا اصل ٹھکانا چھوڑ دیا اور اپنے ایک مداح امیر سطوت کے گھر میں پناہ لی اور سختی سے منع کیا کہ اس کی یہاں موجودگی کو چھپایا جائے۔

اب والی یمن لوگوں میں یہ کہتا پھر رہا تھا کہ اسے اس جھوٹے نبی کے ہتھکنڈوں کا پتا چل گیا ہے۔

علی بن فضل کی روپوشی نے اس کے پیروں کو مایوس کر دیا اور ان میں سے بیشتر کا یہی موقف تھا کہ اسے ان نازک حالات میں والی یمن کا مقابلہ کرنا چاہیے۔

والیِ یمن، نداف کے حوالے سے جو کچھ کہتا پھر رہا تھا اسے اکثریت نے جھوٹ قرار دیا تھا۔

امرا جو علی بن فضل کا ساتھ دے رہے تھے وہ عباسی والی یمن کے خلاف ایک فوج تیار کرنے کے حق میں تھے۔ انہیں یہ بہترین موقع ہاتھ آیا تھا کہ اس طرح وہ یمن پر اپنی حکومت قائم کر لیں۔ انہوں نے علی بن فضل کو یقین دلایا کہ وہ ذرا ہمت سے کام لے تو مشکل آسان ہو سکتی ہے اور خلافتِ عباسیہ کے اس نمائندے کو یہاں سے نکالا جا سکتا ہے۔

والیِ یمن، علی بن فضل کے فتنے کے بارے میں بغداد یہ لکھ کر بھیج چکا تھا کہ علی بن فضل کو کچلنے کے لیے مزید فوج درکار ہے اور اگر اسے کچھ عرصے کے لیے مزید برداشت کر لیا گیا تو سرزمین یمن سے ایک ایسا فتنہ اٹھ کھڑا ہو گا کہ اس پر قابو پانا مشکل ہو جائے گا۔

علی بن فضل یمنی

Marfat.com

بغداد سے اس کا یہ جواب دیا گیا کہ مزید فوج بھیجی جارہی ہے اور اس فتنے کو ہر قیمت پر کچل دیا جائے۔

اب والی یمن فوج کو کئی حصوں میں تقسیم کرکے علی بن فضل کو تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ اس نے اعلان کروادیا "جو بھی اس جھوٹے نبی کو پناہ دے گا' وہ سزا کا مستحق ہوگا۔"

اب گلی کوچوں اور بازاروں میں علی بن فضل کے پرستاروں کو تلاش کیا جارہا تھا تاکہ انہیں گرفتار کرکے عقیدہ تبدیل کرنے پر مجبور کردیا جائے۔

لیکن ان سب نے خود کو ہم رنگ کرلیا تھا یعنی علی بن فضل کے آدمیوں نے خود کو اسلام کا پیرو ظاہر کرنا شروع کردیا تھا۔ اب پورے شہر میں ایک شخص بھی ایسا نہ تھا جو علی بن فضل کی جھوٹی نبوت پر ایمان رکھتا ہو۔ والیِ یمن کا کام بن سکتا تھا اگر سازشی اور منافقت اختیار کرنے والے اس کا ذرا سا بھی ساتھ دے جاتے لیکن یہ لوگ کچھ عرصے کے لیے حکومت سے محفوظ اور دور اس لیے رکھے گئے تھے کہ وہ درپردہ اپنی فوج تیار کررہے تھے۔ ان آدمیوں کو فوجی تربیت دی جارہی تھی اور یہ تربیت ایک باغ میں دی جاتی تھی۔ باغ کے دروازوں کو اندر سے بند کرلیا جاتا تھا اور ان میں ایسی درزیں بھی نہیں تھی کہ باہر سے اندر ہونے والی جنگی مشقیں دیکھ لی جاتیں۔

والیِ یمن اچھی طرح یہ یقین کرلینے کے بعد کہ اس شہر میں فوجی تربیت دی جارہی ہے' اس شخص کو گرفتار کرکے اس فتنے کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ کر پھینک دینا چاہتا تھا۔ وہ بار بار یہ اعلان کرواتا پھر رہا تھا "جھوٹے نبی کو میرے حوالے کردو تاکہ وہ اپنی سزا کو پہنچے اور اس کے جھوٹ کو برسرِ عام بیان کردیا جائے۔"

آخر کار علی بن فضل اس کے سامنے آگیا اور نہایت نرمی سے والیِ یمن کو سمجھانے لگا لیکن والیِ یمن نے اس کی ایک نہ سنی اور اس کو قید کردیا۔

علی بن فضل کو اپنا قید ہونا بالکل پسند نہ آیا اور نہ وہ نبی بننے سے پہلے یہ سوچ سکا تھا کہ نبی بننے کے بعد عزت و توقیر حاصل ہونے کی جگہ ذلت و رسوائی سے بھی سابقہ پڑے گا۔

اس کی گرفتاری کی خبر پورے شہر میں پھیلی تو ہر طرف بے چینی اور انتشار پھیلنے لگا۔ لوگوں نے والیِ یمن کے خلاف ہنگامے شروع کردیے۔ ان سب کا ایک ہی نعرہ تھا کہ علی بن فضل اور نداف کو رہا کیا جائے۔

والیِ یمن نے لوگوں کو مرعوب کرنے کے لیے ہر مزاحم کے خلاف سخت قدم اٹھایا اور اسے طاقت

Marfat.com

سے کچل دیا۔

اب یمن کے پرامن ماحول میں خون خرابے نے جگہ بنالی تھی اور قتل ہونے والوں کے ورثا توڑ پھوڑ کرنے لگے تھے۔ یہ جذبہ انتقام کے زیر اثر ہو رہا تھا۔ ان میں سے ایک بھی علی بن فضل کے دین کے نام پر جان نہیں دے رہا تھا۔

جب سے صنعا میں ہنگامے شروع ہوئے تھے' والی یمن نے اپنا ٹھکانا آبادی سے دور ایک اونچے ٹیلے کی عمارت میں کرلیا تھا۔ یہاں سے آنے جانے والوں پر نظریں رکھی جاسکتی تھیں اور فوج نے اس حصے کو پوری طرح اپنے گھیرے میں لے لیا تھا۔ اسی عمارت کے ایک حصے میں علی بن فضل اور نداف الگ الگ قید تھے۔

والیِ یمن' علی بن فضل کو بغداد بھیج دینا چاہتا تھا مگر بغداد سے یہ فرمان موصول ہوا "علی بن فضل کو یہاں نہ بھیجا جائے اور اس کا یمن ہی میں کام تمام کردیا جائے۔"

پورا صنعا سرتاپا احتجاج بنا ہوا تھا اور یہ کام عباسی خلافت کو جتنا آسان نظر آتا تھا' اتنا آسان تھا نہیں۔

والیِ یمن یہ چاہتا تھا کہ علی بن فضل کے ماننے والوں میں اعتقادی ضعف پیدا کردے۔ اس کے بعد یہ لوگ سرکشی اور فتنہ وفساد سے باز آجائیں گے۔

اس مقصد کے لیے اس نے نداف کو تیار کیا کہ وہ اپنا اقراری بیان شہر کے امرا و رؤسا کے سامنے دے دے۔ چنانچہ والی یمن نے صنعا کے امیروں اور رئیسوں کو ایک ہال میں جمع کیا۔ ان میں وہ امیر اور رئیس بھی شامل تھے جو برص اور جذام میں مبتلا رہ چکے تھے۔ ان سب کو والی یمن نے بتایا کہ انہیں علی بن فضل نے نداف کی مدد سے کس طرح بے وقوف بنایا تھا۔

اسی حال میں اچانک ان کے سامنے نداف کو کھڑا کردیا گیا اور والی یمن نے ان سے کہا "آپ سب کے سامنے اس عہد کے جھوٹے نبی کے کرتوت بیان کیے جائیں گے تاکہ آپ کو یہ معلوم ہوجائے کہ آپ کے ساتھ کیسا دینی اور دنیاوی دھوکا کیا گیا ہے۔ اب آپ کو خوش قسمتی سے ایسا موقع ہاتھ آگیا ہے کہ آپ اپنے فرسودہ اور کافرانہ عقائد سے توبہ کرکے دوبارہ مسلمان ہوجائیں ورنہ میں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ میں اس نبی اور اس کے ماننے والوں کو ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔"

نداف کو حکم دیا گیا کہ وہ جو کچھ علی بن فضل کے بارے میں جانتا ہے' بیان کردے۔

نداف نے قید خانے کی صعوبتوں سے تنگ آنے کے بعد سب کچھ سچ مچ بیان کردیا۔ امیروں اور

علی بن فضل یمنی

Marfat.com

رئیسوں نے نہایت دل جمعی سے یہ سب کچھ سنا اور اس طرح سنا کہ جیسے انہیں اس پر یقین نہ ہو۔
ایک نے نداف سے پوچھا "سچ بتا کہ تو نے اس کام کا کتنا معاوضہ لیا ہے؟"
نداف نے جواب دیا "مجھے اپنے جھوٹ کے عوض معاشی آسودگی حاصل ہو گئی تھی اور میں امن وسکون سے رہنے لگا تھا۔"
ایک دوسرے امیر نے سوال کیا "اچھا ایک بات اور بتا کہ جس محلول سے تو ہمیں مبروص کر دیا کرتا تھا وہ محلول تیرے ہاتھوں پر اثر کیوں نہیں کرتا تھا؟"
نداف نے کہا "میں اپنے ہاتھ ایک دوسرے محلول سے صاف کر لیا کرتا تھا۔"
تیسرے امیر نے پوچھا "یہ ابھی جو کچھ تو ہمیں بتا رہا ہے' اس کا تجھ کو والیِ یمن کی طرف سے کتنا معاوضہ دیا گیا ہے؟"
نداف توبہ تلا کرنے لگا "مجھے اس کا کوئی معاوضہ نہیں دیا گیا۔ میں اپنی دنیا اور عاقبت سنوارنا چاہتا ہوں۔"
امرا اور رؤسا ہنسنے لگے اور والیِ یمن سے کہا "آپ کا یہ جھوٹا گواہ ہمیں یقین دلانے میں ناکام رہا۔"
والیِ یمن نے ان کی عقلوں پر افسوس کیا اور کہا "تم لوگوں نے اپنے دین اور دنیا کو جھوٹے نبی کے ہاتھوں بیچ دیا ہے۔ تمہاری عاقبت تو خراب ہو ہی چکی ہے' دنیا کو میں برباد کر دوں گا۔"
یہ سارے رؤسا اور امرا یہاں نہتے آئے تھے۔ والی یمن نے ان سب کو اپنے فوجیوں کے حوالے کر دیا اور حکم دیا "ان گناہ گاروں کو اسی وقت جہنم واصل کر دیا جائے۔"
رؤسا اور امرا کے سر اسی وقت قلم کر دیے گئے۔ وہ اپنے بچاؤ میں کچھ بھی نہ کر سکے۔ ان کے سروں کو ٹیلے کے نیچے پھینک دیا گیا اور جسم صنعا کے بازاروں اور چوراہوں پر لٹکا دیے گئے تاکہ جو دیکھے عبرت پکڑے۔
علی بن فضل کو سپاہیوں کے پہرے میں باہر لایا گیا اور ٹیلے کے نیچے پڑے ہوئے سروں کا نظارہ کرایا گیا۔
علی بن فضل نے افسوس کرتے ہوئے کہا "یہ میری محبت میں مارے گئے ہیں۔ اللہ انہیں جنت میں جگہ دے۔"
والیِ یمن نے کہا "ایک دن تیرا بھی یہی حشر ہو گا۔"

علی بن فضل یمنی

Marfat.com

علی بن فضل کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے عقائد سے توبہ کرلے اور بغداد چلا جائے مگر اس نے ایسا کرنے سے انکار کردیا اور کہا "مجھ کو اللہ نے صنعا کو بچانے کی غرض سے یہاں بھیجا تھا مگر ایسا لگتا ہے کہ تم لوگ اسے برباد کرکے دم لوگے۔"

والی یمن نے کہا "صنعا کو میں نہیں تو برباد کردے گا کیونکہ آج جتنے لوگ بھی مارے گئے ہیں وہ صرف تیری وجہ سے اور تیرے نام پر۔"

علی بن فضل نے کہا "اگر میرا اللہ میری نبوت اور میری امت کو زندہ رکھنا چاہے گا تو تم سب کسی ناگہانی مصیبت میں مبتلا ہو کر مرجاؤ گے۔"

والی یمن نے کہا "تو یہ کیوں نہیں کہتا کہ اگر سچا ہے تو اللہ تجھ کو رہائی دلوائے گا۔"

علی بن فضل کو قید کردیا گیا۔

صنعا والوں نے اپنے امرا و رؤسا کے سر بریدہ جسموں کو چوراہوں اور بازاروں میں لٹکا دیکھا تو اتنے خوف زدہ ہوئے کہ تخلئے میں بھی علی بن فضل کا نام لینا بھول گئے۔

والیِ یمن نے بقیہ امرا و رؤسا کو طلب کرلیا اور ان سے پوچھا "کیا تم لوگ اب بھی علی بن فضل کے دین پر قائم ہو؟"

ان لوگوں نے کانوں پر ہاتھ رکھے اور توبہ کرتے ہوئے کہا "کیا ہم پاگل ہیں یا ہم احمق ہیں جو اس جھوٹے نبی کے جھوٹے دین پر ایمان لے آئیں گے۔"

والی یمن نے کہا "یہ تم دل سے کہہ رہے ہو یا صرف جان بچانے کے لیے۔"

ان لوگوں نے جواب دیا "نہیں، ہمارا یہ یقین ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی تھے۔ اب ان کے بعد کوئی اور نبی نہیں آئے گا۔"

ان سب کو اس شرط پر چھوڑا گیا کہ وہ صنعا شہر کو اپنی کوششوں سے علی بن فضل کے اثرات سے پاک کریں گے۔

گو کہ یہ کام بہت مشکل تھا مگر ان لوگوں نے وعدہ کرلیا کہ وہ ایسا ضرور کریں گے۔

اب شہر کے امرا و رؤسا عوام کو سمجھاتے پھر رہے تھے کہ علی بن فضل ایک جھوٹا آدمی تھا۔ اس نے ان سب سے فریب کیا تھا۔ اب انہیں توبہ کرکے اپنے دین اسلام پر دوبارہ قائم ہو جانا چاہیے۔

لیکن صنعا کے شہریوں نے اپنے امیروں اور رئیسوں کی بات ماننے سے انکار کردیا اور کہا "علی بن فضل سچا آدمی ہے اور کیا تم سب نے وہ مناظر نہیں دیکھے تھے جب ناری مخلوق صنعا کو تباہ و برباد کرنے کی

Marfat.com

فکر میں تھی اور علی بن فضل تنہا ان کا مقابلہ کر رہا تھا۔"

خواص نے اس کی تائید کی اور کہا "ہاں وہ مناظر ہم نے بھی دیکھے تھے مگر اب انہیں علی بن فضل شعبدہ بازی سمجھتے ہیں۔"

عوام نے کہا "تم امرا ہمیشہ ایمان کے کچے ہوتے ہو کیونکہ تمہیں عہدے اور آسائشیں مطلوب ہوتی ہیں۔ تمہیں اپنی جان بہت عزیز ہوتی ہے لیکن ہم غریب لوگ ایمان کے سوا اپنے پاس رکھتے ہی کیا ہیں۔ ہماری جان جائے یا رہے علی بن فضل کی نبوت سے منکر نہیں ہوں گے۔ اگر والیِ یمن اس سلسلے میں ہم پر دباؤ ڈالے گا تو ہم اس سے جنگ کریں گے۔ اپنی جان دے دیں گے اور دشمنوں کی جان لے لیں گے۔"

لوگوں نے والیِ یمن کے خلاف لڑائی کی تیاریاں شروع کر دیں۔ حرب سے ناواقف لوگوں کو یہ نہیں معلوم تھا کہ لڑائی میں جوش و خروش اور جذبہ کار آمد نہیں ہوتے بلکہ آدمی کا فنِ حرب سے واقف ہونا بھی بہت ضروری ہوتا ہے۔

شہریوں کا بہت بڑا ہجوم والیِ یمن کے مقابل ٹیلے کے نیچے پہنچ گیا اور دور ہی سے اعلان کیا کہ علی بن فضل کو کسی شرط کے بغیر رہا کیا جائے ورنہ وہ اسے زبردستی رہا کرا لیں گے۔

والیِ یمن نے دو سوار شہر روانہ کر دیے کہ وہ وہاں سے فوج لے کر ہجوم کے عقب میں آجائیں اور خود ہجوم کو باتوں میں لگائے رکھا۔

والیِ یمن نے ہجوم کو سمجھایا "دیکھو تم گمراہی سے باز آجاؤ۔ میں نہیں چاہتا کہ تم لوگ بے دینی کی حالت میں قتل کر دیے جاؤ۔"

ہجوم کے اکثر لوگ ہنسنے لگے اور کہا "حالت بے دینی میں تم لوگ مرو گے یا ہم۔ بہتر یہی ہے کہ تو بھی علی بن فضل کی نبوت پر ایمان لے آ اور اپنے ساتھیوں کو بھی اس نئے اور سچے دین میں داخل کر دے ورنہ اس شہر صنعا میں تم لوگ تو نہیں رہ سکو گے۔"

والی یمن نے نرم اور خوشامدانہ روش اختیار کی اور کہا "نہیں بھائی! ایسا ظلم بھی نہ کریں۔ ہماری تعداد کم ہے اور تمہاری زیادہ۔ تم ہمیں انسانیت کے نام پر زندہ رہنے دو اور دین کے معاملے میں جبر سے کام لینا کہاں کی انسانیت ہے۔"

شہریوں کی طرف سے جواب ملا "تو نے بھی تو ہمارے چند امیروں اور رئیسوں کو بلاوجہ قتل کر دیا تھا۔ اب جو اپنی موت سامنے نظر آئی تو ہم سے رحم کی درخواست کر رہا ہے۔"

علی بن فضل یمنی

Marfat.com

والیِ یمن نے کہا "تم لوگوں نے مجھے علی بن فضل کے دین میں داخل ہونے کی دعوت دی ہے۔ کیا مناسب نہیں ہوگا کہ مجھے سوچنے کا وقت دیا جائے۔ مجھے سوچنے دو شاید میں سوچنے کے بعد تمہارے دین میں داخل ہو جاؤں۔"

صنعا کے شہری اپنی فتح مندی کی خوش فہمی میں مبتلا خوشیاں منانے لگے اور اعلان کیا "تمہارے پاس سوچنے کے لیے کافی وقت ہے۔ سوچ لو اور جب لڑنے کو جی چاہے تو ہمیں بتا دینا۔ ہم جنگ کے لیے تیار ملیں گے۔"

والی یمن نے اس وقت تک خاموشی اختیار کر رکھی جب تک شہری فوج بھی شہریوں کے عقب میں نہیں آ گئی۔ اس دوران میں اس نے اپنی فوج کو بھی تیار رہنے کا حکم دے دیا تھا۔

والی یمن نے اپنی فوج کو شہر کی طرف سے آتے دیکھا تو ایک شخص کو اپنی عمارت کی چھت پر سکھا پڑھا کر چڑھا دیا۔ اس نے وہاں سے شہریوں کو مخاطب کیا "اے احمقو! اے نادانو! والیِ یمن نے نہایت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا ہے کہ علی بن فضل کے جھوٹے دین کو نہیں اختیار کریں گے۔ انہیں جنگ منظور ہے۔"

شہریوں نے اس غیر متوقع اعلانِ جنگ سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ شاید والیِ یمن اپنے فرار کے لیے کسی راستے کا انتخاب کر چکا ہے۔

زور و شور کی جنگ شروع ہوئی اور شہری گاجر مولی کی طرح کٹنے لگے۔ چند گھنٹوں میں ان سب کا صفایا کر دیا گیا۔ ٹیلے کے نیچے میدان میں ہر طرف لاشیں بکھری پڑی تھیں اور یہ تاریخ کی ایک ایسی جنگ تھی جس میں ایک شخص بھی بچ کر واپس نہیں جا سکا۔

بظاہر شہریوں کی بڑی تعداد کو ہلاک کر کے اس فتنے کو کچل دیا گیا تھا مگر شہر میں جو لوگ ابھی باقی تھے وہ خوف سے زمین دوز ہو گئے اور اندر ہی اندر علی بن فضل کے لیے کام کرتے رہے۔

شہر میں مسلمان شراب پینے لگے تھے اور اپنے اس فعل میں وہ کسی قسم کی شرمندگی بھی محسوس نہیں کرتے تھے۔ جب انہیں شراب پینے سے روکا گیا تو معلوم ہوا کہ یہ سب علی بن فضل کے ماننے والے ہیں۔ اس نے شراب کو حلال قرار دے دیا تھا۔

والیِ یمن نے علی بن فضل سے پوچھا "اے دشمنِ خدا! تو نے شراب کو حلال قرار دیا ہے؟"

والیِ یمن نے جواب دیا "جس شے کو جنت میں حلال قرار دیا گیا ہو وہ دنیا میں کس طرح حرام ہو سکتی ہے۔"

علی بن فضل یمنی

Marfat.com

والیِ یمن نے کہا "تو صنعا میں بہت زیادہ تاریکی پھیلا چکا ہے۔ میں تجھ کو سزا نہیں دوں گا بلکہ تجھ کو بغداد روانہ کردوں گا۔ وہاں کے علما اور قاضی تجھے تیری بداعمالیوں کی سزا دیں گے۔"

علی بن فضل کو ابھی تک اپنے ماننے والوں کے انجام کی کوئی خبر نہ تھی۔ جب اس کو یہ بتایا گیا کہ عالم اسلام اور خصوصاً صنعا کے لوگ بہت جلد اس کے فتنے سے نجات حاصل کرلیں گے، بہتوں کا صفایا کیا جاچکا ہے اور جو باقی ہیں ان کا بھی صفایا کردیا جائے گا تو علی بن فضل نے اس کی وضاحت چاہی جو اس کو بتادی گئی۔ اس سے اس کا برا حال ہوگیا۔

نداف نے اپنی رہائی کی کوشش کی تو والیِ یمن نے اس کو اس لیے نہیں چھوڑا کہ اسے اب بھی یقین نہیں تھا کہ نداف دل سے تائب ہوچکا ہے۔ والی یمن نے کہا "میں تجھ کو اس شہر میں نہیں رہنے دوں گا۔ تجھ کو بغداد بھیج دوں گا مگر اس سے پہلے میں تجھ سے علی بن فضل کے خلاف وہ ثبوت چاہوں گا جو اس کو سزا دینے کے لیے کافی ہوں۔"

نداف نے کہا "آپ مجھے قید سے باہر نکالیں پھر میں آپ کو وہ سارے ثبوت مہیا کردوں گا جو علی بن فضل کو قابلِ تعزیر ثابت کرنے میں ممد و معاون ثابت ہوں گے۔"

اب والیِ یمن کو شبہ گزرا کہ شاید اس طرح نداف بھاگ نکلنا چاہتا ہے۔ اس نے کہا "کہیں تو اس طرح اپنے فرار کا منصوبہ تو نہیں بنا رہا ہے؟"

نداف نے والیِ یمن کو یقین دلایا "نہیں جناب! ایسی کوئی بات نہیں بلکہ ایمانداری کی بات تو یہ ہے کہ میں نے اپنی دنیا بنانے کی خاطر جو گناہ کیے ہیں، اب ان پر شرمندہ ہوں۔ اپنے قید و بند کے زمانے میں، میں یہ سوچتا رہا کہ اپنے جس جرم کے آلام اور مصائب میں اس دنیا میں جھیلتا رہا ہوں اس کی سزا دوسری دنیا میں کتنی خطرناک ہوگی۔ یہ سمجھ لیجئے کہ اب میں تائب ہوچکا ہوں اور پچھلے گناہوں کو دھونے کے لیے آپ کی مدد کر رہا ہوں۔ میں بھاگ کر جاؤں گا بھی کہاں؟"

والیِ یمن نے اپنے دو آدمی نداف کے ساتھ کردیے۔ نداف ان دونوں کو تاجروں کی ایک بستی میں لے گیا اور کپڑوں کے ایک تاجر سے ان دونوں کو ملوایا اور تاجر سے کہا "یہ دونوں نئے نئے علی بن فضل کے دین میں داخل ہوئے ہیں۔ علی بن فضل بذاتِ خود تو قید میں ہے، جو لوگ باہر ہیں اب وہی نئے ماننے والوں کو علی بن فضل کے مقام اور مرتبے سے آگاہ کریں گے۔"

تاجر کو حیرت ہوئی کہ نداف کس طرح چھوٹ گیا، پوچھا "کیا بات ہے کہ ہمارا آقا و مولا علی بن فضل تو قید میں ہے اور تجھ کو رہائی حاصل ہوگئی؟"

Marfat.com

نداف نے جواب دیا "مجھ سے ان لوگوں نے بہت کچھ پوچھا لیکن میں نے انہیں کچھ بھی نہیں بتایا۔ آخر مجبوراً مجھے چھوڑنا پڑا۔ اب میں سوچ رہا ہوں کہ تم لوگوں کے ساتھ کاروبار کرنے لگوں اور علی بن فضل کے دین کو خاموشی سے پھیلاتا رہوں۔"

تاجر نے دونوں اجنبیوں کو دیکھتے ہوئے پوچھا "یہ دونوں کون ہیں؟"

نداف نے جواب دیا "یہ دونوں بھی علی بن فضل کے دین میں داخل ہونا چاہتے ہیں۔ میں ان دونوں کو اپنے دین کے معتبر اور ذی شعور لوگوں سے ملوا تا پھر رہا ہوں۔ آپ لوگ ان دونوں کو بتائیں کہ اس نئے دین میں داخل ہونے کے بعد انہیں کس قسم کی سہولتیں اور آسانیاں میسر آجائیں گی۔"

تاجر نے تینوں کو مکان کے اندر لے جاکر خوف زدہ لہجے میں کہا "میں اپنے ہم دین شہری بھائیوں کے انجام سے بہت خوف زدہ ہوں۔ ہائے ہائے وہ بے گناہ کس بے رحمی سے ہلاک کردیے گئے۔"

کچھ دیر مرنے والوں کی یاد میں باتیں ہوتی رہیں اور آخر میں تاجر نے دھمکی دی "والی یمن خود کو خلیفہ سمجھتا ہے اور یہ نہیں جانتا کہ اس کا کام تمام کوئی ایک آدمی کرسکتا ہے۔"

نداف نے حیرت سے پوچھا "کیا کوئی ایسا منصوبہ موجود ہے کہ والی یمن کو ہلاک کردیا جائے؟"

تاجر نے جواب دیا "بالکل ہے۔"

تاجر نے ایک بار پھر دونوں کو مشتبہ نظر سے دیکھا اور کہا "کیوں نہ پہلے ان دونوں کو اپنے مذہب میں داخل کرلیا جائے اس کے بعد دوسری باتیں ہوں۔"

دونوں کے سامنے علی بن فضل کی وہ تحریریں رکھ دی گئیں جو خط و کتابت کی شکل میں تاجر کو پہنچتی رہی تھیں۔ ان خطوں کی رو سے علی بن فضل نبی کے علاوہ خدا بھی ٹھہرتا تھا۔ نبوت تو اس کی ایک ظاہری شکل تھی ورنہ درپردہ وہ خدا تھا۔ اس نے تاجر کو اپنے ایک خط میں لکھا تھا "یہ تحریر زمین کو پھیلانے اور ہانکنے والے اور پہاڑوں کے ہلانے اور ٹھہرانے والے علی بن فضل کی جانب سے اس کے بندے عارف بن حسین کے نام ہے۔"

اس قسم کی دوسری تحریریں تھیں اور ان سب سے اس کی خدائی مترشح ہوتی تھی۔

دونوں حیرت سے ان خطوط کو پڑھتے رہے۔ آخر کار ان دونوں کے سامنے اس نئے دین کا کلمہ پیش کیا گیا۔

دونوں کو یہ کلمہ پڑھنے میں تامل ہوا تو نداف نے تاجر کی نظروں سے بچ کر آنکھ ماری اور کلمہ پڑھوا

Marfat.com

دیا۔ تاجر نے ان دونوں سے وعدہ لیا کہ وہ رازداری سے اس دین کے لیے کام کرتے رہیں گے۔"

اس کے بعد نداف نے تاجر سے کہا "اور دنیاوی لذتوں اور سہولتوں کے بارے میں ان دونوں کو بتایا کہ یہ نیا دین ان کے لیے اور کیا آسانیاں پیدا کرتا ہے۔"

تاجر نے دونوں کو اپنی تین بیٹیوں سے ملوایا اور کہا "ان کی ماں کا انتقال ہو چکا ہے۔ میں تجارت کے سلسلے میں اکثر و بیشتر حالت سفر میں رہتا ہوں۔ تینوں لڑکیاں جوان ہو چکی ہیں۔ ان کے معقول رشتے بھی نہیں مل رہے تھے۔ میں نے اپنا یہ مسئلہ علی بن فضل کے سامنے رکھ دیا۔ اس نے مجھے سمجھایا کہ ان تینوں بیٹیوں پر سب سے زیادہ حق میرا ہے۔ اللہ نے ان تینوں کو مجھ پر حلال کیا اور پھر علی بن فضل نے خود ہی ان تینوں کی مجھ سے شادی کر دی۔ اس طرح میں تینوں کی فکر سے نجات پا گیا۔"

والی یمن کے دونوں آدمی ابھی تک بالکل خاموش تھے لیکن اب وہ خاموش نہ رہ سکے اور کہا "جناب! یہ تو بڑی مکروہ بات ہے۔ ایک باپ اپنی بیٹیوں سے کس طرح شادی کر سکتا ہے۔ ہمیں تو اس تصور ہی سے گھن آتی ہے۔"

تاجر نے نداف سے کہا "تو ان دونوں کو سمجھا کہ ہمارے اس نئے دین میں یہ باتیں مکروہ نہیں ہیں اور یہ سب کچھ سہولت اور آسانی پیدا کرنے کے لیے کیا گیا ہے۔ اگر کوئی شخص یہ نہیں کرنا چاہتا تو نہ کرے۔ اس میں زبردستی نہیں ہے۔"

نداف نے وہاں کچھ دیر اور قیام کیا۔ اس کے بعد دونوں کو دوسرے کئی ٹھکانوں پر لے گیا اور اس نے یہاں سے بھی بہت معلومات جمع کیں۔ اس طرح ان کا پورا دن اس میں خرچ ہو گیا۔ رات کو ان دونوں نے والی یمن کے سامنے یہ ساری روداد بیان کی۔ والی یمن ان انکشافات سے مشتعل ہوا اور علی بن فضل کو بلوا کر دیر تک ڈانٹتا پھٹکارتا رہا لیکن علی بن فضل نے اس کی صحت و صداقت سے انکار کر دیا۔ وہ والی یمن پر الزام لگا رہا تھا کہ یہ شخص اس کو سزا دینے کے لیے اس قسم کی باتیں کر رہا ہے۔

اب ان ساری معلومات کو جمع کر کے بغداد بھیج دیا گیا اور خلیفہ کو لکھا گیا کہ علی بن فضل ان کے قابو میں ہے اور انہوں نے اس کے فریب کی اشاعت پر پابندی لگا دی ہے۔ مزید کیا کیا جائے۔ امیر المومنین سے اجازت درکار ہے۔

خلیفہ کی طرف سے والی یمن کو حکم دیا گیا "اس جھوٹے نبی کو ہمارے پاس بھیج دیا جائے اور اس کے دین کی اشاعت پر پابندیاں لگا دی جائیں اور اہلیان صنعا کو بتا دیا جائے کہ تو جو کچھ کر رہا ہے، اسے خلافتِ عباسیہ کی تائید و حمایت حاصل ہے۔"

علی بن فضل یمنی

Marfat.com

اب والی یمن نے نداف سے پوچھا "تو اپنے لیے بتا کیا پسند کرے گا؟ اگر یہیں صنعا میں رہنا چاہے تو تجھ کو یہیں کام فراہم کر دیا جائے گا۔" نداف نے جواب دیا "مجھے بھی علی بن فضل کے ساتھ بغداد روانہ کر دیا جائے کیونکہ جب وہاں علی بن فضل پر مقدمہ چلے گا تو اس وقت میری ضرورت پیش آئے گی۔ وہیں کہیں دربار میں کوئی ملازمت دے دی جائے۔"

چنانچہ علی بن فضل کو پہرے میں بغداد روانہ کر دیا گیا اور ساتھ ہی نداف بھی بغداد پہنچا۔ خلیفہ نے علی بن فضل سے چند باتیں کیں اور اس کے عجیب و غریب عقائد اور نظریات سے آگاہی حاصل کی۔ اس کے بعد علی بن فضل کو بغداد کے قاضیوں کے حوالے کر دیا گیا اور انہیں ہدایت کر دی گئی کہ اس شخص کو کسی طرح بھی بری نہیں کرنا ہے۔ مقدمہ چلانے کے بعد اسے ایسی سزا دی جائے کہ اس کا چرچا بھی نہ ہو اور یہ شخص اپنے کیفر کردار کو پہنچے۔

جب نداف کو یہ معلوم ہوا کہ خلیفہ خود بھی کسی وجہ سے یہ نہیں چاہتا کہ اسے شارع عام پر عبرت ناک سزا دی جائے تو اسے حیرت ہوئی۔ وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ اس مقدمے میں رازداری سے کیوں کام لیا جا رہا ہے حالانکہ اس شخص نے کھلم کھلا لوگوں کو بے دین کیا ہے۔ علی بن فضل کے ساتھ نداف کو بھی قاضیوں کے حوالے کر دیا گیا۔ یہاں اس نے دیکھا کہ قاضی علی بن فضل سے نہایت نرمی سے پیش آ رہے ہیں۔ قاضی حضرات علی بن فضل سے علمی موضوعات پر باتیں کرتے تھے۔ قاضی نے نداف کو تخلیئے میں بلایا اور اس کا تفصیلی بیان لیا۔ یہیں نداف نے قاضیوں سے پوچھا "آخر آپ لوگ اس مقدمے میں اس قدر رازداری سے کام کیوں لے رہے ہیں؟"

ایک قاضی نے جواب دیا "صرف اس لیے کہ ہم نہیں چاہتے کہ اس ملعون کے ساتھ جو شر اور فتنہ وابستہ ہے اس کا چرچا ہو اور لوگ اس کا اثر قبول کریں۔ ہم اس کو نہایت خاموشی سے اس دنیا سے رخصت کر دینا چاہتے ہیں۔"

نداف واقعی حیران تھا اور اس کی سمجھ میں یہ بات آ رہی تھی کیونکہ صنعا میں جب اس پر اہمیت اور توجہ کی نظر کی گئی تو پورا صنعا اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگا تھا لیکن جلد ہی اس فتنے کو آگے بڑھنے سے بزورِ قوت روک دیا گیا۔ اگر ان پر زیادہ توجہ دی جائے اور انہیں گمنام رکھا جائے تو اس سے ملک و قوم کو بے حد فائدہ پہنچے گا۔

مقدمہ چلا اور مزید چند گواہوں کو پیش کرنے کا حکم دیا گیا۔

یہ ضرورت لکھ کر صنعا روانہ کر دی گئی۔

علی بن فضل یمنی

Marfat.com

جب یہ خط والیِ یمن کو ملا تو اس نے وہ دو آدمی بغداد روانہ کر دیے جو خود ایک تاجر سے مل کر خاصی معلومات اکٹھا کر چکے تھے۔

اب قاضیوں نے باقاعدہ مقدمے کی کارروائی شروع کر دی اور علی بن فضل کے سامنے اس کے خلاف تین گواہ کھڑے کر دیے گئے۔

علی بن فضل کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ نداف نے کس طرح اس کے خلاف زبان کھولی ہے اور دونوں اجنبی گواہ کس روانی سے اس کے خلاف بول رہے تھے۔ وہ ان دونوں سے بالکل واقف نہیں تھا پھر انہیں علی بن فضل کے دین کے بارے میں ساری معلومات کہاں سے مل گئیں۔ علی بن فضل نے انکار کیا اور کہا "یہ دونوں بالکل جھوٹے ہیں۔ میں ان دونوں سے واقف تک نہیں اور یہ دونوں میرے بارے میں الٹی سیدھی گواہیاں دے رہے ہیں۔"

ایک گواہ نے عرض کیا "جناب جھوٹے نبی صاحب! ہم نے آپ کی عدم موجودگی میں اس تاجر سے بڑی معلومات اکٹھا کیں جس کو آپ نے اس کی بیٹیوں سے شادی کرنے کی اجازت دے دی ہے۔ جہاں آپ نے شراب کو حلال قرار دے رکھا ہے۔"

اب علی بن فضل سے اس تاجر کے بارے میں سوالات کیے گئے تو وہ خاموش ہو گیا کیونکہ اس کو اندازہ ہو گیا تھا کہ ان لوگوں نے اس کے خلاف ساری معلومات اکٹھا کر رکھی ہیں اور اس کو کہیں سے بھی کوئی ایسی راہ نظر نہ آئی جس سے گریز اختیار کر کے وہ بچ نکلنے کی کوشش کرتا۔ قاضیوں نے اس سے پوچھا "تو اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہے تو اجازت ہے مگر جھوٹ بولنے کی کوشش نہ کی جائے کیونکہ ایک جھوٹ کے لیے ستر جھوٹوں کا سہارا لینا پڑے گا۔"

علی بن فضل نے آہستہ آہستہ کہنا شروع کیا "میں نے نبوت کا دعویٰ کیا اور آخر کار خدا بن بیٹھا حالانکہ میں یہ جانتا تھا کہ میرے ان دعووں کو اتنی آسانی سے پذیرائی حاصل نہیں ہو گی اور ساتھ ہی یہ جانتا تھا کہ لوگ مشکل سے میری بات مانیں گے۔ آخر میں نے دین میں آسانیاں اور سہولتیں پیدا کرنی شروع کر دیں۔ دنیا میں انسان سب سے زیادہ شراب اور عورت کا رسیا ہوتا ہے۔ میں نے ان دونوں کی آزادی دے دی۔ اس کا خاطر خواہ نتیجہ نکلا۔ اس دوران میں مجھے یہ تجربہ ہو چکا تھا کہ اس قسم کی تحریکوں میں ہمیشہ غریب پہل کرتے ہیں اور جب امرا داخل ہوتے ہیں تو تحریک میں پہیے لگ جاتے ہیں اور جب کوئی شخص لوگوں کے دلوں میں گھر کر لیتا ہے تو وہ نکالے نہیں نکلتا۔ ماننے والے اندھی عقیدت رکھتے ہیں۔ آج میں نے جس تحریک اور جس مذہب کی بنیاد ڈال دی ہے' اسے ختم نہیں

علی بن فضل یمنی

Marfat.com

کیا جاسکتا۔ میں زندہ رہوں یا مار دیا جاؤں، تحریک چلتی رہے گی۔ مذہب پھیلتا رہے گا۔ آج میں مطمئن ہوں۔"

قاضیوں نے اس سے اتفاق کیا اور اس کے اعزاز میں دعوت دی۔ اس دعوت میں بغداد کے شرفا کو بھی شریک کیا گیا۔ علی بن فضل کے کھانے میں زہر شامل کر دیا گیا تھا۔ کھانا کھانے کے بعد جب علی بن فضل کو یہ معلوم ہوا کہ زہر اس کے رگ وپے میں اتر رہا ہے تو اس نے کہا "افسوس کہ مجھ سے دھوکا کیا گیا۔ زہر میرے جسمانی نظام کو ناکارہ کر رہا ہے لیکن جو زہر میں نے اسلام کے رگ وپے میں اتارا ہے وہ بھی اسے برسہا برس پریشان کرے گا۔"

یہ فتنہ انیس بیس سال تک عروج پر رہا۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ معدوم ہوتا چلا گیا۔ گویا اس فتنے کا آغاز تقریباً ۲۸۳ھ یا ۲۸۴ھ میں ہوا تھا اور ۳۰۳ھ میں اس کا خاتمہ ہو گیا۔

Marfat.com

چوتھی صدی ھجری کا فتنۂ
عظیم جو بغداد کے شھر واسط کے ایك قصبه
سے ظاھر ھوا تھا۔ اس فتنے کا بانی اسلام کی بنیادوں
پر ایك کاری ضرب لگا رھا تھا۔ اس نے اپنے ھزاروں
پیروئوں کو گمراہ کردیا۔ گمراہ ھونے والوں میں اس عھد کی
مشھور شخصیات شامل تھیں۔ یه شخص بذات خود اپنے عھد
کا یکتا و منفرد کردارتھا۔ اس کی علمی حیثیت مسلمه و
مصدقه تھی۔ اگر یه اپنے مذموم مقصد میں کامیاب ھوجاتا
تو آج تك اسلام میں کتنے ھی فتنے جنم لے چکے ھوتے
لیکن حکومت کے بروقت اقدام نے اس کو
ھمیشه ھمیشه کے لیے ختم کردیا۔

مضمون کے مآخذ

معجم الادباء	تاریخ ابن اثیر	ائمہ تلبیس
یاقوت حموی	ابن اثیر	ابوالقاسم رفیق دلاوری

محمد بن شلغمانی

Marfat.com

محمد بن علی شلغمانی

۹۳۲ء ظہور

خلافتِ عباسیہ کا خلیفہ قاہر باللہ تختِ خلافت پر جلوہ افروز تھا اور عالمِ اسلام میں اسلام ہی کے بطن سے پیدا ہونے والی مذہبی تحریکیں پنپ رہی تھیں' فروغ پا رہی تھیں اور دم توڑ رہی تھیں۔ قرآن اور احادیث کو اپنی من مانی تاویلات سے بے دریغ استعمال کیا جا رہا تھا۔ دام تزویر بچھائے جائے رہے تھے۔ کم پڑھے لکھے اور جاہل مسلمانوں کو ان جالوں میں پھنسایا جا رہا تھا۔ عالمانہ اور فلسفیانہ موشگافیوں سے پڑھے لکھے' با اثر افراد اور عمائدین سلطنت کی طرف پھندے پھینکے جا رہے تھے۔ ان پھندوں میں جس کی گردن پھنس جاتی تھی وہ ان کا معتقد' قائل اور اسیر ہو جاتا تھا۔ یہ مذہبی تحریکیں اتنی تیزی سے بڑھتی اور پھلتی پھولتی تھیں کہ مہینوں اور سالوں میں ان کے ہزاروں ماننے والے پیدا ہو جاتے تھے۔ آج تاریخ اور تذکروں کے صفحات میں جب ان فتنوں کے سوانح' حالات اور واقعات پڑھے جاتے ہیں تو عقل حیران رہ جاتی ہے' یہ کیسے ادوار تھے اور وہ کیسے لوگ تھے جو اتنی آسانی سے فتنوں کا شکار ہو جاتے تھے۔

ان صفحات میں جس شخص کا ذکر کیا جا رہا ہے اس کا تعلق عہد عباسی کے قصبے شلغمان سے تھا۔ یہ قصبہ واسط کے نواح میں واقع تھا۔ یہاں کی آبادی کی اکثریت عقائد کے اعتبار سے امامیہ شیعہ تھی۔ یہ دور حضرت امام محمد بن حسن عسکری کے بچپن کا تھا۔ ان کی وکالت کے فرائض محمد بن علی شلغمانی انجام دے رہے تھے۔ اس کی لیاقت' علمیت اور فکری اجتہاد کا ایک زمانہ قائل تھا۔ یہ صاحبِ تصانیف بھی تھا اور اس کی کتابیں اس کے ہم عقیدہ لوگوں میں حرزِ جاں بنی ہوئی تھیں۔ دور دور سے لوگ اس کے

محمد بن شلغمانی

Marfat.com

پاس آتے تھے اور اس کی کتابوں کی نقول گراں قیمت دے کر لے جاتے تھے۔ کتاب اور نقل کرنے والے ایک مکان میں صرف ایک ہی کام پر لگا دیے گئے تھے کہ اس کی تصانیف کی نقلیں تیار کرتے رہیں۔ کیوں کہ یہ کتابیں اچھی قیمتوں پر فروخت ہو جاتی تھیں۔ اس لیے اس کی مالی حالت بہت اچھی تھی۔ اس کے علاوہ یہ شخص چونکہ حضرت امام محمد بن حسن عسکری کا وکیل بھی تھا اس لیے نذرانے بھی بہت زیادہ وصول ہو جاتے تھے۔ حالات بہت اچھے تھے' معاشرے میں عزت و توقیر کا یہ حال تھا کہ لوگ علامہ شلغمانی کے ہاتھوں کو بوسے دیتے تھے اور نہایت خاموشی سے نذرانے پیش کرتے تھے۔

اس کے مداح اور عقیدت مند' اس کی قابلیت اور کارکردگی کے پیشِ نظر جب مدح سرائی کرتے تھے تو زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتے تھے۔ یہ اپنی مدح سرائی پر پھولا نہ سماتا تھا اور اپنے ایسے مداحوں کو داد و دہش سے نوازتا رہتا تھا۔ ان ہی میں کچھ ایسے فتنہ پرور لوگ بھی شامل تھے جو علامہ شلغمانی کو اپنی کمائی کا ذریعہ بنانا چاہتے تھے۔ یہ لوگ اس سے کہتے تھے "آپ کی تصانیف میں ساحرانہ کیفیت پائی جاتی ہے۔ آپ کا انداز تحریر مسحور کن ہے کہ جو کوئی انہیں پڑھتا ہے ان کے سحر میں مبتلا ہو جاتا ہے۔"

کوئی انداز خطابت کی تعریف کرتا اور کہتا "آپ جب بولتے ہیں تو ایسا لگتا ہے جیسے پھول جھڑ رہے ہیں۔ آپ کو زبان اور الفاظ پر اتنی دسترس حاصل ہے کہ یہ آپ کے غلام نظر آتے ہیں۔ پیرایہ بیان میں تسلسل ایسا ہے جیسے قیمتی موتیوں کے ہار تیار کیے جا رہے ہوں' روانی ایسی ہے جیسے کوئی پر شکوہ دریا میدان سے گزر رہا ہو اور جب یہ دریا پر پیچ اور نشیب و فراز والے راستے پر پہنچتا ہے تو اس میں بلا کی شدت پیدا ہو جاتی ہے اور ایسا لگتا ہے جیسے اس کی لہریں اپنی راہ میں آنے والی ہر شے کو تہس نہس کرنے کا تہیہ کر چکی ہوں۔ آج دنیا بھر میں آپ بے مثل خطیب ہیں اور اس خطابت کا اثر علما' فضلا اور عوام پر یکساں ہوتا ہے۔"

کوئی تیسرا اپنی مدح سرائی کا آغاز اس کے دلائل اور براہین کی قصیدہ خوانی سے کرتا "مجھے تو آپ کی جس چیز نے سب سے زیادہ متاثر کیا ہے وہ آپ کے دلائل' آپ کے براہین' آپ کے امثال اور نظائر ہوتے ہیں۔ آپ کا تفکر بے پناہ ہے۔ آپ کا علم وسیع ہے۔ آپ کا مطالعہ قابل رشک ہے اور آپ کی اپنے موضوع پر گرفت قابل داد ہوتی ہے۔ آپ کو اللہ نے اتنا علم' اتنی عقل' اتنی قوتِ فہم' اتنی قوتِ فیصلہ اور اتنی قوتِ استدلال بخشی ہے کہ آپ اگر چاہیں تو سونے کو مٹی اور مٹی کو سونا ثابت کر دیں۔ جاہل کو عالم اور عالم کو جاہل بنا ڈالیں۔ رات کو دن اور دن کو رات کر دیں۔ عرش کو فرش اور فرش کو عرش قرار دے دیں۔ بندے کو خدا اور خدا کو بندہ بنا دیں۔ آپ ان چیزوں پر بڑا عبور رکھتے

محمد بن شلغمانی

Marfat.com

ہیں۔ ہمیں تو بعض اوقات یہ محسوس ہوتا ہے کہ آپ میں اللہ حلول کر گیا ہے۔ آپ جو بولتے ہیں تو گویا آپ کی زبان سے اللہ بولتا ہے۔ آپ کتابیں تصنیف کرتے ہیں تو گویا آپ ان کے خالق ہیں۔ آپ جب کسی ادنیٰ شے کو اعلیٰ اور اعلیٰ کو ادنیٰ ثابت کر دیتے ہیں تو گویا یہ آپ کی شان ربوبیت ہوتی ہے اور آپ ادنیٰ و اعلیٰ پر یکساں قدرت رکھتے ہیں۔ آپ اگر قادر مطلق نہیں تو قادر ضرور ہیں۔"

قصائد اور مدح سرائیوں کی بارش جاری رہی اور علامہ شلغمانی ان کا اثر قبول کرتا رہا۔ اب اسے حضرت امام محمد بن حسن عسکری کی وکالت کا منصب حقیر نظر آنے لگا۔ اسے اپنی ربوبیت اور الوہیت کا یقین ہونے لگا کیونکہ اس کی وجدانی قوت اس کو یہ باور کرا رہی تھی کہ جو کچھ اس سے صادر ہوتا ہے وہ حادث ہے۔ اللہ قدیم ہے اور اس کے سوا جو کچھ ہے وہ حادث ہے اور اس قدیم میں اس کو حدث کیا گیا ہے۔ اس اعتبار سے علامہ شلغمانی خود کو قدیم سمجھنے لگا تھا۔

یہ سلسلہ مدتوں جاری رہا اور اس کا اکثر یہ جی چاہتا کہ وہ اپنی ربوبیت اور الوہیت کا مدعی بن جائے۔ اپنے رب اور اللہ ہونے کا دعویٰ کر دے لیکن یہ سوچ کر خاموش رہا کہ اس پر ایمان کون لائے گا۔ اس کی ان باتوں پر یقین کون کرے گا۔ بہت زیادہ غور و فکر کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ جس بڑے کام کے پیچھے منصوبہ بندی نہیں ہوتی اور اس میں تدبر اور تعقل سے کام نہیں لیا جاتا وہ کام تشنہ تکمیل رہتا ہے اور زمانہ اسے مسترد کر دیتا ہے لیکن جس بڑے کام کے پیچھے بہت بڑی منصوبہ بندی ہوتی ہے اور جس کے نشیب و فراز نظر میں رہتے ہیں جس کی اونچ نیچ پر پہلے ہی غور کر لیا جاتا ہے وہ کام ضرور پایۂ تکمیل کو پہنچتا ہے۔ وہ اپنے اس کام میں کسی کو رازدار یا شریک نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ اس طرح اس کی کمزوری کسی دوسرے کے ہاتھ میں چلی جاتی اور یہ دوسرا شخص اس کی ربوبیت اور الوہیت میں شریک ہونے کی کوشش کرتا۔ آخر کار اس نے یہ فیصلہ کیا کہ اپنے اس کام کا آغاز وہ ان لوگوں سے کرے گا جو اس کے سب سے بڑے مداح اور قصیدہ گو ہیں۔ چنانچہ ایک دن اس نے اپنے ایک عقیدت مند سے پوچھا "سچ بتا میں تیری نظر میں کیا ہوں؟"

مداح نے جواب دیا "آپ ایک بے بدل عالم ہیں۔ آپ کو ذہن وسیع اور طبیعت خلاق عطا ہوئی ہے۔ آپ وہ کچھ ہیں جو میرے عقل و فکر میں نہیں آسکتے۔"

دوسرے نے جواب دیا "فی الحال آپ ایک دروازہ ہیں۔ صغیر سن حضرت امام محمد بن حسن عسکری تک پہنچنے کے لیے۔"

تیسرے نے تعریف کی "تیری یہ تعریف نہایت معمولی، ناقص اور نامکمل ہے۔ ہاں تو یہ کہہ سکتا

Marfat.com

ہے کہ علامہ شلغمانی دروازہ ہیں رب اور اللہ تک پہنچنے کے۔ کیوں کہ ہم نے رب اور اللہ کو ان ہی کے ذریعے جانا اور پہچانا ہے۔ بلکہ میں یہ دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ آج اگر اللہ کسی بشر کی شکل اختیار کرے گا تو وہ علامہ شلغمانی کی شکل ہوگی۔"

چوتھے نے تو انتہا ہی کردی "رب اور اللہ کا بشریت کے پیکر خاکی میں منتقل ہو جانا کیا معنی۔ آج ہم اپنے رب اور اللہ کو علامہ شلغمانی کی شکل میں دیکھ رہے ہیں۔ اللہ اس شخص میں حلول کر گیا ہے۔"

اب علامہ شلغمانی نے اپنے چند مداحوں کے سامنے برملا اعلان کردیا "بے شک میں تمہارا رب ہوں اور خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو میرے اس اعلان سے پہلے ہی مجھے پہچان چکے ہیں اور مجھ پر ایمان لا چکے ہیں اور خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کے ذریعے میں پہچانا جاؤں گا۔ جو مجھے زمانے کے سامنے پیش کرنے اور شناخت کرانے کا اعزاز اور فخر حاصل کریں گے۔"

کئی مداح اسی وقت اس کے سامنے سجدے میں گر گئے اور اقرار کیا "بے شک تو ہمارا رب ہے' ہم تجھ پر ایمان لائے اور وعدہ کرتے ہیں کہ تیرا چرچا اور ذکر گھر گھر پہنچا دیں گے اور ایک زمانے کو تیری ربوبیت اور الوہیت کا قائل کردیں گے۔"

علامہ شلغمانی اپنے مداحوں کے سجدوں سے لطف اندوز ہو رہا تھا اور اسے خود بھی اپنی خدائی پر ایمان لانا پڑا۔

اس نے ساجدوں کو حکم دیا "اب جبکہ تم لوگ مجھے پہچان چکے ہو' مجھ پر ایمان لا چکے ہو تو جاؤ اپنے اہل خانہ' اپنے قبائل' اپنے حلقہ اثر' اپنے حلقہ احباب میں پھیل جاؤ اور جس بات کے تم خود قائل ہو' ایک زمانے کو اس کا قائل کردو تاکہ میں تم سے ہمیشہ کے لیے راضی رہوں اور تم لوگ میرے لطف و کرم سے فیض یاب ہوتے رہو۔"

لوگ سجدے سے اٹھے اور علامہ شلغمانی کے ہاتھوں کو چومنے لگے۔

ایک شخص کو اس دعوے سے یکسر اختلاف تھا لیکن لوگوں سے خوف زدہ تھا کہ اگر اس نے اپنے اختلاف کا ذکر ان لوگوں کے سامنے کردیا تو یہ لوگ اپنے جذباتی دباؤ میں آکر اس کو قتل کردیں گے اور وہ خواہ مخواہ ان کی نظر میں نار جہنم کا حقدار قرار پائے گا۔

لیکن محفل کے دوسرے لوگ اس کے تذبذب سے باخبر تھے اور یہ بھی دیکھ لیا تھا کہ اس شخص نے ان کے رب کو سجدہ نہیں کیا تھا۔

ایک نے اس شخص سے پوچھا "کیا بات ہے تو نے اپنے رب کو سجدہ نہیں کیا۔ اس کی کوئی خاص

محمد بن شلغمانی

Marfat.com

وجہ ہے؟"

اس شخص نے جواب دیا "افسوس کہ میں تم لوگوں جیسی عاقب نااندیشانہ حرکت نہیں کر سکتا۔ میں اپنے ماحول' اپنے معاشرے اور اپنے زمانے سے تم سب سے زیادہ واقف ہوں۔ کیا تم لوگ یہ نہیں جانتے کہ آج عالمِ اسلام علامہ شلغمانی کو کس حیثیت سے جانتا ہے؟"

علامہ شلغمانی کے پرستاروں نے جواب دیا "ہم زمانے کی بات نہیں جانتے۔ ہم نے تو علامہ شلغمانی کو اپنا رب مان لیا ہے اگر اس کے علاوہ کچھ ہے تو اس کا ہمیں علم نہیں۔ جسے علم ہو وہ بتا دے۔"

اس باغی شخص نے جواب دیا "اس وقت ہمارے سامنے امام محمد بن حسن عسکریؑ نہیں ہیں۔ ان کے غیاب میں آپ کو ان کا وکیل مقرر کیا گیا ہے اور آپ خود کو اس صغیر سن امام تک پہنچنے کا دروازہ کہتے ہیں۔ اب اگر آپ اس کے علاوہ کوئی دعویٰ کریں گے تو لوگ اسے نہیں مانیں گے اور زمانہ آپ کا مدِ مقابل ہو جائے گا۔ آپ کو لامتناہی مزاحمتوں کا سامنا کرنا ہو گا۔ آپ یہ سب سوچ کے قدم اٹھائیں گے اور اگر میری ان باتوں پر کوئی توجہ نہ دی گئی اور اس بڑے کام کا آغاز کر دیا گیا تو ہم سب کا اللہ حافظ ہے۔"

پرستاروں نے اس کے خلاف آواز بلند کی "اسے نکالو یہاں سے' یہ بے دین ہے' یہ اپنے رب اور اللہ کا منکر ہے۔ یہ اس محفل میں بیٹھنے کے قابل نہیں ہے۔ یہ راندۂ درگاہ ہے۔ یہ مردود بارگاہ ایزدی ہے۔ اسے سنگسار کر دو۔ یہ ملعون و خاسر ہے۔"

ان نعروں نے اتنی شدت اختیار کی کہ علامہ شلغمانی کو مداخلت کرنی پڑی۔ اس نے کہا "اسے برا مت کہو' بلکہ یہ دیکھو' اس نے جو کچھ کہا ہے وہ کس حد تک مبنی بر حقیقت ہے۔ زمانے کا عمل نہایت سست اور ناقابل محسوس ہوتا ہے۔ ہمیں اپنی غیر معمولی قوت حاسہ اور قوت مدرکہ سے کام لے کر اپنے کام کا آغاز کرنا ہو گا۔ اپنے مخالفین اور اپنے منکرین کو اس لیے گوارا کرنا ہو گا کہ ہو سکتا ہے' کل یہ ہم پر ایمان لے آئیں۔ اگر کسی وجہ سے آج یہ خود ایمان نہیں لاتے تو کل ان کی اولاد ایمان لا سکتی ہے۔ ہمیں صبر و شکر کے ساتھ وقت کا انتظار کرنا چاہیے۔" چھوٹی سی تقریر نے علامہ شلغمانی کے باغی کی جان بچا لی۔

ایک نے کھڑے ہو کر اس مردود بارگاہ کو سمجھایا "اگر تجھ کو عقل سلیم ملی ہے تو اپنے رب کی شانِ عفو اور اندازِ غفاری کے قربان ہو جا۔ اللہ نے ایک سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے عزازیل کو جو معلم

محمد بن شلغمانی

Marfat.com

الملکوت تھا' ملعون و مردود قرار دیا۔ اب وہ شیطان ہے' ابلیس ہے اور اپنی تلبیسیت کے جال بچھاتا رہتا ہے اور اس میں تیرے جیسے کوتاہ بیں اور کوتاہ عقل لوگ پھنستے رہتے ہیں۔ اب بھی وقت ہے کہ اپنے رب پر ایمان لے آ اور ایمان والوں میں شامل ہو جا۔"

لیکن وہ شخص ایمان نہیں لایا اور اس نے یہی عذر پیش کیا کہ میں کچھ دن سوچوں گا' غور کروں گا۔ میں حضرت امام محمد بن حسن عسکری کی امامت کا ہوں۔ وہاں سے یہاں پہنچنا آسان کام نہیں ہے۔ جس دن ملہم غیبی کا اشارہ ملا۔ ایمان لے آؤں گا اور اس بشری خدا کو تم لوگوں کی طرح سجدہ کر لوں گا۔"

اس شخص کو محفل سے نکال دیا گیا۔ اس نے محفل سے نکل کر علامہ شلغمانی کے خلاف باتیں کرنا شروع کر دیں وہ لوگوں سے کہتا پھر رہا تھا کہ علامہ شلغمانی کا کبر و نخوت نے دماغ خراب کر دیا ہے اور اب وہ ایسے دعوے کر رہا ہے کہ توبہ توبہ..... اللہ اپنی پناہ میں رکھے۔ وہ اپنی ربوبیت اور الوہیت کا دعویٰ کر رہا ہے' یہ ایک ایسی گستاخی ہے کہ شاید اللہ اس شخص کو معاف نہیں کرے گا۔"

لیکن لوگوں کو ان باتوں پر یقین نہیں آ رہا تھا اور وہ کہتے تھے "ایسا نہیں ہو سکتا۔ اتنا بڑا عالم فاضل بلکہ مجتہد العصر اتنے بڑے گناہ کا مرتکب نہیں ہو سکتا اور پھر وہ تو امامِ وقت کا وکیل بھی ہے۔ وہ ہم سب کے لیے امام کی عدم موجودگی میں امام تک پہنچنے کا دروازہ ہے پھر وہ ایسا دعویٰ کیوں کرے گا۔"

دوسری طرف علامہ شلغمانی کے پرستار مبہم پیرایہ بیان میں اس کی ربوبیت اور الوہیت کی تبلیغ کرتے پھر رہے تھے۔ وہ لوگوں کو بتا رہے تھے کہ اگر تم انسانی شکل میں رب دیکھنا چاہتے ہو تو ہمارے ساتھ چلو۔ ہم اس سے تمہاری ملاقات کرائیں گے۔ اس کی یزدانہ باتیں سنو۔ اس کی شانِ کبریائی دیکھو' وہ اس وقت اس دنیا کا انداز کبریائی رکھنے والا سب سے بڑا انسان ہے۔ آج روئے زمین پر اس جیسا کوئی دوسرا نہیں۔ وہ یکتا و بے ہمتا ہے۔"

یہ تبلیغ و اشاعت کا کام اتنی تیزی اور شدومد سے شروع ہوا کہ لوگ اپنے خدا کا دیدار کرنے کے لیے شلغمان کا رخ کرنے لگے۔ وہ جو علامہ شلغمانی کے علم و فضل سے واقف تھے اور اس کے سامنے خود کو کم تر اور حقیر سمجھتے تھے اور وہ لوگ جو اس کے بندِ خلافت کے اسیر تھے' اس پر بہت جلد ایمان لے آئے اور اپنے خدا کے حضور باقاعدہ حاضریاں دینے لگے لیکن اب خدا کا دیدار کرنا' اتنا آسان نہیں تھا۔ وہ سب کی نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ صبح سے شام تک شائقینِ دید اور مشتاقانِ زیارت اس کے مکان کے سامنے کھڑے رہتے اور ناکام و نامراد واپس جاتے۔ آخر کار چالاک اور عیار پرستاروں نے اپنے جھوٹے رب کو مشورہ دیا "اے میرے رب! کہیں ایسا نہ ہو کہ تیرے محروم دیدار اور ناکام و

محمد بن شلغمانی

Marfat.com

نامراد بندے' تیرے دیدار سے محروم ہونے کے بعد تجھ سے منحرف ہو جائیں۔ اس لیے تجھے ان سب کے سامنے آنا چاہیے۔"

علامہ شلغمانی نے جواب دیا "ابھی ان کی آتش شوق کو بھڑکنے دو اور بھڑکنے دو۔ یہاں تک کہ وہ حضرت موسیٰؑ کی طرح یارب ارنی کہنے لگیں۔ اس وقت میں انہیں جواب دوں گا اور ان سے مخاطب ہوں گا۔"

پرستار اس سے زیادہ اور کیا کہہ سکتے تھے۔ انہیں جو جواب ملا وہ بھی بہت معقول تھا۔

اب علامہ شلغمانی کا ذکر عالموں کی محفلوں میں بھی ہونے لگا تھا۔ چنانچہ علما علامہ شلغمانی سے بات کرنے اس کے گھر پہنچنے لگے مگر اب ان کی ملاقات علامہ شلغمانی سے نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ وہ خدا تھا اور خدا کسی کو نظر نہیں آتا۔ خدا کا وجود تو ہے جب چاہے گا بات کرے گا جب چاہے گا زیارت کروا دے گا اور جب چاہے گا قلبوں کو اپنی طرف مائل کر لے گا۔ کیوں کہ وہ مقلب القلوب بھی ہے۔

جب مدعی ربوبیت' خدائی کے دعوے دار کا دیدار نہیں ہو سکا تو لوگوں کی گرمی شوق میں اضافہ ہوا۔ ان کو قابو میں رکھنے کے لیے دعوے دار کی طرف سے اس کی کتابوں کے معرکہ آرا اور شاہکار ٹکڑے نقل کروا کر دے دیے جاتے کہ پڑھو' سر دھنو اور ایمان لاؤ۔ تمہارے لیے یہی کافی ہے۔

یہ خبریں بغداد کے بازاروں میں گلی کوچوں سے گزرتی ہوئی قصرِ خلافت میں داخل ہو گئیں۔ دین دار اور راسخ العقیدہ علماؒ نے خلیفہ قاہر باللہ سے شکایت کی اور کہا "اگر اس فتنے کو بزورِ قوت اور بزورِ شمشیر نہ روکا گیا اور خاموش رہا گیا تو ہم سب گناہ گار ٹھہریں گے اور ہماری توبہ بھی قبول نہیں ہو گی۔"

خلیفہ نے اپنے وزیر کو حکم دیا "اس شخص کو فوراً گرفتار کیا جائے۔ اس پر برسرِ عام مقدمہ چلایا جائے اور اسے سولی پر چڑھا دیا جائے۔"

وزیر نے اس کو ایک معمولی فتنہ سمجھ کر واسط کے حاکم کو لکھا "ہمیں معلوم ہوا ہے کہ واسط کے ایک قصبے شلغمان میں خدائی کا دعوے دار پیدا ہو گیا ہے۔ امیر المومنین اس کاذب الکذاب کی شکل دیکھنا چاہتے ہیں اسے گرفتار کر کے فوراً ہمارے پاس روانہ کر دیا جائے۔ اگر اس گرفتاری میں سستی سے کام لیا گیا تو حکومت یہی سمجھے گی کہ تو بھی اس فتنے میں شریک ہے اور دانستہ اور ارادتاً چشم پوشی سے کام لے رہا ہے پھر دنیا دیکھے گی کہ تو بھی گرفتار کر لیا جائے گا۔ شلغمانی شیطان کے ساتھ تجھ پر بھی مقدمہ چلے گا اور تم دونوں ایک ساتھ سولی پر چڑھا دیے جاؤ گے۔"

واسط کا حاکم شلغمانی پر ایمان تو نہیں لایا تھا مگر اس کی خدائی کا کسی حد تک قائل ضرور ہو گیا تھا۔ وہ

محمد ابن شلغمانی

Marfat.com

شاہی فرمان لے کر علامہ شلغمانی کے پرستاروں سے ملا۔ مبلغین سے باتیں کیں اور شاہی فرمان کا جواب مانگا اور اپنی طرف سے معذرت کی "میں یہ ناخوش گوار فریضہ ہرگز انجام نہ دیتا جب کہ میں بھی ان کا کسی حد تک قائل ہو چکا ہوں۔ اب خداوند شلغمانی سے معلوم کریں کہ میں اس شاہی حکم سے کس طرح عہدہ برآ ہو سکتا ہوں۔"

ایک داعی نے جواب دیا "اس کا جواب تو مل جائے گا مگر فی الحال تو خاموش ہو جا اور وقت کا انتظار کر کہ وہی ہو گا جو خدا چاہے گا اور خدا ہمارے ساتھ بھی ہے اور پاس بھی۔"

واسط کا حاکم پریشان تھا کہ اگر وزیر کو شاہی فرمان کا بروقت جواب نہ ملا تو وہ کوئی انتہائی قدم اٹھانے پر مجبور ہو جائے گا۔ اس نے اصرار کیا "آپ خداوند کو یہ شاہی فرمان پہنچا تو دیں اور معلوم کریں کہ میں اس کا کیا جواب دوں؟"

داعی شاہی فرمان اپنے ہاتھوں میں لے کر اندر جانے لگا تو حاکم واسط نے التجا کی "کیا میں بھی خداوند شلغمانی سے مل سکتا ہوں؟"

داعی نے صاف انکار کر دیا اور کہا "کوئی اپنے خداوند سے کس طرح مل سکتا ہے۔ حضرت موسیٰؑ نے دیکھنے کی خواہش بلکہ ضد کی تھی تو خود تابِ دیدار نہ لا سکے اور طور کو بھی جلوا دیا۔ کیا تو بھی یہی چاہتا ہے کہ تو ہلاک ہو اور اس عمارت کو آگ لگ جائے۔"

واسط کا حاکم پریشان تھا اس مشکل حالات میں وہ کیا کرے اور کس طرح خلیفہ اور اس کے وزیر کو مطمئن کرے۔

کچھ دیر بعد داعی اندر سے نمودار ہوا اور بتایا "اس وقت خدا دنیا کے دوسرے اہم معاملات کے انصرام میں مشغول ہیں اس لیے اس فضول فرمان کا جواب نہیں دے سکتے۔ صبر کرو اور وقت کا انتظار کرو، سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔"

حاکم واسط نے تشویش ظاہر کی "آپ خدا سے کہیں کہ میں بالکل بے بس و مجبور ہوں۔ اگر میں نے اس شاہی فرمان کا فوراً کوئی جواب نہیں دیا تو یہاں قیامت اٹھ کھڑی ہو گی اور خدا تو محفوظ رہے گا مگر اس کا عاجز اور ناچیز بندہ یعنی میں ضرور سولی پر چڑھ جاؤں گا۔"

علامہ شلغمانی نے جواب میں کہلوایا "تو خلیفہ کے وزیر کو جواب میں لکھ دے کہ میں خود بغداد پہنچ رہا ہوں اور میری گرفتاری ناممکن ہے۔ وزیر ہو یا واسط کا حاکم، دونوں ہی مصلحت اندیش اور اپنی ملازمتوں سے خائف ہیں لیکن میں ان دونوں کو خوش خبری سناتا ہوں کہ وہ اپنی ملازمتوں پر برقرار رہیں

محمد بن شلغمانی

Marfat.com

گے۔"

واسط کا حاکم ناکام و نامراد واپس گیا اور اسی دوران میں علامہ شلغمانی نے جرات سے کام لے کر بغداد کا رخ کیا۔ تین سو بیس ہجری کی بات ہے کہ علامہ سلغمانی بغداد میں داخل ہوا اور سابق وزیر حسن بن قاسم کی حویلی میں قیام کیا۔

شاید حسن بن قاسم کا علامہ شلغمانی سے پہلے ہی رابطہ قائم ہو چکا تھا۔ یہ شخص اپنی دانائی' فرزانگی اور تدبر کے لیے بہت مشہور تھا۔ غالباً اس کو خلافت سے یہ شکایت تھی کہ اسے منصبِ وزارت نہ دے کر خلافت نے خود کو کمزور کر لیا ہے اور جیسا کہ ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے کہ ایسے لوگ حکومت سے ٹکرانے کے لیے کسی بڑی تحریک سے وابستگی اختیار کر لیتے ہیں۔ چنانچہ اس کے مبصر دوستوں نے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ علامہ شلغمانی کی تحریک جلد زور پکڑ لے گی اور اس کے ماننے والے قصرِ خلافت کو پریشان اور خوف زدہ کر دیں گے۔ یہی اندازہ ان دونوں میں وجہ دوستی بن گیا۔ چونکہ اب حسن بن قاسم سیاسی' ملکی اور دنیاوی اعتبار سے کسی بلند مقام پر فائز نہیں تھا اور دوسری طرف علامہ شلغمانی نے خدائی مرتبہ حاصل کر لیا تھا اس لیے ان دونوں کی ملاقات برابری کی سطح پر تو نہیں ہو سکتی تھی۔ حسن بن قاسم کو جھوٹے خدا کی طرف دست دوستی بڑھانا پڑا۔ اس فرضی خدا نے ہاتھ ملانے سے انکار کر دیا۔

علامہ شلغمانی نے سابق وزیر کو مطلع کیا "تو بندہ ہے اور میں تیرا رب' میں اول بھی ہوں اور آخر بھی۔ میں ظاہر بھی ہوں اور باطن بھی۔ میں قدیم بھی ہوں اور حادث بھی۔ تو میری طرف دستِ عبودیت بڑھا' میں تیرا ہاتھ پکڑ لوں گا اور تیری دست گیری کروں گا لیکن دونوں ہاتھ برابری کی سطح پر نہیں مل سکتے۔"

سابق وزیر نے پوچھا "ہم دونوں کس طرح ایک دوسرے کے کام آسکتے ہیں؟"

علامہ شلغمانی نے جواب دیا "میں تیری حویلی میں مقیم ہوں تو اس کا یہ مطلب ہے کہ خدا تجھ پر مہربان ہے۔ اب تیرا بھی فرض بنتا ہے کہ اپنا دستِ عبودیت میری طرف بڑھا اور مجھے اپنا رب تسلیم کر لے۔"

حسن بن قاسم نے اپنا مسئلہ پیش کیا "میں منصبِ وزارت سے ہٹایا گیا ہوں' اس لیے میں خلافت سے ٹکرانا چاہتا ہوں اور اس تصادم میں جو بھی میرا ساتھ دے گا' میں اس کے ساتھ ہو جاؤں گا۔"

علامہ شلغمانی نے جواب دیا "تو میری ربوبیت کا مقر ہو جا' میں تیرا ساتھ دوں گا۔ اپنی زبان سے

محمد بن شلغمانی

Marfat.com

اقرار کر کہ میں تیرا رب ہوں اور تو میرا بندہ۔ تو اقرار کر کہ میں ہمیشہ سے تھا اور ہمیشہ رہوں گا اور تو یہ بھی کہہ کہ میں ہی کل مخلوق کا رازق ہوں اور یہ بھی کہہ کہ میں ہی تمام ہوں یعنی کامل' ہر صفت سے موصوف' ہر عیب اور نقص سے مبرا' میری ذات لازوال ہے۔"

علامہ شلغمانی جو کچھ کہتا رہا۔ سابق وزیر اس کا اقرار کرتا رہا اور جب یہ عبد و معبود آپس میں گھل مل گئے تو معبود فرضی نے سابق وزیر پر اپنا اندیشہ ظاہر کیا۔ "اب جبکہ ہم لوگ ایک ہو چکے ہیں تو تجھ پر بھی یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ بغداد کے دوسرے نامی گرامی لوگوں کو میرے پاس لا اور ان سے اظہار معبودیت کرا۔"

حسن بن قاسم نے اپنے حلقہ احباب پر نظر ڈالی تو ان میں ایک بھی ایسا نہیں تھا جو اس جھوٹے خدا پر کسی پس و پیش کے بغیر ایمان لے آتا۔ شہر کا ایک بہت بڑا تاجر بسطام سابق وزیر کا گہرا دوست تھا۔ جب تک یہ وزیر رہا بسطام کو بڑے فائدے پہنچے لیکن وزارت سے معزولی کے بعد بسطام بھی زیرِ عتاب آگیا۔ وہ بوڑھا ہو چکا تھا اور اب اس کے لڑکے کاروبار کے مالک بن چکے تھے لیکن انہیں بھی نقصانات سے دوچار ہونا پڑ رہا تھا۔ حسن بن قاسم نے بسطام کے دونوں بیٹوں کو اس فرضی خدا سے ملوا دیا اور کہا "قصرِ خلافت کے جتنے زخم خوردہ ہیں میں اُن سب کو ایک ایک کر کے یہاں لے آؤں گا۔ یہ لوگ آپ کی ربوبیت کا اقرار اور اپنی عبودیت کا اظہار کریں گے۔ اس طرح بغداد کی چوتھائی آبادی آپ کے گرد جمع ہو جائے گی۔ اس کی تو آپ کو فکر ہی نہیں کرنی چاہیے کہ لوگ آپ کو خدا کہیں گے یا نہیں۔"

اب وہ تحریک جو پہلے واسط میں چل رہی تھی' بغداد میں بھی داخل ہو چکی تھی۔

اب شلغمانی نے مسئلہ حلولیت پر غور کیا تو اسے اپنی خدائی کے سلسلے میں عجیب و غریب عقیدہ وضع کرنا پڑا۔

لوگوں نے علامہ شلغمانی سے شکایت کی "بہت سے لوگ پوچھتے ہیں کہ یہ کیسا خدا ہے جو اچانک انسانی شکل میں ظاہر ہو گیا حالانکہ خدا صاحب اختیار ہے جو چاہتا ہے کر لیتا ہے وہ اس سے پہلے انسانی شکل میں کیوں نہیں ظاہر ہوا؟"

علامہ شلغمانی نے کہا "تم لوگوں کو بتاؤ کہ سب سے پہلے خدا نے حضرت آدمؑ میں حلول کیا تھا۔ آدمؑ کے بعد ان کے بیٹے حضرت شیثؑ میں حلول کر گیا اور ان کے بعد جتنے نبی پیدا ہوئے' خدا ان کے وجود میں موجود رہا۔ نبوت کا سلسلہ ختم ہوا تو اس نے اپنے وجود کے لیے اولیا اور ائمہ کی برگزیدہ ذات کو

محمد بن شلغمانی

Marfat.com

پسند کرلیا۔ یہاں تک کہ آخر میں وہ حضرت حسن بن علی عسکری کے وجود میں حلول کر گیا۔ یہ سلسلہ یہاں آکر ختم ہو گیا اور اب اس نے میرے بشری جسدِ خاکی کو اپنے لیے منتخب کیا اور وہ مجھ میں حلول کر گیا۔ اس لیے میں خدا کہلاتا ہوں۔"

یہ نیا عقیدہ ہر طرف موضوع گفتگو بن گیا۔ با اثر لوگوں نے خلیفہ کو غیرت دلائی "دیکھو' پہلے تو یہ کام شلغمان اور واسط میں ہو رہا تھا لیکن اب بغداد میں' خلافت عباسیہ کی ناک کے نیچے جاری ہے۔ اس فتنے کو طاقت سے روکا جائے۔ ورنہ کسی دن قصرِ خلافت بھی اس کی زد میں آجائے گا۔"

وزیر نے ایک بار پھر فرمانِ گرفتاری جاری کیا۔ لوگوں نے بتایا کہ شلغمانی شیطان سابق وزیر کی حویلی میں روپوش ہے۔ اگر اس کو حویلی سے برآمد کرلیا جائے تو کسی بہت بڑے خون خرابے کے بغیر یہ فتنہ ختم ہو جائے گا۔

دربار میں سابق وزیر کے ہمدرد اور بہی خواہ اب بھی موجود تھے۔ ان لوگوں نے سابق وزیر کو ہوشیار کر دیا کہ اگر علامہ شلغمانی حویلی میں روپوش ہے تو اسے وہاں سے ہٹا دیا جائے۔ عن قریب خلافت کی فوج حویلی کا محاصرہ کرے گی اور اندر سے شلغمانی کو برآمد کرلیا جائے گا۔

حسن بن قاسم نے اپنے فرضی خدا کو مطلع کیا "اب ان حالات میں خدا کی کیا مرضی ہے؟"

شلغمانی نے کہا "بغداد میں بہت سی حویلیاں ہیں' میں کسی میں بھی منتقل ہو جاؤں گا۔"

چنانچہ رات کے اندھیرے میں اس کو بسطام تاجر کی حویلی میں پہنچا دیا گیا اور یہ بالکل اتفاقی بات تھی کہ وہ جیسے ہی حویلی سے نکلا اس کے پیچھے شاہی فوج سابق وزیر کی حویلی کا محاصرہ کرنے پہنچ گئی۔ سابق وزیر نے احتجاج کیا "میں عزت دار آدمی ہوں۔ میری حویلی کا محاصرہ نہ کیا جائے۔ کیوں کہ حکومت کی اس کارروائی سے میری رسوائی ہوگی۔"

شاہی دستے نے کہا "اگر یہ بات ہے تو جھوٹے خدا کو ہمارے حوالے کر دیا جائے' ہم چلے جائیں گے۔"

سابق وزیر نے جواب دیا "شلغمانی میری حویلی میں نہیں ہے۔"

فوجی دستے نے اصرار کیا "ہماری اطلاع کے مطابق وہ اندر موجود ہے۔"

شاہی وزیر نے پورے اعتماد سے کہا "وہ اندر نہیں ہے اور ایسی جھوٹی خبر میرے کسی دشمن نے حکومت کو دی ہے۔"

شاہی دستے کے سردار نے ایک آدمی کو آگے بڑھایا اور سابق وزیر سے پوچھا "اس کو پہچانتے

محمد بن شلغمانی

Marfat.com

ہو؟"

سابق وزیر نے جواب دیا "خوب پہچانتا ہوں یہ میرے پاس کام کی تلاش میں آیا تھا' میں نے اسے بھگا دیا تھا یہ کاتب ہے۔"

لیکن شاہی دستے کا سردار بضد رہا "میں تیری کوئی بات نہیں مانوں گا۔ یہ اس حویلی میں رہ چکا ہے۔"

اب سابق وزیر آگے بڑھا اور کاتب کو دونوں شانوں سے پکڑ لیا۔ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا "بتا تجھے اس جھوٹ کے لیے کتنے درہم ملے ہیں؟"

کاتب سابق وزیر سے مرعوب تھا' آنکھیں نہیں ملا سکا۔ نظریں نیچی کر کے جواب دیا "میں جھوٹ نہیں بول رہا ہوں۔ میں نے اس حویلی میں کام کیا ہے۔ شلغمانی کے عقائد لکھ لکھ کر لوگوں میں تقسیم کرتا رہا ہوں۔"

شاہی دستے نے پوچھا "وزیرِ موصوف! کیا اس کے بعد بھی کسی اور ثبوت کی ضرورت ہے؟"

وزیر نے جواب دیا "جب میں اس ثبوت کو مانتا ہی نہیں اور مسلسل جھٹلائے چلا جا رہا ہوں تو بارِ ثبوت شاہی دستے پر واجب ہو جاتا ہے۔"

شاہی دستے نے کاتب کے ہاتھ کے لکھے ہوئے چند کاغذ پیش کیے اور کہا "یہ عقائد اسی حویلی میں بیٹھ کر کتابت کیے گئے ہیں اور یہ اسی کاتب کا خط ہے۔"

وزیر نے کہا "کیا ان کاغذوں پر لکھا ہے کہ یہ سب کچھ اسی حویلی میں بیٹھ کر لکھا گیا تھا؟"

اب کاتب اور شاہی دستہ دونوں ہی لاجواب ہو چکے تھے۔ شاہی دستے کے سردار نے اعلان کیا "میں یہ سب کچھ نہیں جانتا۔ اب میں اپنے اختیارات کو استعمال کروں گا اور وہ ناخوش گوار فریضہ انجام دوں گا جس سے وزیرِ محترم مانع آ رہے ہیں۔"

اب وزیر حویلی کی تلاشی دینے پر مجبور ہو گیا تھا۔ وہ پیچھے ہٹ گیا اور فوج سے کہا "تم لوگ حویلی کے چاروں طرف کھڑے ہو جاؤ۔ اگر خداوند شلغمانی اندر موجود ہیں تو کہیں فرار نہ ہو جائیں۔"

شاہی دستے نے حویلی کو محاصرے میں لے لیا اور اندر داخلے کی اجازت کا طلب گار ہوا۔

سابق وزیر اندر گیا اور عورتوں کو ایک طرف کر دیا۔ خواتین نے کہا کہ وہ شاہی دستے کی ناشائستگی کو ہرگز برداشت نہیں کریں گی۔

باہر فوجی دستے کے سردار اور کاتب میں تلخ کلامی ہو رہی تھی۔

محمد بن شلغمانی

Marfat.com

شاہی دستے کا سردار پر یقین اور مضبوط لہجے میں بتا رہا تھا "جب سابق وزیر یقین واثق سے یہ بتا رہا ہے کہ اس کی حویلی میں شلغمانی شیطان موجود نہیں ہے تو ہمیں اس پر یقین کر لینا چاہیے تھا۔ اب وہ تلاشی دے کر ہمیں اور ذلیل کر دے گا۔"

تلاشی کا عمل شروع ہوا اور حویلی کا کونا کونا چھان مارا گیا مگر شلغمانی برآمد نہیں ہوا۔

شاہی دستے نے اندیشہ ظاہر کیا "ہو سکتا ہے کہ وہ زنان خانے میں موجود ہو۔"

سابق وزیر نے مشورہ دیا "مگر وہاں کوئی مرد نہیں جا سکتا اس سلسلے میں کسی عورت کی خدمات حاصل کی جائیں۔"

شاہی دستے کے سردار نے پوچھا "اس حویلی میں تہ خانے کتنے ہیں؟"

سابق وزیر نے جواب دیا "تین اور آپ ان تینوں کی تلاشی لے سکتے ہیں۔"

اب شاہی دستے کے سردار کو یقین ہو چکا تھا کہ شلغمانی کہیں فرار ہو چکا ہے اور زنان خانے کی تلاشی لینے سے بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ سابق وزیر نے کچھ زیادہ ہی حسن اخلاق کا مظاہرہ کیا' اس نے شاہی دستے کے لیے کھانا پکوایا۔ جب یہ سب کھانے میں مشغول تھے تو غریب کاتب دور سے حسرت آمیز آنکھوں سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔

سابق وزیر خود چل کے کاتب کے پاس گیا اور پوچھا "تو کیوں یہاں کھڑا ہے۔ میرے ساتھ چل اور سب کے ساتھ کھانے میں شریک ہو جا۔" غریب کاتب بھی کھانے میں شریک ہو گیا۔

کھانے کے دوران میں سابق وزیر نے پوچھا "اب تو سچ سچ بتا دے کہ تجھ کو اس جھوٹ پر کس نے آمادہ کیا تھا؟"

کاتب نے پھر وہی جواب دیا "میں جھوٹا نہیں ہوں۔ میں آپ کا کھانا کھا رہا ہوں اور اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں کھانا کھانے کے بعد اپنے سابقہ بیان سے منحرف ہو جاؤں گا تو یہ غلط ہے۔ میں سچا آدمی ہوں۔ میں نے پہلے بھی سچ بولا تھا اور اب بھی سچ بول رہا ہوں۔"

سابق وزیر نے سپاہیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "کاتب تو بڑا ڈھیٹ نکلا۔ مسلسل جھوٹ بولے جا رہا ہے۔ میرا خیال تھا کہ دسترخوان پر بیٹھنے کے بعد سچ بولنے لگے گا۔"

کاتب کھانا چھوڑ کر کھڑا ہو گیا اور کہا "بس جناب بہت ہو گیا۔ اب میں مزید برداشت نہیں کر سکتا۔ وہ شلغمانی شیطان یہاں تھا' آپ نے اسے نکال دیا۔"

سابق وزیر کو بھی کاتب پر غصہ آیا' کہنے لگا "تو جھوٹا ہے' تجھے اس جھوٹ کی سزا بھی مل سکتی

Marfat.com

ہے۔"

کاتب نے ترکی بہ ترکی جواب دیا "میں جھوٹا نہیں ہوں۔ آپ خود شلغمانی کو خدا مان چکے ہیں اور شلغمانی شیطان اگر یہاں نہیں ہے تو بسطام تاجر کی حویلی میں موجود ہو گا۔ میرے پاس تو ان لوگوں کی فہرست موجود ہے جو اس جھوٹے خدا کا دین اختیار کر چکے ہیں۔"

کاتب نے سابق وزیر کی دکھتی رگوں پر ہاتھ رکھ دیا تھا' وہ گھبرا گیا اور پھر بھی حوصلے سے کام لیا اور کہا "اب تو اس فوجی دستے کو بسطام کے گھر لے جا تاکہ اس شریف تاجر کے گھر کی تلاشی لی جائے۔"

کاتب نے جواب دیا "اگر میرا بس چلے تو بہت ساری فوج بلوا کر بیک وقت سارے مشتبہ گھروں کی تلاشی لوں اور وزیر صاحب' آپ تو بے حد داناو فرزانہ سمجھے جاتے ہیں مگر آپ نے بھی اس شلغمانی شیطان کو اپنا خدا تسلیم کر لیا ہے۔ آپ کو یہ زیب نہیں دیتا۔"

سابق وزیر کسی بہانے سے اندر گیا اور اپنے غلام کو یہ سمجھا کے بسطام کے گھر روانہ کر دیا کہ ہوشیار! علامہ شلغمانی کو اپنی حویلی سے ہٹا دو کیوں کہ وہاں چھاپا پڑنے والا ہے۔ میں فوج کو باتوں میں لگائے ہوئے ہوں۔

جب یہ غلام بسطام کے گھر پہنچا اور اس کو سابق وزیر کا یہ پیغام ملا تو کھلبلی مچ گئی۔

حویلی کے قریب ہی ایک پڑاؤ تھا اور وہاں موصل جانے والا ایک قافلہ تیار تھا۔

بسطام نے علامہ شلغمانی کو مشورہ دیا "اب ہم سب کی بہتری اسی میں ہے کہ آپ بغداد چھوڑ دیں اور کچھ دنوں کے لیے موصل چلے جائیں ورنہ ان حالات میں اگر آپ گرفتار کر لیے گئے تو ہم سب کے لیے بڑی مشکل کھڑی ہو جائے گی۔"

علامہ شلغمانی نے غضب ناک لہجے میں کہا "اگر وزیر اور خلیفہ یہ چاہتے ہیں کہ مجھے گرفتار کریں اور سزا دیں تو ان کا یہ خواب کبھی پورا نہیں ہو گا۔ میں اَن دیکھی ہوا کی طرح یہاں سے نکل جاؤں گا مگر قاہر باللہ کی حکومت نہیں رہے گی۔"

اسی وقت اعرابی کے لباس میں علامہ شلغمانی کو پڑاؤ میں پہنچا دیا گیا۔ وہاں ایک قافلہ سفر کے لیے تیار تھا۔ علامہ شلغمانی کے پہنچتے ہی قافلہ چل دیا اور چند گھنٹوں میں بغداد کی حدود سے باہر نکل گیا۔

کچھ دیر بعد فوجیوں نے بسطام کی حویلی کو گھیر لیا اور عملی تلاشی شروع ہو گئی۔ جب اس حویلی سے بھی کچھ برآمد نہ ہوا تو شاہی دستے کو کاتب پر بہت غصہ آیا' کہا "تم نے ایک آدمی کو ذلیل و خوار کیا پھر دوسرے کو رسوا کیا۔ تیرے پاس ایسی ایک فہرست موجود ہے جس کی رو سے شہر کے دوسرے معزز

محمد بن شلغمانی

Marfat.com

لوگ بھی رسوا ہو سکتے ہیں۔ بتا مزید تلاشیاں لی جائیں یا نہیں؟"

کاتب نے جواب دیا "جناب آپ لوگ مانیں یا نہ مانیں۔ میں جھوٹا نہیں ہوں۔ میری اطلاعات بالکل درست ہیں۔"

دستے کے سردار نے ڈانٹتے ہوئے کہا "اگر تو سچا ہے اور تیری اطلاعات بھی درست ہیں تو مطلوبہ شخص کہیں سے برآمد کیوں نہیں ہوتا' وہ کہیں ملتا کیوں نہیں؟"

اب کاتب کے ایمان میں ضعف پیدا ہو چکا تھا' کہنے لگا "جناب! میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ وہ خود کو خدا کہتا ہے۔ ہو سکتا ہے اسے ایسا کوئی عمل آتا ہو جس سے وہ ہماری نظروں سے روپوش ہو جاتا ہو۔ ورنہ جس شخص کو میں نے بہت قریب سے دیکھا ہو' حویلی میں اس کی نگرانی اور سرپرستی میں کام کیا ہو' اس کی آواز سنی ہو' اس سے باتیں کی ہوں میں اس کے لیے اتنا بڑا جھوٹ کیوں بولوں گا۔ جناب' وہ صاحبِ کمال انسان ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ یہیں کہیں موجود ہو۔ ہمارے سامنے مگر ہماری نظروں سے پنہاں ہو۔ کیوں کہ اس میں کوئی ایسا وصف ضرور ہے جس نے ایک زمانے کو اس کا والہ و شیدا بنا دیا ہے۔"

فوجی دستہ واپس گیا مگر کاتب کو گرفتار کر لیا۔ اس نے شہر کے دو معزز آدمیوں کو رسوا کیا تھا۔ اسے وزیر کی خدمت میں پیش کیا گیا اور دستے کے سردار نے اپنی ناکامی کی داستان سنا دی۔

وزیر نے کاتب سے پوچھا "کیا تو نے شلمانی شیطان کو سابق وزیر کے گھر میں واقعی دیکھا تھا؟"

کاتب نے گڑگڑا کر عرض کیا "برب کعبہ' حضور والا' برب کعبہ۔ میں جھوٹا نہیں ہوں۔ وہ باکمال شخص ہے' اس نے اپنے کسی باطنی کمال سے خود کو روپوش کر لیا ہو گا۔ ورنہ آج وہ پکڑا جاتا۔"

وزیر نے کاتب کو چھوڑ دیا اور سابق وزیر حسن بن قاسم کو پیغام بھیجا "آپ کے ساتھ جو کچھ ہوا اس سے مجھے صدمہ پہنچا اور میں معذرت خواہی کے لیے خود حاضر ہونا چاہتا ہوں۔"

حسن بن قاسم نے جواب میں کہلوایا "آپ آنا چاہتے ہیں تو ضرور آئیں۔ میں آپ کا انتظار کروں گا۔"

وزیر' سابق وزیر حسین بن قاسم کی حویلی میں پہنچ گیا۔ جیسے ہی سابق وزیر کو معلوم ہوا کہ وزیر سلطنت عباسیہ اس کے دروازے تک آ چکا ہے' وہ استقبال کے لیے باہر نکلا اور دونوں ایک دوسرے کے گلے لگ گئے۔ وزیر نے سابق وزیر سے پوچھا "مجھے افسوس ہے کہ آپ کی حویلی کی تلاشی لی گئی مگر برآمد کچھ بھی نہ ہوا۔ اب آپ صرف یہ بتائیں کہ آپ اس شلمانی شیطان کو کب سے جانتے ہیں؟"

محمد بن شلغمانی

Marfat.com

سابق وزیر نے جواب دیا "آپ اس عالم و فاضل اور لائق و فائق انسان کو شلغمانی شیطان نہ کہیں۔ اس سے میرے جذبات مجروح ہوتے ہیں کیوں کہ میں اس کی لیاقت کا بے حد قائل ہوں۔"

وزیر نے پوچھا "کیا وہ خدائی اور ربوبیت کا دعوے دار ہے؟"

سابق وزیر نے جواب دیا "ہے اور اس کا یہ دعویٰ غلط نہیں ہے کیوں کہ وہ جو کچھ کہتا ہے' درست کہتا ہے۔"

وزیر حیران تھا کہ حسن بن قاسم جیسا لائق و فائق آدمی ایسے چکر میں کس طرح آگیا' کہنے لگا "تم پر اللہ رحم فرمائے۔"

سابق وزیر نے برجستہ کہا "اللہ آپ پر بھی رحم فرمائے اور خدا شناسی کی توفیق عطا فرمائے۔"

دونوں میں کچھ دیر تک نوک جھوک ہوتی رہی اور آخر کار دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو گئے لیکن نفرتوں سے دونوں کے سینے بھرے ہوئے تھے۔ برسر اقتدار وزیر کہہ رہا تھا "میں اس شلغمانی شیطان کو سولی دے کر رہوں گا۔"

سابق وزیر نے کہا "اللہ تجھ کو سولی سے بچائے' ہو سکتا ہے تو سولی پر چڑھ جائے۔"

یہ عجیب پر آشوب زمانہ تھا کہ خلافت عباسیہ خدائی کے ایک دعوے دار کو گرفتار کرنے سے قاصر تھی۔

○✶○

علامہ شلغمانی موصل پہنچا وہاں پر بھی اس کے پرستار موجود تھے اور یہ زیادہ تر وہی لوگ تھے جنہیں خلافتِ عباسیہ سے شکایات تھیں یا ان کے ساتھ وعدہ خلافیاں ہوئی تھیں اور ان پر زیادتیاں کی گئی تھیں۔ یہاں بھی اس نے ایک تاجر کے گھر میں قیام کیا۔ اس کے پیروکار اس کے لیے خاموشی سے کام کر رہے تھے۔ شلغمان اور بغداد سے لوگ پہنچنے شروع ہو گئے مگر یہ سب حکومت سے ڈرے ہوئے تھے۔

حکومت نے کچھ اپنے آدمی بھی مخبر کی حیثیت سے ان کی طرف بھیج دیے لیکن یہ کام خلافتِ عباسیہ اور اس کے وزیر کا نہیں تھا بلکہ یہ تدبیر موصل کے حکمران نے اختیار کی تھی۔ اس کے کئی آدمی مبلغ بن کے اس کی جماعت میں شامل ہو گئے۔ علامہ شلغمانی اب مقامی کاتبوں پر بھروسا نہیں کر سکتا تھا۔ کاتب شلغمان سے طلب کیے گئے اور یہاں بھی وہی کاروبار جاری ہو گیا۔

مخبروں نے موصل کے حکمران کو خبریں پہنچانی شروع کر دیں لیکن یہاں بھی کئی مخبر دھوکا دے

Marfat.com

گئے۔ وہ علامہ شلغمانی کے کرشموں پر مرمٹے اور حاکم موصل کو جھوٹی خبریں دینے لگے۔ وہ علامہ شلغمانی کی دین داری کے واقعات اتنی مبالغہ آمیزی سے بیان کرتے کہ حاکم موصل بھی مغالطے کا شکار ہو گیا اور سوچنے لگا' کہیں یہ سچا انسان نہ ہو اور ہم لاعلمی اور نادانستگی میں اس اللہ کے نیک بندے کے خلاف کوئی زیادتی کر دیں اور اللہ ہم سے ناراض ہو جائے چنانچہ یہی کچھ سوچ کر وہ علامہ شلغمانی سے ملاقات کرنے کے منصوبے بنانے لگا۔

اسی دوران میں بغداد سے فرمان جاری کیا گیا کہ اس شیطان کو جو شلغمانی کہلاتا ہے اور بغداد سے فرار ہو کے موصل پہنچا ہے' گرفتار کر کے بغداد روانہ کر دیا جائے۔ حاکم نے یہ حکم نامہ پڑھا اور اس حکم نامے کے ساتھ جھوٹے مدعی ربوبیت کے پاس پہنچا اور شاہی فرمان اس کے سامنے رکھ دیا' پوچھا "بتایئے اب میں کیا کروں؟"

علامہ شلغمانی نے جواب دیا "تو اس فرمان کو پھاڑ کر پھینک دے' جو ہو گا بہتر ہو گا۔"

پھر یہ فرمان خود لے لیا اور اسے اپنے باورچی کے حوالے کر کے کہا "تو اسے نذرِ آتش کر دے کیوں کہ اسے کسی اور کے ہاتھ میں نہیں پہنچنا چاہیے۔" باورچی شاہی فرمان لے گیا اور اسے آگ میں ڈال دیا۔

اب علامہ شلغمانی نے حاکم شہر سے پوچھا "ایک مسئلہ تو حل ہوا۔ اب بقیہ مسائل بھی حل ہو جائیں گے۔ قاہر باللہ سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ میں جب چاہوں گا قاہر باللہ مارا جائے گا اور جب قاہر باللہ نہیں ہو گا تو وزیر بھی نہیں ہو گا۔"

حاکم نے کانپتے ہوئے پوچھا "حضور والا کے پاس فرشتے بھی ہوں گے؟"

علامہ شلغمانی نے جواب دیا "میرے ساتھی ہی فرشتے ہیں۔"

حاکم شہر نے وضاحت چاہی "قبلہ و کعبہ! یہ تو بتائیں کہ اگر ہمیں خلافتِ عباسیہ سے ٹکر لینی پڑی تو ہماری مدد پر فرشتے آئیں گے یا نہیں؟"

علامہ شلغمانی نے جواب دیا "فرشتے تو ہر نیک آدمی کے ساتھ ہوتے ہیں مگر میں تو خود خدا ہوں۔ میں چاہوں تو فرشتوں کو طلب کر لوں مگر میں ایسا نہیں چاہتا۔ کیونکہ جب میری خدمت کے لیے' میرے دین کی اشاعت کے لیے' انسان موجود ہیں تو پھر فرشتوں کا کیا کام۔ میں فرشتوں میں بھی اپنے اس دین کی تبلیغ و اشاعت کرنے والا ہوں اور جب ان میں یہ دین جاری و نافذ ہو جائے گا تو پھر دنیا بھر میں میرے پرستاروں کو میری ضرورت باقی نہیں رہے گا۔ فرشتے خود بخود ان کے پاس مدد کے لیے پہنچ

محمد بن شلغمانی

Marfat.com

جایا کریں گے۔"

حاکمِ شہر نے درخواست کی "حضرت! جب تک آپ کا دین اور آپ کا کام پایہ تکمیل کو نہ پہنچے' آپ کسی ایک شہر میں نہ رہیں۔ مقامات بدلتے رہیں۔ کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ انسانی شیطان کہیں آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچا دیں۔ بس میں اسی سے خوفزدہ رہتا ہوں۔"

علامہ شلغمانی ہنسنے لگا اور کہا "انسان مجھ کو نقصان پہنچانے پر قادر نہیں۔ بلکہ میں زمین کے جس حصے کو چاہوں اسے الٹ دوں۔ یہ دریا جو بہتے نظر آتے ہیں یہ زمین کے الٹنے سے پیدا کیے گئے ہیں اور ان سے یہ پتا چلتا ہے کہ انسانوں کو پہلے بھی ان کی نافرمانی کی سزا دی گئی تھی۔"

حاکم موصل خلافت بغداد سے خوف زدہ تھا۔ یہاں تک کہ کبھی کبھی اس کے دماغ میں آتا تھا کہ وہ خود ہی علامہ شلغمانی کو گرفتار کروا دے اور یہ دیکھے کہ وہ ہمارا رب ہے بھی یا نہیں اور یہ کہ فرشتے اس کی مدد کو آتے ہیں یا نہیں۔ اس طرح کھرے کھوٹے کا علم ہو جائے گا۔ حاکم شہر کے دماغ میں ہلچل مچی ہوئی تھی کہ بغداد سے دوسرا فرمان آگیا۔ "شلغمانی شیطان جہاں بھی ہو اسے گرفتار کر کے بغداد بھیج دیا جائے اور خود کو خلافت سے کسی بڑے منصب کا حق دار ثابت کیا جائے۔"

حاکمِ موصل نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ اب اس شخص سے ہاتھ کھینچ لیا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ وہ ہمارے عزائم سے باخبر ہوتا ہے یا نہیں۔ وہ اپنے بچاؤ کے لیے کچھ کرتا ہے یا نہیں' فرشتے اس کی مدد کو آتے ہیں یا نہیں؟

اس نے پھر مخبروں سے علامہ شلغمانی کے بارے میں معلوم کر لیا "اب تک اس شخص کے کتنے پیروکار بن چکے ہیں اور یہ بتایا جائے کہ اگر خلافتِ عباسیہ کی طرف سے فوج کشی ہو تو اس میں کتنی طاقت مزاحمت اور قوت مدافعت پائی جاتی ہے؟"

اعداد و شمار جمع کرنے کے بعد اندازہ ہوا کہ اس کے لاکھوں پرستار ہیں لیکن ان میں اتنی جرات نہیں ہے کہ وہ فوج کا مقابلہ کر سکیں اور ان میں اتنی ہمت بھی نہیں ہے کہ برملا اپنے عقائد کا اقرار و اظہار کریں۔"

حاکم موصل اطمینانِ قلب کے لیے ایک بار پھر علامہ شلغمانی کے پاس گیا اور عرض کیا "کیا بات ہے کہ میں ہمیشہ تردد کا شکار رہتا ہوں۔ دل میں طرح طرح کے وسوسے پیدا ہوتے ہیں۔ نئے نئے سوالات ابھرتے ہیں اور جب ان کے جوابات نہیں ملتے تو پریشان ہو کر آپ کے پاس آجاتا ہوں۔"

شلغمانی نے پوچھا "مثلاً وہ کون سے سوالات ہیں جو تجھ کو پریشان کرتے ہیں؟"

محمد بن شلغمانی

Marfat.com

حاکم شہر نے جواب دیا "آپ کے لاکھوں پرستار پائے جاتے ہیں مگر ان میں جرات و ہمت مفقود ہے۔ اگر آج آپ کے خلاف فوجی کارروائی شروع کر دی جائے تو آپ کے پرستار جو دل سے آپ کی ربوبیت کے قائل ہیں وہ آپ کے لیے شاہی فوج سے نہیں لڑیں گے' آخر کیوں؟"

شلغمانی نے جواب دیا "میں اپنے مریدوں اور پرستاروں کو جنگ میں الجھانا پسند نہیں کرتا۔ اس کے علاوہ میں صرف اقرار باللسان کا قائل نہیں ہوں۔ بلکہ اقرار بالقلب پر یقین رکھتا ہوں اور میرے سارے پرستار میرے اس معیار پر پورے اتریں گے۔ وہ سچے عاشق کی طرح مجھے اپنے دلوں میں رکھتے ہیں۔ میں ان کی اس بات سے ہمیشہ بہت خوش رہتا ہوں۔ یہ لوگ میرے لیے اپنا سر تو نہیں کٹائیں گے لیکن شور نہیں کریں گے' واویلا نہیں مچائیں گے۔"

موصل میں جو کچھ ہو رہا تھا اس کی خبریں بغداد بھی پہنچ رہی تھیں۔ لائق وزیر اعظم نے یہ فیصلہ کیا کہ پہلے علامہ شلغمانی کے خلاف مواد اکٹھا کرنا ضروری ہے کیوں کہ اگر شلغمانی کو گرفتار کر لیا جائے اور اس پر مقدمہ چلایا جائے تو اس کے خلاف ٹھوس ثبوت تو ہونے چاہئیں۔ یہ ٹھوس ثبوت شلغمانی کی تصانیف فراہم کر سکتی تھیں اور شلغمانی کے وہ مرید اور پرستار مہیا کر سکتے تھے جو خود کو عبد اور شلغمانی کو اپنا خدا اور رب الارباب کہتے تھے۔ ان دونوں ثبوتوں کے لیے چند شدید مذہبی جاں نثاروں کو متعین کر کے ان کے سپرد یہ کام کیا گیا کہ وہ پہلے شلغمانی کی تصانیف حاصل کریں۔ اس کے بعد شلغمانی کے خاص خاص پرستاروں کی فہرست تیار کریں اور ان میں سے چند ایسے پرستاروں کو خاموشی سے گرفتار کر لیا جائے جو اپنے جھوٹے رب علامہ شلغمانی کی پرستش کرتے ہوں اور اس پر جانیں قربان کر دینے کا حوصلہ رکھتے ہوں۔

چند ہفتوں کی جدوجہد کے بعد ان لوگوں نے شلغمانی کے مشرکانہ' ملحدانہ اصول اور عقائد پر کافی مواد جمع کر لیا۔ ان میں شلغمانی کی تصانیف بھی شامل تھیں۔ جن لوگوں کے نام اس کے پرستاروں میں سرِفہرست تھے ان میں تین نام بڑے اہم تھے۔

پہلا نام حسن بن قاسم کا تھا جو خلافتِ عباسیہ میں وزارتِ عظمیٰ پر فائز رہ چکا تھا' اس شخص کو علامہ شلغمانی کے نائب کی حیثیت بھی حاصل تھی۔ دوسرا نام ابن ابی عون کا تھا۔ یہ مصنف بھی تھا۔ اس کی کتابوں کی فہرست طویل تھی اور اس نے اپنی تحریروں سے علامہ شلغمانی کی بڑی مدد کی تھی اور اس پر شلغمانی کو بڑا ناز تھا۔ تیسرا نام ابن عبدوس کا تھا۔ یہ شخص شلغمانی کا سب سے بڑا پرستار کہلاتا تھا۔

ان تینوں کے وہ خطوط بھی حاصل کیے گئے جو شیطان شلغمانی کو لکھے گئے تھے۔ ان خطوں میں

محمد بن شلغمانی

Marfat.com

شلغمانی کو اللہ 'خدا' الرحمٰن 'الرحیم اور رب الارباب کہہ کر مخاطب کیا گیا تھا۔ یہ خطوط بہت اہم تھے اور انہیں شیطان شلغمانی کے خلاف ثبوت کے طور پر استعمال کیا جا سکتا تھا۔

وزیر اعظم نے علماؑ کی مدد سے شلغمانی کے دین کے اصول اور عقائد ایک جگہ جمع کیے۔

اس کے دین کا پہلا اصول تھا کہ شلعمانی ہی اللہ الٰہیات ہے جو حق کو ثابت کرتا ہے۔ وہی ہے جس کی جانب الفاظ اول 'قدیم' ظاہر اور باطن سے اشارہ کیا جاتا ہے۔

ذات باری تعالیٰ کے متعلق ان کا اعتقاد تھا کہ وہ ہر چیز میں اس کے ظرف و تحمل کے مطابق حلول کرتا ہے اور جب وہ کسی پیکر ناسوتی میں داخل ہوتا ہے تو اس سے ایسی قدرت اور معجزات ظاہر ہوتے ہیں جن سے اس کے خدا ہونے پر دلائل ثابتہ ملتے ہیں۔

دوسرا مسئلہ یہ تھا کہ اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک ضد اس لیے رکھی ہے کہ وہ اس سے ثابت ہو جائے وہ ضد کو ہر حق کی دلیل کہتا تھا وہ یہ بھی کہتا تھا کہ دلیل حق خود حق سے افضل و برتر ہوتی ہے۔ ہر چیز کے ساتھ جو چیزیں موافق و مشابہ ہوتی ہیں ان کے مقابلے میں اس چیز کی ضد اس سے زیادہ قریب ہوتی ہے۔

وہ کہتا تھا کہ جب رب العالمین نے ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق فرمائی تو ان میں خود حلول کر گیا اس طرح آدم کی ضد ابلیس کی تخلیق ہوئی تو اس ضد میں بھی خود ہی حلول کر گیا۔ گو بظاہر یہ دونوں وجود الگ الگ ہیں اور متضاد نظر آتے ہیں مگر دراصل ان دونوں پیکروں میں اللہ خود موجود ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کے بعد اللہ پانچ متفرق اور منتشر ناسوتیوں میں الگ الگ ظاہر ہوا اور اسی طرح ابلیس بھی پانچ ابلیسوں سے ظاہر ہوا۔

اب لاہوتیت حضرت ادریس علیہ السلام کے جسم میں حلول کر گئی۔ اس عہد میں جس شخص نے حضرت ادریسؑ کی سب سے زیادہ مخالفت کی 'اس میں ابلیس حلول کیے ہوئے تھا۔

پھر یہی عمل حضرت نوح علیہ السلام میں جاری و ساری ہوا۔ ان کے بعد حضرت ہودؑ اور ان کے بعد حضرت صالحؑ میں خدا حلول کر گیا۔ حضرت صالحؑ کے عہد میں عاقرنا قرنامی شخص میں ابلیسیت حلول کر گئی۔

حضرت ہارونؑ میں اللہ حلول کر گیا تو دوسری طرف فرعون نامی ابلیس میں یہی روحِ حق حلول کر گئی۔

حضرت داؤد علیہ السلام میں خدا موجود تھا تو دوسری طرف جالوت نامی ابلیس میں بھی خدا موجود

Marfat.com

تھا۔ یہی خدا حضرت سلیمانؑ میں منتقل ہو گیا اور ان کے مخالفین میں بھی جو ان کے ابلیس تھے' خدا ان میں بھی موجود تھا۔

حضرت سلیمانؑ کے بعد خدا حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں حلول کر گیا اور عیسیٰؑ روح اللہ کہلائے۔ چونکہ حضرت عیسیٰؑ کی مخالفت تقریباً پوری قوم یہود نے کی تھی اس لیے اس عہد کے یہ سبھی لوگ ابلیس تھے اور ان سب میں خدا حلول کیے ہوئے تھا۔

حضرت عیسیٰؑ کے بعد اللہ کی روح ان کے حواریوں میں تقسیم ہو گئی۔

حواریوں کے عہد کے بعد اللہ حضرت علیؓ میں حلول کر گیا اور جن لوگوں نے حضرت علیؓ کے عہد میں ان کی مخالفت کی وہ اس عہد کے ابلیس ہیں اور ان میں بھی اللہ موجود تھا۔

اللہ کی روح اسی طرح منتقل ہوتی اور سفر کرتی ہوئی عہدِ شلغمانی میں داخل ہو گئی۔ اب اللہ محمد بن علی شلغمانی میں حلول کر چکا ہے اور جو لوگ شلغمانی کی مخالفت کر رہے ہیں وہ اس عہد کے ابلیس ہیں۔

اس کا عقیدہ تھا کہ خدا دراصل ایک معنی کا نام ہے اور جو لوگ جس کسی کے محتاج ہوں گے وہی اس کا خدا ہے۔ وہ کہتا تھا کہ جس سے کسی کو فائدہ پہنچے وہ اس کا رب ہے۔ نفع پہنچانے والا کہہ سکتا تھا کہ میں فلاں شخص کا رب ہوں۔

اس عجیب و غریب سلسلے میں ایک خود کو رب کہتا ہے اور دوسرا کہتا ہے فلاں شخص میرا رب ہے۔ گویا ہر شخص کسی نہ کسی کا رب ہے اور یہ سلسلہ ربوبیت جب عہد شلغمانی میں داخل ہوا تو محمد بن علی شلغمانی کو رب الارباب قرار دیا گیا۔

اس نے توبہ نعوذ باللہ حضرت موسیٰؑ کلیم اللہ اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خائن بتایا۔ اس کا عقیدہ تھا کہ دراصل ہارونؑ نبی تھے۔ انہوں نے حضرت موسیٰؑ کو لوگوں کی طرف بھیجا تھا کہ ہماری شریعت کی دعوت دو مگر موسیٰؑ نے خیانت کی اور لوگوں کو اپنی طرف بلانے لگے۔

اسی طرح علیؓ نے جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں کی طرف بھیجا کہ ہماری شریعت کی دعوت دو مگر یہاں بھی خیانت ہوئی اور لوگوں کو غرض مفوض کی طرف بلانے کی جگہ اپنی دعوت دینی شروع کر دی۔

شلغمانی یہ بھی کہتا تھا کہ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ حضرت علیؓ کے فرزند نہیں تھے کیونکہ اس کے اعتقاد کی رو سے حضرت علیؓ الہ العالمین تھے اور اللہ کا نہ کوئی باپ ہوتا ہے اور نہ کوئی بیٹا۔ وہ تو خدا ہے یعنی خود آنے والا اور خدا کی شان ہے لم یلد ولم یولد۔

محمد بن شلغمانی

Marfat.com

جنت و دوزخ کے بارے میں اس کی تعلیم تھی کہ ان کا کوئی وجود نہیں ہے۔ وہ کہتا تھا جنت میرے دین کی معرفت کو کہتے ہیں اور دوزخ میرے دین سے انکار نے اور میرے دین کے اصول سے جاہل رہنے کا نام ہے۔

جب اس سے فرشتوں کے بارے میں پوچھا گیا کہ یہ فرشتے کیا ہوتے ہیں تو اس نے کہا ہر وہ شخص جو عارفِ حق ہو اور اپنے نفس پر قابو رکھتا ہو' فرشتہ ہے۔ وہ یہ بھی کہتا تھا کہ جو شخص اللہ کے کسی دوست کی مخالفت کرے اور اس سے مقابلہ کرتا رہے وہ ماجور ہے کیوں کہ ولی کے فضائل کا اظہار اس کے بغیر سرعت پذیر نہیں ہو سکتا۔ وہ اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہتا تھا کہ جب کسی ولی یا نبی پر اس کا کوئی دشمن لعن طعن کرتا ہے اور ان کو ہدف اعتراضات بناتا ہے تو لوگ ان اعتراضوں کو سن کر ولی یا نبی کے حالات کی جستجو کرتے ہیں اس وقت ان پر ولی اور نبی کے فضائل اور کمالات ظاہر ہوتے ہیں۔ اس طرح ثابت ہوا کہ ولی اور نبی کا دشمن' ولی اور نبی کے فضائل اور کمالات تک پہنچنے کا ذریعہ بن گیا اس لیے دشمن ولی اور نبی سے افضل ہے۔

اس کے دوسرے عقائد ملاحظہ فرمائیں۔ وہ کہتا تھا حضرت علیؓ نے جناب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول بنا کر کبرائے قریش اور اہل عرب کے پاس بھیجا۔ ان کے دلوں میں کجی تھی۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ رکوع و سجود کریں اور نماز پڑھیں۔

حضرت علیؓ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اصحابِ کہف کی مدتِ خواب یعنی ساڑھے تین سو سال تک مہلت دے دی اور کہا کہ اتنے زمانے تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت پر عمل کیا جائے لیکن اس مدت کے ختم ہوتے ہی ان کی شریعت مسترد ہو جائے گی اور اس کی جگہ نئی شریعت وجود میں آئے گی۔

یہ تین سو بیس ہجری کی باتیں ہیں۔ گویا ابھی تیس سال شریعت محمدیؐ کے باقی تھے اور شلغمانی نئی شریعت کے نفاذ کی تیاریاں کر رہا تھا۔

اس کے مذہبی احکام تھے کہ غسل جنابت جائز نہیں۔ نماز' روزے کی پابندی ختم کی جاتی ہے' انہیں ترک کر دیا جائے یہ تکلیف محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے عربوں کو دورِ جاہلیت میں دی تھی لیکن عہدِ حاضر میں اس کی قطعاً ضرورت نہیں۔

وہ کہتا تھا کہ عورتیں مطلقاً ہر شخص کے لیے حلال و طیب ہیں۔ اللہ نے انسان کو دو لذتوں سے نوازا ہے۔ ایک لذت وہ ہے جس کا تعلق زبان سے ہے۔ دوسری لذت وہ ہے جس کا تعلق عورت سے

محمد بن شلغمانی

Marfat.com

ہے۔

وہ یہ بھی کہتا تھا "میرے وہ پیرو جو اہل حق ہیں اور اپنے بھائیوں میں افضل ہیں تو اپنے سے کم درجے والے بھائیوں کی عورتوں سے اللہ کے نام پر اللہ کے لیے صحبت اور مقاربت کریں تاکہ ان میں ان کا اپنا نور داخل ہو جائے اور جو کوئی ایسا نہیں کرے گا اور ایسا کرنے سے انکار کرے گا وہ اپنی آئندہ زندگی میں عورت کے پیکر میں پیدا ہو گا۔

اس نے فعلِ خلاف وضع فطری کو جائز قرار دیا۔ اس نے اس شرم ناک موضوع پر ایک کتاب بھی لکھی تھی جس کا نام کتاب الحماسہ السادسہ تھا۔ شلغمانی کے نزدیک عباسیوں کا قتل موجب ثواب تھا۔

جب یہ تمام ثبوت مہیا ہو گئے اور وزیر کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ ان ٹھوس ثبوتوں کی موجودگی میں شلغمانی خود کو قتل ہونے سے بچا نہیں سکتا تو اس کی تلاش اور گرفتاری پر توجہ دی گئی۔

ابھی یہ کوششیں جاری تھیں کہ قاہر باللہ کا انتقال ہو گیا اور اس کی جگہ الراضی باللہ خلیفہ بنا۔ اس نے ابن مقلہ کو اپنا وزیر بنایا۔

اب تین سو بائیس ہجری کا آغاز ہو چکا تھا گویا شلغمانی کے اعتبار سے شریعت محمدی اٹھائیس سال کی مہمان تھی۔

وزیر نے نئے خلیفہ کو شلغمانی کے فتنے سے آگاہ کیا اور اس کے سامنے وہ سارا مواد رکھ دیا جو سابق وزیر نے اکٹھا کیا تھا۔

الراضی اس مواد کو پڑھتے ہی غضب ناک ہو گیا اور وزیر سے پوچھا "اس ناہنجار کو اب تک گرفتار کیوں نہیں کیا گیا؟"

وزیر ابن مقلہ نے جواب دیا "سابق خلیفہ اور سابق وزیر نے اس کو گرفتار کرنا چاہا تھا مگر کوششیں بار آور ثابت نہ ہوئیں اور یہ مردود اپنی مساعی میں مشغول رہا۔"

خلیفہ نے پوچھا "مجھے بتایا جائے کہ یہ شخص کب تک گرفتار کر لیا جائے گا؟"

وزیر نے جواب دیا "حکومت کی پوری پوری کوشش یہ ہے کہ اسے جلد از جلد گرفتار کر لیا جائے۔ اس لیے امید ہے کہ یہ شخص ہفتے عشرے میں گرفتار کر لیا جائے گا۔"

خلیفہ کی پیشانی پر شکنیں نمودار ہو چکی تھیں، پوچھا "اگر اس پراسرار شخص کو اب تک نہیں گرفتار کیا جا سکا تھا تو اب اسے لمحہ بھر کی تاخیر کے بغیر پکڑا جائے اور اس سے بھی پہلے اس کے تین

Marfat.com

نامور پرستاروں کو قید کر دیا جائے یعنی حسن بن قاسم' ابن ابی عون اور ابن عبدوس کو۔ ان پر وقت ضائع کیے بغیر مقدمہ چلایا جائے اور انہیں شلغمانی کے خلاف بطور گواہ استعمال کیا جائے۔"

شلغمانی کہتا پھر رہا تھا "قاہر باللہ کو میں نے ٹھکانے لگا دیا اور اب میں الراضی باللہ کا کام تمام کروں گا۔"

موصل کا حاکم بہت پریشان تھا۔ وزیر نے اس پر واضح کر دیا تھا کہ اگر مجرم موصل میں موجود ہے اور حاکمِ شہر اس کو گرفتار نہیں کرتا تو کوتاہی اور غفلت کے جرم میں حاکمِ موصل کو گرفتار کر لیا جائے گا۔ خلیفہ کی طرف سے وزیر پر دباؤ ڈالا گیا جب تک شلغمانی گرفتار نہیں ہوتا' اس سے پہلے حسن بن قاسم' ابن ابی عون اور ابن عبدوس ہی کو گرفتار کر لیا جائے۔

وزیر نے خلیفہ کو آگاہ کیا "امیر المومنین! میں ان تینوں کو شیطان شلغمانی کے ساتھ ہی گرفتار کرنا چاہتا ہوں کیوں کہ ان تینوں کی پیشگی گرفتاری سے شیطان شلغمانی ہوشیار ہو جائے گا اور کہیں روپوش ہو جائے گا۔ ہم اسے لاعلم رکھ کے گرفتار کرنا چاہتے ہیں۔"

دوسری طرف حاکمِ موصل شلغمانی کو تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ وہ معلوم نہیں کہاں چھپ گیا تھا۔ اس کے پیرو یہ کہتے پھر رہے تھے "ہمارا رب الارباب ہمارے سامنے ہے مگر ہمیں نظر نہیں آتا۔"

حاکمِ موصل نے شلغمانی کے پیروؤں سے کہا "مجھے ایک بار اپنے رب الارب سے ملوا دو' میں یقین دلاتا ہوں کہ اس روز جب میری اس سے ملاقات ہو گی' میں اس کو گرفتار نہیں کروں گا۔"

جب یہ بات شلغمانی تک پہنچی تو اس نے کہا "میں رب الارباب ہوں۔ میں عالم الغیب ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ حاکمِ موصل کی نیت میری طرف سے صاف نہیں ہے۔ وہ مجھے گرفتار کرنا چاہتا ہے لیکن میں نے حاکمِ موصل کی گرفتاری کا فرمان جاری کر دیا ہے۔ وہ عنقریب پکڑا جائے گا۔"

جب شلغمانی کسی طرح حاکمِ موصل کے ہاتھ نہ آیا تو اس نے پورے شہر کی ناکہ بندی کر دی اور ہر گھر کی تلاشی کا حکم جاری کیا۔

لیکن اس سے پہلے ہی شلغمانی نے موصل کو چھوڑ دیا اور بغداد روانہ ہو گیا۔ یہ عجیب بات تھی کہ اس وقت بغداد ہی اس کے لیے سب سے خطرناک جگہ تھی مگر گیدڑ شہر کی طرف بھاگ رہا تھا یہاں موت اس کا انتظار کر رہی تھی۔

موصل سے جو خبریں بغداد پہنچ رہی تھیں ان سے وزیر ابن مقلہ نے یہ اندازہ کر لیا تھا کہ ان حالات میں شلغمانی شیطان موصل میں نہیں رہ سکتا۔ وہ وہاں سے نکل کر یا تو کوفہ جائے گا یا بصرہ یا واسط

Marfat.com

میں۔بغداد میں داخل ہونے کا کم سے کم امکان پایا جاتا تھا۔

لائق وزیر نے ان چاروں شہروں کی ناکہ بندی کردی تھی اور باہر سے آنے والوں پر خاص نظر رکھی جارہی تھی' ان نگرانی کرنے والوں کو شلغمانی کے حلیے سے آگاہ کردیا گیا تھا۔

اس بار شیطان شلغمانی نے ایک غریب شتربان کے حلیے میں بغداد کا سفر کیا۔ جب وہ بغداد کے غربی دروازے میں داخل ہوا تو اس کی نگرانی کرنے والوں نے اس غیر معمولی ساربان کو شہر میں داخل ہونے کے بعد روک لیا اور اس سے پوچھا "تو کہاں کا رہنے والا ہے اور یہاں کس کے پاس جائے گا؟"

شلغمانی نے اپنے چہرے کو عمامے سے چھپا رکھا تھا' جواب دیا "میں اونٹوں کا تاجر ہوں اور بصرہ جا رہا ہوں۔ بغداد میں دو دن ٹھہروں گا کیوں کہ یہاں میرا کوئی جاننے والا نہیں ہے اس لیے سرائے سے بہتر کوئی اور جگہ نہیں ہو سکتی۔" نگرانی کرنے والوں کو پہلے جو شبہ ہوا تھا اب وہ یقین میں بدلتا جا رہا تھا۔ ان لوگوں نے بظاہر اس پر کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ بے پروائی سے چھوڑ دیا اور ہنستے ہوئے مذاق میں کہا "ان دنوں بغداد میں اونٹ کے چور آئے ہوئے ہیں اس لیے سرائے میں اونٹ کی طرف سے ہوشیار رہنا۔"

شلغمانی نے جواب دیا "میری موجودگی میں کون ہے جو میرا اونٹ لے جائے۔ میں شاہوں اور چوروں سے یکساں آگاہ ہوں۔"

اس متکبرانہ جملے نے نگرانی کرنے والوں کو چوکنا کردیا۔ بظاہر ان لوگوں نے شلغمانی کو جانے دیا مگر انہیں یقین تھا کہ یہ شخص سرائے نہیں جائے گا اگر یہ ساربان ہے تو یہ سرائے پہنچے گا اور اگر یہ شلغمانی ہے تو اپنے کسی مرید' کسی عقیدت مند یا کسی پرستار کے گھر میں قیام کرے گا اور ان پرستاروں میں چار آدمیوں کے نام لیے جا سکتے تھے۔ پہلا نام حسن بن قاسم کا تھا' دوسرا بسطام تاجر کا' تیسرا ابن ابی عون اور چوتھا ابن عبدوس کا۔

چنانچہ چاروں گھروں پر نہایت عجلت میں خفیہ پہرے بٹھا دیے گئے اور انہیں حکم دیا گیا کہ جیسے ہی یہ شخص کسی بھی حویلی میں پہنچے اسے گرفتار کرلیا جائے۔ اس کے ساتھ ہی صاحبِ خانہ کو بھی پکڑ لیا جائے اور گرفتار کرنے والوں کو یہ فرض بھی سونپا گیا کہ اس گرفتاری سے بقیہ تین حویلیوں کی نگرانی کرنے والوں کو آگاہ کردیا جائے اور تینوں صاحبان خانہ کو بھی گرفتار کرلیا جائے۔

شلغمانی سب سے پہلے حسن بن قاسم کے گھر گیا تو اسے بتایا گیا کہ حسن رقہ گیا ہوا ہے۔

حسن بن قاسم کے آدمی شلغمان کو پہچان نہیں سکے اور وہ واقعی اسے ایک معمولی ساربان سمجھے۔

محمد بن شلغمانی

Marfat.com

اب شلغمانی کا دوسرا مقصود تاجر بسطام تھا۔ وہاں پہنچا تو دربانوں نے بتایا "بسطام اپنے دونوں بیٹوں کے ساتھ اشیائے تجارت لے کر شام گیا ہے۔"

یہاں بھی لوگ شلغمانی کو نہیں پہچان سکے کیوں کہ اس کا چہرہ عمامے میں چھپا ہوا تھا۔

اب شلغمانی نے ابن ابی عون کے گھر کا رخ کیا کیوں کہ ابن ابی عون اس کا بہت بڑا پرستار تھا اور بہت بڑا مصنف بھی۔ اس وقت وہ گھر پر موجود تھا۔ چنانچہ ابن ابی عون کو خبر دی گئی کہ کوئی ساربان اس سے ملاقات کرنے آیا ہے۔

ابن ابی عون نکل کر باہر آیا اور پوچھا "مجھ سے کیا کام ہے؟"

شلغمانی نے جواب دیا "میں موصل سے آیا ہوں اور اپنا یہ اونٹ تیرے ہاتھ بیچنا چاہتا ہوں۔"

یہ کہتے ہوئے اس نے اپنے چہرے سے عمامہ ہٹایا۔ عمامے کا ہٹنا تھا کہ اس نے شلغمانی کو پہچان لیا اور فرطِ ادب سے آگے بڑھا اور ہاتھ کو بوسہ دینا چاہا مگر شلغمانی نے اپنا ہاتھ دور رکھا اور دوبارہ چہرے کو عمامے میں چھپا لیا اور کہا "میرا یہ اونٹ خرید لے اور ایک رات گزارنے کے لیے جگہ دے دے۔"

ابن ابی عون نے شلغمانی کو اندر پہنچایا اور اونٹ کو اپنے مکان سے ملحقہ احاطہ میں بند ھوا دیا۔

گویا دیکھتے ہی دیکھتے شلغمانی اور اونٹ لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو چکے تھے۔

جو لوگ شلغمانی کی نگرانی کر رہے تھے۔ انہوں نے شتربان کو ایک گلی میں داخل ہوتے دیکھا تھا مگر اس کے بعد وہ کہاں غائب ہو گیا وہ حیران تھے لیکن جو لوگ گھر کی پہرے داری کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک نے شتربان کو اندر جاتے اور اونٹ کو مکان سے ملحقہ احاطے میں لے جاتے دیکھ لیا تھا لیکن وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ شلغمانی اس طرح چوروں کی طرح آئے گا اور چشمِ زدن میں گم ہو جائے گا۔

اب شکار قابو میں آ چکا تھا۔ ابھی یہاں کارروائی شروع نہیں کی گئی تھی اس سے پہلے ہی ابنِ عبدوس کی پہرے داری کرنے والوں کو حکم دے دیا گیا کہ ابنِ عبدوس کو فوراً گرفتار کر لیا جائے اور ابنِ عبدوس کو گرفتار کر لیا گیا۔

ابنِ ابی عون کے مکان پر دستک دی گئی۔ کسی نے اندر سے پوچھا "کس سے ملنا ہے؟"

باہر سے کہا گیا "ابنِ ابی عون سے" اسے باہر بھیجو۔"

کچھ دیر کے لیے اندر سکوت طاری ہو گیا غالباً آپس میں مشورہ ہو رہا تھا کہ ابنِ ابی عون کے بارے میں کچھ بتایا جائے یا نہیں۔ آخر کار اندر سے جواب ملا "ابن ابی عون گھر میں نہیں ہے۔"

محمد بن شلغمانی

Marfat.com

اس انکار نے سبھی کو یقین دلایا کہ ساربان ہی شلغمانی ہے۔

باہر سے پوچھا گیا "یہ ابنِ ابی عون کہاں گیا ہوا ہے؟"

اندر سے جواب ملا "بازار کھانے پینے کی چیزیں خریدنے۔"

باہر سے کہا گیا "دروازہ تو کھول اور سامنے آ۔"

اندر سے جواب ملا "جب گھر میں ابنِ ابی عون موجود نہیں ہے تو دروازہ کھولنے کا فائدہ؟"

باہر سے جواب دیا گیا "ہم لوگ ابنِ ابی عون کی تصانیف خریدنے بہت دور سے آئے ہیں۔ ہم طالبانِ علم ہیں۔ ہمیں ابنِ ابی عون کے آنے تک کہیں بٹھاؤ تو سہی۔"

اندر سے دروازہ نہیں کھلا اور مشورہ دیا گیا "بازار چلے جاؤ' وہاں ابنِ ابی عون موجود ہو گا۔ اس سے ملو اور اس کے ساتھ ہی واپس آجاؤ۔"

باہر سے کسی نے تند و تیز لہجے میں کہا "عجیب احمق آدمی ہے۔ جب ہم ابنِ ابی عون کو پہچانتے ہی نہیں تو اس سے ہماری ملاقات کس طرح ہو گی اور اس کے ساتھ واپس کس طرح آئیں گے۔"

اندر سے بھی درشت لہجے میں جواب ملا "تو پھر تم لوگ جہنم میں جاؤ۔ ابنِ ابی عون کی عدم موجودگی میں گھر کا دروازہ نہیں کھلے گا اور نہ کسی کو اندر بٹھایا جائے گا۔"

اب باہر سے بھی سختی ظاہر کی گئی "دروازہ کھولتے ہو یا دروازے کو توڑ دیا جائے۔ شلغمانی اور ابنِ ابی عون اندر ہی موجود ہیں اور تو پرلے درجے کا جھوٹا ہے۔"

اس للکار نے اندر کھلبلی مچا دی اور ایسی خاموشی طاری ہوئی جیسے مکان میں کوئی رہتا ہی نہ ہو۔

اب مکان کا محاصرہ کیا جا چکا تھا اور لوگ دیواروں پر چڑھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ دروازے کو مستقل پیٹا جا رہا تھا۔

اچانک اندر سے دھمکی دی گئی "دروازے کو مت پیٹو ورنہ قاضیِ شہر کی عدالت میں تم سب کے خلاف مقدمہ دائر کر دیا جائے گا۔"

باہر سے جواب دیا گیا "ہم کہتے ہیں شرافت سے دروازہ کھول دو اور شلغمانی کو ہمارے حوالے کر دو ورنہ مکان ڈھا دیا جائے گا۔ ہم سب قصرِ خلافت کے سپاہی ہیں اور شلغمانی کی گرفتاری پر مامور کیے گئے ہیں۔"

اب تو اندر سب ہی کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ کھسر پھسر تک کی آوازیں نہیں سنائی دے رہی تھیں۔

اتنے میں کئی افراد دیواروں سے اندر کود گئے اور انہیں یہ دیکھ کر بڑی مایوسی ہوئی کہ وہاں چند

محمد بن شلغمانی

Marfat.com

عورتیں ہی موجود تھیں' مرد ایک بھی نہ تھا۔ عورتوں نے شوروغل مچایا "لوگو! دوڑو۔ اٹھائی گیرے اندر داخل ہو گئے ہیں۔ ہم عورتوں کی عزت آبرو خطرے میں ہے۔" اس شوروغل سے پاس پڑوس کے لوگ جمع ہو گئے لیکن جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ یہ شاہی سپاہی ہیں تو وہ لاتعلق ہو گئے لیکن ایک شخص نے ان سے پوچھا "جب گھر میں کوئی مرد نہیں ہے تو آپ لوگ عورتوں کو کیوں پریشان کر رہے ہیں؟"

اسے جواب دیا گیا "ہم عورتوں کو نہیں پریشان کر رہے ہیں بلکہ مردوں کو تلاش کر رہے ہیں۔ اس گھر میں شلغمانی داخل ہوا ہے۔ ہمیں اس کی تلاش ہے۔"

پڑوسی نے کہا "لیکن عورتیں تو یہ کہہ رہی ہیں کہ گھر میں کوئی مرد نہیں ہے پھر آپ مردوں کو کس طرح پیدا کریں گے۔"

شاہی سپاہی نے کہا "ہمارا کام پیدا کرنا نہیں برآمد کرنا ہے۔ شلغمانی کو اندر داخل ہوتے دیکھا گیا ہے وہ اونٹ پر سوار ساربان کے بھیس میں یہاں آیا ہے۔"

پڑوسی ہنسنے لگے' انہوں نے شاہی سواروں کا مذاق اڑایا "واہ جناب! یہ بھی خوب رہی۔ اونٹ پر سوار ساربان جیسے شخص کی تلاش جاری ہے اور اونٹ کو کوئی نہیں تلاش کرتا۔ کیا اونٹ بھی گھر میں کہیں چھپا دیا گیا ہے؟"

اندر سے لوگ نکلے اور انہوں نے اپنے ساتھیوں کو بتلایا "اندر کوئی مرد نہیں ہے۔"

اب پڑوسی گرم ہو گئے اور ان کو ایک چڑچڑے شخص نے دھمکی دی "جناب! میری پہنچ قصر خلافت تک ہے' میں خلیفہ کے حاجب سے تم سب کی شکایت کروں گا۔ ان مختلف حیلے بہانے سے تم لوگ مستورات میں گھس جاتے ہو اور ان کی بے حرمتی کرتے ہو اور اگر کوئی ٹوکتا ہے تو تم لڑنے مرنے کی دھمکی دیتے ہو۔"

اب شاہی سواروں نے ایک خالی احاطے کی طرف اشارہ کیا "اب اس کی تلاشی لو' دونوں اس احاطے میں ضرور موجود ہوں گے۔"

احاطے کے دروازے میں قفل پڑا ہوا تھا۔ طے یہ پایا کہ اسے توڑ دیا جائے۔ چنانچہ ذرا سی کوشش سے قفل ٹوٹ گیا اور سب ہی بھرا مار کے احاطے میں داخل ہو گئے۔ یہاں کئی اونٹ بندھے ہوئے تھے اور آدمی ایک بھی نظر نہ آیا۔ احاطے کے سامنے ایک کنارے اونٹ کے چارے کا گودام تھا۔ یہاں بھی قفل پڑا تھا اور سب نے طے کیا' اس قفل کو بھی توڑ دیا جائے۔ شاہی سواروں کے ساتھ پڑوسی بھی اندر داخل ہو گئے تھے۔ چڑچڑے پڑوسی نے شاہی سواروں کا مذاق اڑایا اور کہا "اندر چھپنے والے باہر

محمد بن شلغمانی

Marfat.com

قفل کیسے لگائیں گے؟"

لیکن قفل توڑ دیا گیا اور اندر جھاڑ جھنکاڑ میں سے شلغمانی اور ابنِ ابی عون کو برآمد کر لیا گیا۔ یہ دونوں ایک دوسرے سے چمٹے ہوئے کونے میں دبک گئے تھے۔

پڑوسی شلغمانی کو نہیں پہچانتے تھے لیکن ابنِ ابی عون کو بحیثیت مصنف خوب جانتے تھے اور اس کی بے حد عزت کرتے تھے۔ آخر انہوں نے ابنِ ابی عون کی حمایت میں بولنا شروع کیا' ایک پڑوسی نے شاہی سواروں سے کہا "تم لوگ ابنِ ابی عون کو جانتے ہو۔ یہ صاحبِ تصانیف ہے۔"

ایک شاہی سوار نے جواب دیا "ہمیں اسی صاحب تصانیف کی تلاش تھی۔"

شاہی سواروں میں سے دو سوار شلغمانی کو پہچانتے تھے۔ ان میں سے ایک نے ازراہِ تمسخر شلغمانی سے پوچھا "اے ہمارے پروردگار' آپ خدا کی طرح ہماری نظروں سے اوجھل کیوں نہیں ہو گئے؟"

شلغمانی نے جواب دیا "تم لوگ اپنے کام سے کام رکھو۔ مجھے جب روپوش ہونا ہو گا' روپوش ہو جاؤں گا۔"

کچھ سپاہیوں نے ان دونوں کی مرمت کرنی چاہی تو انہیں ایسا کرنے سے انہی کے ساتھیوں نے روک دیا اور کہا "ہمیں تو ان پڑوسیوں کو بھی گرفتار کر لینا چاہیے جو سرکاری کام میں مداخلت کر رہے تھے۔"

لیکن اب وہاں کوئی پڑوسی تھا ہی نہیں جسے وہ گرفتار کرتے ان دونوں کو شلغمانی کے اونٹ پر بٹھا کر قصرِ خلافت لے جایا گیا۔ ابن مقلہ بے حد خوش ہوا۔ اب فرضی خداوند اس کی قید میں تھا۔ وزیر نے یہ خبر خلیفہ الراضی باللہ کو پہنچائی۔ خلیفہ نے حکم دیا "صرف شلغمانی کو اس کے سامنے پیش کیا جائے۔"

شلغمانی کو زنجیر و سلاسل میں جکڑا ہوا خلیفہ کے سامنے پیش کر دیا گیا۔

خلیفہ کچھ دیر شلغمانی کو ٹکٹکی لگائے دیکھتا رہا اور شلغمانی بھی خلیفہ کو پلکیں جھپکائے بغیر دیکھتا رہا۔

خلیفہ نے پوچھا "تو خدا ہے؟"

شلغمانی نے جواب دیا "نہیں۔ یہ کس نے کہہ دیا؟"

خلیفہ نے وزیر ابن مقلہ کو دیکھا اور پوچھا "یہ کیا بات ہے' تم نے تو یہ بتایا تھا کہ شلغمانی خدائی کا دعویٰ کرتا ہے۔"

ابن مقلہ نے عرض کیا "امیر المومنین یہ جھوٹا ہے' میں کیا ایک زمانہ جانتا ہے کہ اس نے خدائی کا دعویٰ کر دیا ہے۔"

محمد بن شلغمانی

Marfat.com

شلغمانی نے پوچھا "وہ زمانہ کہاں ہے جو مجھے خدائی کی طرف دعوت دیتے ہوئے دیکھتا رہا۔ اس زمانے کو بلاؤ۔"

بظاہر وزیر کمزور پڑ رہا تھا اور شلغمانی ڈھٹائی سے وزیر پر غالب آتا دکھائی دے رہا تھا۔ خلیفہ نے وزیر سے پوچھا "تو کس طرح ثابت کرے گا کہ یہ شخص خدائی کا مدعی ہے جب کہ اس شخص نے صاف انکار کر دیا ہے کہ یہ خدا ہے۔"

وزیر نے کہا "امیر المومنین! جب اس پر مقدمہ چلے گا اور شہر کے علمائے کرام اس میں حصہ لیں گے تو میں بہ آسانی ثابت کروں گا کہ یہ شخص خود کو پروردگار کہتا ہے۔"

خلیفہ نے شلغمانی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "مجھے تو یہ شخص بہت بڑا عیار لگتا ہے۔ اس نے جس طرح اپنی خدائی سے انکار کیا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنے دفاع کے لیے پہلے سے تیاری کر رکھی ہے۔"

وزیر نے خلیفہ کو اطمینان دلایا "امیر المومنین! آپ بالکل مطمئن رہیں۔ میں اس پر مقدمہ چلاؤں گا اور ثابت کر دوں گا کہ یہ خود کو خدا کہتا ہے اور یہ بھی ثابت کر دوں گا کہ اس کے اس انکار کے پیچھے اس کا تقیہ کار فرما ہے۔"

کچھ دیر بعد شلغمانی کو شاہی قید خانے میں پہنچا دیا گیا۔ اسی قید خانے میں ابنِ ابی عون اور ابنِ عبدوس قید تھے۔

ابنِ ابی عون اور ابنِ عبدوس کے گھروں کی تلاشی لی گئی اور ایسے خطوط اور کتابچے برآمد کر لیے گئے جن میں شلغمانی کو پروردگار، خدا، اللہ اور الرحمٰن الرحیم کہا گیا تھا۔ موصل میں جہاں وہ ٹھہرا تھا اور شلغمان میں جہاں وہ رہتا تھا، ان مکانوں کی بھی تلاشی لی گئی اور وہاں سے جو بھی کتابیں اور خطوط ملے بحفاظت بغداد پہنچا دیے گئے۔ ان میں خطوط کی تعداد زیادہ تھی۔ یہ خطوط علامہ شلغمانی کو اس کے مریدوں اور پرستاروں نے لکھے تھے اور ہر خط کی پیشانی پر اسے خدا کہہ کر مخاطب کیا گیا تھا۔

بغداد کے شہزادگان اور امرا اس نادر روزگار شخص سے ملنے اور اس کو دیکھنے قید خانے پہنچنے لگے۔ ان میں اس کے وہ پرستار بھی شامل تھے جن کا ابھی تک کسی کو علم نہیں تھا کہ یہ بھی اس نام نہاد خدا کے بندے ہیں۔"

جب لوگ اس سے ملتے اور اس کو شرم دلاتے کہ یہ کیسی کفر و الحاد کی باتیں کی تھیں تو ان باتوں پر وہ ذرا بھی شرمندہ نہ ہوتا اور کہتا "ذرا مجھے عدالت میں پیش تو ہونے دو۔ میں عدالت میں بھی ثابت کر

محمد بن شلغمانی

Marfat.com

دوں گا کہ میں خدا ہوں۔ عدالت کے قاضی غریب، علمی، عقلی نقلی اور غیر نقلی کے اعتبار سے میرا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ وہ کمزور اور رٹو طوطوں جیسا علم رکھنے والے لوگ میرے سامنے کھڑے ہو کر بات نہیں کر سکتے۔"

ان ملاقات کرنے والوں میں جو لوگ اس کے پرستار تھے' وہ ایک طرف خاموشی سے کھڑے ہو جاتے اور تخلیے کا انتظار کرتے رہتے۔ جب سب چلے جاتے تو یہ لوگ بات کرتے۔ ان میں سے کوئی پرستار کہتا "آپ تینوں بالکل نہ گھبرائیں۔ ممکن ہو تو اپنے اس دعوے سے وقتی طور پر منحرف ہو جائیں کیوں کہ جب جان خطرے میں ہو تو جھوٹ جائز ہو جاتا ہے۔"

ابنِ ابی عون نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا "لیکن میں ایسا نہیں کر سکتا۔ میں نے تو اس سلسلے میں کتابیں لکھی ہیں اور اپنے خطوط میں پروردگار اور الرحمٰن الرحیم لکھا ہے۔ میرے خلاف تو ان کے پاس تحریری ثبوت موجود ہے۔ میں کس طرح انکار کروں گا۔"

یہی عذر ابنِ عبدوس کے پاس تھا کیوں کہ اس نے بھی بڑے عقیدت مندانہ خطوط علامہ شلغمانی کو لکھے تھے۔

پرستاروں نے ان دونوں کو بھی یہی مشورہ دیا "تم لوگ بھی اپنے خطوط اور تصانیف سے منحرف ہو جانا' کہہ دینا کہ یہ ہمارے کسی دشمن نے ہمارے خلاف سازش کی ہے اور ہمارے خطوط سے ملتے جلتے خطوں میں یہ باتیں لکھی گئی ہیں۔"

ابنِ ابی عون نے اپنے جھوٹے خدا سے پوچھا "اب تک آپ نے کتنے ارادت مند پیدا کر لیے ہیں؟"

علامہ شلغمانی نے جواب دیا "لاکھوں کی تعداد میں' میرے ان ارادت مندوں میں خلافت کے شاکی اور باغی بھی شامل ہیں۔"

ابنِ ابی عون نے علامہ شلغمانی کو مشورہ دیا "آپ قید خانے سے باہر اپنے بااثر حاکموں اور تاجروں کو لکھیں کہ وہ آپ کے حامیوں کو آپ کے پرچم تلے اکٹھا کریں۔ یہ لوگ آپ کی آزادی کا مطالبہ کریں اور جب مقصد میں ناکامی ہو تو اپنے چھوٹے موٹے حملوں سے توڑ پھوڑ اور بغاوت کا آغاز کر دیں پھر جب یہ بات زیادہ بڑھ جائے تو عام بغاوت کر دی جائے اور یہ باغی ہم سب کو قید خانے سے باہر نکال لے جائیں۔"

علامہ شلغمانی نے ان لوگوں سے کہا "مجھے معلوم ہوا ہے کہ ابھی تک حسن بن قاسم کو گرفتار نہیں

محمد بن شلغمانی

Marfat.com

کیا گیا ہے۔ تم لوگ اس کو میرا قائم مقام سمجھو۔ وہ ایک جھنڈے تلے تم سب کو جمع کر سکتا ہے اور میری نیابت کے فرائض بخیر و خوبی انجام دے سکتا ہے۔"

یہ لوگ اپنے منصوبے کے ساتھ باہر آگئے اور کئی آدمی علامہ شلغمانی کا یہ پیغام لے کر حسن بن قاسم کے پاس رقہ روانہ ہو گئے لیکن وہاں پہنچ کر انہیں بڑی مایوسی ہوئی کہ حسن بن قاسم کو ان کے پہنچنے سے پہلے ہی گرفتار کر لیا گیا تھا اور اب وہ قید خانے میں قیدِ تنہائی کاٹ رہا تھا۔ ملنے جلنے والوں پر پابندی عائد کر دی گئی تھی کیوں کہ وہ وزیر اعظم رہ چکا تھا اس لیے لوگ اس کا احترام بھی کرتے تھے۔ رقہ کا حاکم بھی اس کا احترام کرتا تھا۔

حاکمِ شہر نے حسن بن قاسم سے پوچھا "جناب! آپ پر لگایا ہوا الزام کہاں تک درست ہے؟"

حسن بن قاسم نے جواب دیا "وہ پروردگار ہے مگر تمہاری معمولی چشمِ بصیرت یہ سب دیکھ نہیں سکتی۔ تم دیکھنا' ایک نہ ایک دن تم بھی اس کے قائل ہو جاؤ گے۔"

حاکمِ شہر نے کہا "اگر مجھ پر اوپر سے غیر معمولی دباؤ نہ ہوتا تو میں آپ کو ہرگز گرفتار نہیں کرتا۔"

حسن بن قاسم نے کہا "تو مجھے چھوڑ دے' میں بغداد پہنچ کر وزارت عظمیٰ پر قبضہ کرنے کی کوشش کروں گا۔ کیوں کہ خلیفہ اور وزیر میرے ہم پلہ نہیں ہیں اور یہ جو میرے پروردگار نے ہمیں بتایا کہ شریعتِ محمدیؐ صرف ساڑھے تین سو سال تک نافذ العمل رہے گی تو تم لوگ دیکھ لینا کہ ان اٹھائیس سالوں میں اسلام دم توڑ دے گا اور شریعتِ محمدیؐ رخصت ہو جائے گی۔ اس کی جگہ پروردگار شلغمانی نئی شریعت جاری کرے گا لیکن تم لوگ چوں کہ جاہل اور بے بصر ہو اس لیے میری آنکھیں جو کچھ دیکھ رہی ہیں وہ تمہاری آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں۔ اللہ سے توبہ کر کے اس دین میں داخل ہو جاؤ۔ ہماری مدد کرو اور اس دین کے ستون کہلاؤ۔"

یہ حاکمِ شہر نہیں جانتا تھا کہ اس کے آس پاس شاہی مخبر لگے ہوئے ہیں۔ یہ خبریں بغداد پہنچ گئیں اور اس حاکمِ شہر کو فوراً تبدیل کر دیا گیا۔ اس کی جگہ ایک متشدد اور سخت مزاج دین دار شخص کو رقہ کا حاکم بنا دیا گیا۔ خلیفہ اور وزیر دونوں ہی سمجھ چکے تھے کہ اس مقدمے میں جتنی سستی برتی جائے گی' اس کا فائدہ شلغمانی کو پہنچے گا اور اس کی تحریک زور پکڑتی جائے گی۔

خطوط اور تصانیف کے انتہائی قابل اعتراض اور گمراہ کن حصے نقل کر کے علمائے کرام کو روانہ کر دیے گئے اور انہیں لکھا گیا کہ وہ انہیں پڑھ لیں اور پڑھ کے اپنے دین کے دفاع میں موثر اور غیر معمولی دلائل لائیں۔ کیوں کہ عن قریب اس گستاخ بندے کا محاسبہ کیا جائے گا اور اس پر مقدمہ چلائے

محمد بن شلغمانی

Marfat.com

جائے گا۔"

دوسری طرف علامہ شلغمانی' ابنِ ابی عون اور ابنِ عبدوس کو مطلع کیا گیا کہ وہ بھی اپنے دفاع کے لیے تیار رہیں کیونکہ عنقریب مقدمے کی کارروائی شروع کر دی جائے گی اور اس مقدمے کی کارروائی دیکھنے کے لیے خلیفہ الراضی باللہ اور وزیر ابنِ مقلہ بھی عدالت میں موجود رہیں گے۔

اب شلغمانی اور ابنِ ابی عون کچھ پریشان نظر آئے جب کہ ابنِ عبدوس کچھ زیادہ پریشان نہیں تھا۔

جب انہیں خلیفہ کے دربار میں پیش کیا گیا تو وہاں کا حسن انتظام اور درباری رعب و دبدبہ ان تینوں کو خوف زدہ کرنے لگا۔ وہاں قاضی شہر بھی موجود تھا اور علمائے کرام بھی حاضر تھے۔

لوگوں کا خیال تھا کہ مقدمے کی کارروائی قاضی شروع کرے گا اور علمائے کرام اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں گے مگر ایسا نہیں ہوا۔ خود خلیفہ الراضی باللہ نے آگے بڑھ کر شلغمانی سے سوال کیے "اے ملعون' مردود اور بد بخت انسان تو خود کو خدا کہتا ہے' کیا یہ درست ہے؟"

شلغمانی نے جواب دیا "ہرگز نہیں۔ قطعاً نہیں۔ اگر کسی نے میری زبان سے یہ کلمات سنے ہوں تو بحیثیت گواہ انہیں عدالت میں بلایا جائے۔"

خلیفہ نے وزیر کی طرف دیکھا اور پوچھا "کیا ایسے گواہ یہاں موجود ہیں؟"

وزیر نے جواب دیا "بالکل موجود ہیں اور وقت آنے پر ان کی گواہی دلوا دی جائے گی۔"

خلیفہ حیران تھا کہ اس کے دربار میں صرف تین آدمی موجود ہیں اور یہ تینوں وہی ہیں جن میں ایک تو خود کو پروردگار کہتا ہے اور دو وہ ہیں جو اس کے دعوائے خدائی کے معترف ہیں اور ہر وقت اس کی خدائی کا دم بھرتے ہیں' ان میں گواہ کہاں ہیں جو اس کے خلاف بیان دیں گے؟

وزیر نے کہا "امیر المومنین! آپ شلغمانی شیطان پر مقدمہ بعد میں چلایئے گا پہلے مجھ کو اس کے دونوں پرستاروں سے بات کر لینے دیں۔"

خلیفہ نے اجازت دے دی۔ اب وزیر نے ابن ابی عون سے پوچھا "تیرا کیا نام ہے؟"

اس نے جواب دیا "ابنِ ابی عون۔"

وزیر نے دُوسرا سوال کیا "تو کہاں رہتا ہے؟"

اس نے جواب دیا "آپ کے اسی شہر بغداد میں۔"

وزیر نے پوچھا "تیرا مشغلہ' تیرا پیشہ؟"

محمد بن شلغمانی

Marfat.com

ابنِ ابی عون نے جواب دیا "تصنیف و تالیف۔"

وزیر نے پوچھا "تیرے رب کا کیا نام ہے؟"

اس نے جواب دیا "اس کا ذاتی نام تو صرف ایک ہے یعنی اللہ مگر اس کے صفاتی نام بہت ہیں۔ یعنی وہی الغفار ہے وہی القہار ہے وہی الجبار ہے وہی القدوس۔ وہی المومن وہی المہیمن' وہی الحکیم' وہی السمیع' وہی البصیر' غرض یہ کہ اس کے بہت سے نام ہیں۔"

وزیر نے شلغمانی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا "یہ کون ہے؟"

ابنِ ابی عون نے جواب دیا "اللہ کا ایک عاجز و ناتواں بندہ مگر انسانوں میں ایک عالم بے بدل' مجتہد العصر اور ایک ایسا عالم و فاضل انسان کہ زمانہ ان کی کوئی دوسری نظیر نہیں پیش کر سکتا۔"

وزیر نے کہا "لیکن تو جھوٹا ہے۔ تو علامہ شلغمانی کو اپنا خدا کہتا ہے۔ اپنا پروردگار کہتا ہے۔"

ابنِ ابی عون نے انکار کیا "میں یہ سب کچھ نہیں کہتا' سب مجھ پر الزام ہے۔"

وزیر نے اس کی تصانیف اور خطوط پیش کر دیے اور ان پر لکھے ہوئے اس کے نام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا "یہ کس کا نام لکھا ہوا ہے؟"

ابنِ ابی عون نے جواب دیا "بے شک' یہ میرا نام لکھا ہوا ہے۔"

وزیر نے پوچھا "یہ خطوط اور کتابیں کس کی ہیں؟"

ابنِ ابی عون نے جواب دیا "پتا نہیں کس کی ہیں' میں نہیں جانتا۔"

وزیر نے کہا "جب خطوط اور کتابوں پر تیرے نام لکھے ہوئے ہیں تو یہ تیری ہی ہوں گی۔"

ابنِ ابی عون نے کہا "میں اپنا نام کاٹ کر ان پر آپ کا نام لکھوائے دیتا ہوں' تو کیا یہ چیزیں آپ کی ہو جائیں گی؟"

وزیر نے کہا "لیکن ان پر کسی کا نام کاٹ کر تیرا نام نہیں لکھا گیا بلکہ ان پر پہلے سے ہی تیرا نام لکھا ہوا ہے۔"

ابنِ ابی عون نے کہا "یہ کتابیں بھی جعلی ہیں اور ان پر لکھا ہوا میرا نام بھی جعلی ہے۔ یہ کام میرے دشمنوں کا ہے۔ آپ مجھے دو چار ہفتے کی مہلت دیں میں ایسی تصانیف اور ایسے ہی خطوط آپ کی طرف سے لکھوا کر ان پر آپ کے نام ڈلوا دوں گا۔ تو کیا یہ خطوط اور تصانیف آپ کی ہو جائیں گی؟" ان باتوں سے خلیفہ الراضی بہت پریشان ہوا اور وزیر کی صورت دیکھنے لگا۔

لیکن وزیر بالکل پریشان نہیں تھا۔ وہ اب بھی مطمئن اور پر سکون تھا۔ اس نے خلیفہ سے کہا "امیر

Marfat.com

المومنین! اس شخص کو اپنے دفاع میں بولنے دیجئے۔ میں نے اس کو آزادی دی ہے۔ یہ اپنی بچت میں جو چاہے' کہے مگر مجھے یقین ہے کہ فی الحال یہ بند گلی میں بھاگ رہا ہے۔ آخر کار بھاگنے کا راستہ بند ہو جائے گا اور یہ پکڑا جائے گا۔"

اب وزیر ابنِ عبدوس سے مخاطب ہوا۔ ابنِ عبدوس کی رہنمائی ہو چکی تھی کہ یہاں مقدمے میں وہ کس طرح اپنی پیروی کرے گا۔

وزیر نے ابنِ عبدوس سے پوچھا "تو کہاں کا رہنے والا ہے؟"

ابنِ عبدوس نے جواب دیا "اسی شہر بغداد کا جہاں ہم اور آپ سبھی رہتے ہیں۔"

وزیر نے پوچھا "ہم نے سنا ہے کہ یہاں ایک نیا دین پیدا ہو گیا ہے اور تو اس دین کا پیرو ہے۔"

ابنِ عبدوس نے جواب دیا "نہ تو یہاں کوئی نیا دین پیدا ہوا ہے اور نہ ہی میں اس کا پیرو ہوں کیوں کہ جب کوئی نیا دین پیدا ہی نہیں ہوا تو میں اس کا پیرو کس طرح ہو سکتا ہوں۔"

وزیر نے شلغمانی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا "تو اس شخص کو پہچانتا ہے؟"

ابنِ عبدوس نے جواب دیا "بس اسی حد تک کہ میں نے اس شخص کو عالموں کے ساتھ دیکھا ہے اور چوں کہ میری دوستی ابنِ ابی عون سے بھی ہے اس لیے دو چار بار وہاں بھی ملاقات ہوئی۔"

وزیر نے کہا "یہ غلط ہے۔ یہ شخص خدائی دعوے دار ہے اور تم سب اس کے معاون و مددگار ہو۔ اگر ایسا نہ ہوا تو میں تم سب کو رہا کر دوں گا اور دربار میں عہدے' مراتب دلوا دوں گا۔"

ابنِ عبدوس نے کہا "وہ آپ کی مہربانی ہے مگر سچی بات یہی ہے کہ میں اس شخص کو کچھ زیادہ نہیں جانتا۔"

وزیر نے ابنِ عبدوس کے خطوط بھی اس کے سامنے رکھ دیے اور کہا "کیا یہ خط بھی جعلی ہیں؟"

ابنِ عبدوس نے جواب دیا "میں کیا کہہ سکتا ہوں' سازش کرنے والے نے بڑی عمدہ سازش تیار کی ہے۔"

اب وزیر خلیفہ سے مخاطب ہوا "امیر المومنین! یہ تینوں اپنے جرائم کا اقرار نہیں کر رہے ہیں جبکہ میں جانتا ہوں کہ یہ اپنے جرائم کا حقیقتاً اقرار کر چکے ہیں۔ یہ دونوں شلغمانی کے بارے میں یہ بتاتے ہیں کہ یہ شلغمانی کو بہت زیادہ نہیں جانتے اور میں یہ کہتا ہوں کہ یہ دونوں پرستش کی حد تک اس شخص کو مانتے ہیں۔" اب وزیر نے ایک بار پھر شلغمانی سے اس کے دونوں ارادت مندوں کے بارے میں پوچھا "کیا تو بتا سکتا ہے کہ ان دونوں نے جو بیانات دیے ہیں' وہ کتنے درست ہیں اور کتنے نادرست؟"

محمد بن شلغمانی

Marfat.com

شلغمانی نے جواب دیا "جب میں ان دونوں کو زیادہ جانتا ہی نہیں، تو میں یہ کس طرح کہہ سکتا ہوں کہ ان کے بیانات کتنے درست ہیں اور کتنے نادرست؟"

وزیر نے پوچھا "بس آخری سوال! اے شلغمانی، جب تو ساربان کے حلیے اور لباس میں بغداد میں داخل ہوا تو تو نے دربانوں اور پہرے داروں سے یہاں کی سرائے کا پتا پوچھا تھا مگر تو وہاں سے ہٹتے ہی، میرے آدمیوں کی اطلاع کے بموجب، سیدھا حسن بن قاسم کے گھر پہنچا تھا جو تیرا سب سے بڑا پرستار ہے۔ وہاں جب تجھ کو یہ بتایا گیا کہ حسن بن قاسم رقہ گیا ہوا ہے تو تو وہاں سے سیدھا بسطام تاجر کی حویلی میں پہنچ گیا وہاں بسطام بھی اپنے دونوں بیٹوں کے ساتھ سامان تجارت لے کر کہیں باہر گیا ہوا تھا۔ تو ادھر سے بھی مایوس ہونے کے بعد ابنِ ابی عون کے گھر پہنچ گیا۔ ابنِ ابی عون نے تجھ کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ تیرے اونٹ کو اپنے مکان سے ملحقہ احاطے میں بندھوایا اور تجھے اپنے گھر میں رکھ لیا۔ وہاں ہر ہر لمحہ گراں گزر رہا تھا۔ کیوں کہ تجھ کو اپنی گرفتاری کا اندیشہ تھا۔ تیرا یہ اندیشہ غلط نہیں تھا۔ میرے آدمی تیرا پیچھا کر رہے تھے۔ بدقسمتی سے تجھ کو آخری وقت تک یہ بات معلوم نہیں ہو سکی کہ ابنِ ابی عون، ابنِ عبدوس، حسن بن قاسم اور بسطام تاجر کے گھروں کی نگرانی کی جا رہی ہے۔ چنانچہ تجھے ابنِ ابی عون کے گھر میں داخل ہوتے دیکھ لیا گیا اور پھر وہاں سے جس طرح تجھے برآمد کیا گیا میں اس کی تفصیل میں نہیں جاؤں گا، کیوں کہ اس کی تفصیل مجھ سے زیادہ تم لوگ جانتے ہو۔"

اب سبھی کو سانپ سونگھ گیا تھا لیکن ذرا سی دیر میں علامہ شلغمانی نے اپنے ہوش و حواس مجتمع کر لیے اور کہا "دراصل میں چند کتابوں کی تلاش میں نکلا تھا۔ علمی باتیں، علمی حضرات ہی سے کی جاتی ہیں۔ میں دربانوں کو کیا بتاتا کہ میں چند کتابوں کی تلاش میں یہاں آیا ہوں چنانچہ کسی نے مجھے ابنِ ابی عون کے گھر کا پتا دیا تھا میں اس سے ملا اور اس سے اپنا مطلب بیان کرنے لگا۔ ابھی یہ باتیں جاری تھیں کہ آپ لوگوں کے آدمیوں نے ہمیں گھیر لیا اور گرفتار کرنے کے بعد ہمیں قید خانے میں ڈال دیا گیا۔"

وزیر نے دونوں مریدوں سے پوچھا "اے ابنِ ابی عون اور ابنِ عبدوس! کیا تم دونوں اسے اپنا خدا نہیں مانتے؟ اور کیا تم دونوں اس کو نہیں جانتے؟"

دونوں نے یکے بعد دیگرے ایک ہی جواب دیا "ہم اس کو خدا نہیں مانتے اور اس کو اس سے زیادہ نہیں جانتے کہ یہ ایک عام سا آدمی ہے مگر عالم بھی ہے۔"

اب وزیر نے خلیفہ سے درخواست کی "امیر المومنین! آپ ان دونوں کو حکم دیں کہ یہ اس اجنبی

Marfat.com

عالم کے دونوں رخساروں پر باری باری دو دو تھپڑ رسید کریں کیوں کہ یہ شخص خدا نہیں ہے' ایک عام سا آدمی ہے اور آدمی' آدمی کے تھپڑ لگا سکتا ہے۔"

خلیفہ نے پوچھا "پہلے تھپڑ کون لگائے گا؟"

وزیر نے جواب دیا "ابنِ عبدوس' کیوں کہ اس کا ایمان ذرا کمزور معلوم ہوتا ہے۔"

خلیفہ نے ابنِ عبدوس کو حکم دیا "آگے بڑھ اور اپنے خدا کے دونوں رخساروں پر دو دو تھپڑ رسید کر۔"

یہ بڑی آزمائش کی گھڑی تھی۔ وہ دونوں سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ انہیں اتنی بڑی آزمائش میں ڈالا جائے گا۔

ابنِ عبدوس اٹھا اور اپنے انسانی خدا کے سامنے جا کر جھکا اور کھڑا ہو گیا۔

وزیر نے انتہائی درشت لہجے میں کہا "کیا تو نے سنا نہیں کہ امیر المومنین نے تجھ کو کیا حکم دیا ہے؟"

ابنِ عبدوس کا ہاتھ اٹھا اس نے آنکھیں بند کر لیں اور شلغمانی کے رخساروں پر دو دو تھپڑ رسید کر دیے۔

ابنِ ابی عون اس کو قہر آلودہ نظروں سے دیکھ رہا تھا اور آہستہ آہستہ بڑبڑا رہا تھا "زمین شق ہو جائے گی۔ آسمان پھٹ پڑے گا اور تو اے ابنِ عبدوس! تو برباد ہو جائے گا' یہ تو نے کیا کیا؟"

درباری اس سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ علماء کو ابھی تک بولنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اس لیے وہ خاموش بیٹھے مسکرا رہے تھے۔ اب خلیفہ ابنِ ابی عون سے مخاطب ہوا "اب تو بھی یہ ناخوشگوار فریضہ انجام دے دے۔"

ابنِ ابی عون پہلے سے گھبرایا ہوا تھا۔ اس حکم نے اسے پاگل سا کر دیا۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔

اچانک وزیر کی آواز سنائی دی' وہ کہہ رہا تھا "کیا تو نے سنا نہیں کہ امیر المومنین تجھے کیا حکم دے رہے ہیں؟"

ابنِ ابی عون کا ہاتھ اٹھا اور پھر دوسرا ہاتھ بھی اٹھ گیا۔ اس کے دونوں ہاتھ کانپ رہے تھے۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے شلغمانی کا سر پکڑ لیا اور رخسار' داڑھی' پیشانی اور سر کے بوسے لینے لگا' وہ کہہ رہا تھا "الٰہی، سیدی و رزاقی (اے میرے معبود' اے میرے سردار! اور میرے رزاق) میں یہ گستاخی کس

Marfat.com

طرح کر سکتا ہوں۔ رہ گئی یہ جان تو یہ حقیر سی شے تیری دی ہوئی ہے اور تو ہی اسے واپس لے لے گا۔"

ابنِ عبدوس نے دونوں رخساروں پر دو دو تھپڑ لگا تو دیے تھے مگر اپنی جگہ بے حد شرمندہ تھا۔ خلیفہ نے ابنِ ابی عون سے پوچھا "ابھی کچھ دیر پہلے تو' تو یہ کہہ رہا تھا کہ میں اس شلغمانی شیطان کو خدا نہیں مانتا۔ کیا تو اس وقت حالت تقیہ میں تھا کہ اب اپنا بیان بدل دیا۔"

ابنِ ابی عون نے جواب دیا "ہاں! اس وقت میں حالت تقیہ میں تھا اور اب اس سے باہر آنا پڑا۔ آپ ہی لوگ بتائیں جس کو میں نے دل سے خدا مان لیا ہو اس کو میں تھپڑ کس طرح مار سکتا ہوں؟"

اب خلیفہ' شلغمانی شیطان سے مخاطب ہوا' پوچھا "تو تو کہتا تھا کہ مجھے دعوائے الوہیت نہیں ہے۔ اگر تو سچا تھا تو ابنِ ابی عون نے تجھے ایسے الفاظ سے کیوں مخاطب کیا؟"

شلغمانی نے جواب دیا "امیر المومنین! میں تو اب بھی خاموش ہوں اور اس قسم کا کوئی دعویٰ نہیں کر رہا۔ یہ جو کچھ کہا ابنِ ابی عون نے کہا ہے۔ میں تو خاموش ہوں۔ کیا آپ ابنِ ابی عون کے گناہ کی سزا مجھ کو دیں گے۔ جب کہ قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے کہ حق تعالیٰ ایک کے گناہ کا مواخذہ دوسرے سے نہیں کرتا۔"

وزیر نے کہا "اے شلغمانی! جب تک تو خود اس قسم کا دعویٰ نہیں کرے گا تب تک کوئی دوسرا تجھے معبود اور خدا کیوں کر کہے گا؟"

شلغمانی نے جواب دیا "یہ میں کس طرح جواب دے سکتا ہوں۔ سوال تو یہ ہے کہ جب میں نے خدائی کا دعویٰ نہیں کیا تو مجھ سے اس کا مواخذہ کیوں ہو؟ میں اب بھی یہی کہوں گا کہ مجھے ناحق پکڑا گیا ہے اور مجھے ناحق پریشان کیا گیا ہے۔ میں نے ابھی تک اپنے دفاع کی کوشش نہیں کی کہ میں اندر سے پاک صاف ہوں اور میں نے رب الارباب ہونے کا کوئی دعویٰ نہیں کیا۔"

اب خلیفہ نے وزیر کو مشورہ دیا "تو ابن عبدوس سے پوچھ کہ اس شخص نے خدائی کا دعویٰ کیا ہے یا نہیں۔ کیوں کہ اس نے ابھی ابھی چار تھپڑ رسید کیے ہیں۔ امید ہے یہ جھوٹ نہیں بولے گا۔"

لیکن وزیر کو یقین نہیں تھا کہ جس شخص نے موت کے خوف سے چار تھپڑ رسید کر دیے تھے وہ اب بھی سچ ہی بولے گا۔ کیوں کہ اس سچ میں اس کو موت کا خوف نہیں ہو گا۔ وزیر نے ابنِ عبدوس سے کہا "اے ابنِ عبدوس! ابھی تک تو' تو ہم سب کی نظر میں سچا رہا ہے۔ اب تجھ پر کسی قسم کا دباؤ بھی نہیں ہے' اس لیے امید ہے کہ تو سچ بولے گا۔"

ابنِ عبدوس نے کہا "جناب والا! آپ نے دیکھا کہ میں ایک بے لاگ اور بے باک انسان ہوں۔

محمد بن شلغمانی

Marfat.com

آپ کو میری گواہی پر یقین کرنا چاہیے۔" اس کے بعد اس نے شلغمانی کی طرف اشارہ کیا "اس شخص نے میری معلومات اور میرے علم میں کبھی بھی الوہیت کا دعویٰ نہیں کیا۔ میں نے اس سے جب بھی بات کی ہے اور جب بھی سنا ہے اس شخص نے یہی کہا ہے کہ میں امامِ منتظر کا باب ہوں اور ابنِ روح کی جگہ ہوں۔"

وزیر نے ابنِ عبدوس پر ملامت کی اور کہا "افسوس! کہ تو اس وقت میری نظر سے گر گیا۔ کیوں کہ تو جھوٹ بول رہا ہے' تو نے اپنے اس بیان کو یاد نہیں رکھا جس میں تو نے یہ کہا تھا کہ تو اس شخص سے واقف نہیں ہے اور اب جو تو بیان دے رہا ہے' اس سے یہ پتا چل رہا ہے کہ تو اس شخص سے بہت زیادہ واقف ہے۔"

اب علمائے کرام نے دخل دیا اور ایک عالم نے وزیر سے کہا "وہ تمام خطوط کہاں ہیں جو اس کے پرستاروں نے وقتاً فوقتاً اسے لکھے تھے۔ انہیں پڑھ کر شلغمانی کو سنایا جائے۔"

وزیر نے وہ سارا پلندہ علما کے سامنے رکھ دیا اور کہا "اب آپ لوگ باری باری یہ خطوط پڑھیں اور اس شخص کو سنائیں۔"

ایک عالم نے کئی ایسے خطوط پڑھے جن میں شلغمانی کو ارحم الرحمین' قہار' جبار' مہیمن' رؤف اور اللہ کہا گیا تھا۔ یہ تمام خطوط باری باری پڑھے گئے۔ شلغمانی آنکھیں بند کیے بیٹھا تھا اور نہایت بے توجہی سے انہیں سن رہا تھا۔

وزیر نے اس سے پوچھا "تو بھی ان خطوں کو سن رہا ہے؟"

شلغمانی نے جواب دیا "نہیں۔ میں کچھ نہیں سن رہا۔ ان خطوں میں میری دلچسپی کا کوئی سامان نہیں اور نہ ہی ان خطوں کا مجھ سے کوئی تعلق ہے۔ یہ میرے خلاف ایک سازش کی گئی ہے۔"

خلیفہ نے حکم دیا "کارروائی جاری رہے اور یہ سنے یا نہ سنے اس قسم کے تمام خطوط حاضرین دربار کو پڑھ کر سنائے جائیں تاکہ فیصلے کے وقت سب اس فیصلے سے متفق ہوں اور یہ شخص یہ نہ کہہ سکے کہ فرد جرم مجھے پڑھ کر نہیں سنائی گئی۔"

خطوط بہت زیادہ تھے۔ جب ایک عالم پڑھتے پڑھتے کچھ تھک جاتا تو دوسرا عالم پڑھنے لگتا اور جب دوسرا تھک جاتا تو تیسرا شروع ہو جاتا۔ اسی طرح دیر تک یہ سلسلہ جاری رہا اور خلیفہ بھی نہایت پابندی سے وہاں موجود رہا۔"

ابنِ ابی عون' ابنِ عبدوس کو سرگوشی میں ملامت کر رہا تھا "تجھ کو کسی حال میں بھی یہ تھپڑ نہیں

Marfat.com

مارنے تھے۔"

ابنِ عبدوس نے کہا "میں نے تقیہ کر کے یہ گستاخی اس لیے کی تھی کہ اس طرح ہم تینوں کی جان بچ جائے گی مگر تیرے ایمان کی کمزوری نے تجھ کو تھپڑ لگانے سے باز رکھا اور مقدے کی کارروائی طول پکڑ گئی ورنہ یہ مقدمہ تو کب کا ختم ہو گیا ہوتا۔"

ابنِ ابی عون نے کہا "یہ مقدمہ پھر بھی چلتا کیوں کہ تو دیکھ نہیں رہا ہے کہ یہ خطوط اور کتابیں بھی اس مقدمے کا ایک حصہ تھیں۔"

ابنِ عبدوس نے زیادہ باتیں کرنے سے منع کیا اور کہا "یہ کھسر پھسر بند کرو ورنہ ابھی ہم پر ڈانٹ پڑے گی۔"

دونوں ہی خاموش ہو گئے۔ شلغمانی نے احتجاج کیا اور اپنی طبیعت کی خرابی کا عذر کیا "میری طبیعت خراب ہو رہی ہے اس لیے میں آرام کرنا چاہتا ہوں، بہت سے جھوٹے خطوط پڑھے اور سنائے گئے۔ اب یہ سلسلہ بند ہونا چاہیے۔"

وزیر نے کہا "تو اپنی بکواس بند کر۔ جب تک امیر المومنین دربار میں موجود ہیں، مقدمے کی کارروائی جاری رہے گی۔"

خلیفہ نے مقدمے کی کارروائی ملتوی کر دی اور اعلان کیا "بقیہ کارروائی کل تک موقوف رکھی جائے۔"

الراضی باللہ نے اس مقدمے کی کارروائی اپنے ذمے لے رکھی تھی۔ اپنی مدد کے لیے علماً اور قضاۃ کو اپنے پاس بٹھا لیا تھا۔ ان کے سامنے عقیدت مندوں کے خطوط، شلغمانی اور ابنِ ابی عون کی کتابیں، شلغمانی کی تحریر کی ہوئی شریعت نہایت توجہ سے پڑھی گئی اور ان سب پر یہ بات واضح ہو گئی کہ شلغمانی نے خاص اسلام، پیغمبرِ اسلام اور شریعتِ اسلام کی بنیادوں پر کاری ضرب لگائی تھی۔ اسلام کو ساڑھے تین سو سال پر محدود کر دیا تھا۔ اسلام کے بنیادی عقائد کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی تھی۔

خلیفہ نے علما، فقہا اور قضاۃ سے کہا "آپ لوگ نہایت توجہ اور عمیق نظروں سے ان تمام چیزوں کا مطالعہ فرمائیں اور ہمیں بتائیں کہ ان میں کہیں کوئی ایسا نقطہ ہے جس سے انہیں رہا کیا جا سکے۔"

سبھی نے متفقہ رائے دی "ان میں برات کا کوئی پہلو کہیں بھی موجود نہیں۔ امیر المومنین جس احتیاط پسندی کا مظاہرہ فرما رہے ہیں وہ قابلِ داد ہے۔ ورنہ اس ملعون نے اپنی بچت کی کوئی راہ نہیں

محمد بن شلغمانی

Marfat.com

چھوڑی۔"

خلیفہ نے فرمان جاری کیا "شلغمانی کے ماننے والوں کی ایک فہرست تیار کی جائے اور ان کے سامنے اسلام پیش کیا جائے ورنہ ان سب پر اس سزا کا اطلاق ہو جو مرتد سے متعلق ہے۔ یہ لوگ اسلام سے پھر چکے ہیں اس لیے انہیں قتل کر دینا چاہیے۔"

دوسرا فرمان حاکمِ رقہ کو جاری کیا گیا۔ اس میں تاکید کی گئی تھی کہ اگر ابھی تک حسن بن قاسم کو گرفتار نہ کیا گیا ہو تو اُس کو فوراً گرفتار کر لیا جائے کیونکہ جو مقدمہ شلغمانی اور ابنِ ابی عون پر چل رہا ہے ان دونوں کا تیسرا اہم ساتھی حسن بن قاسم کو یقین کر لیا گیا ہے۔ عدالتِ خلافت سے جو فیصلہ صادر ہو گا اس کا اطلاق حسن بن قاسم پر بھی ہو گا۔ فیصلے کا انتظار کیا جائے۔

رقہ کا حاکم حسن بن قاسم کو پہلے ہی گرفتار کر چکا تھا۔ مقدمے کی کارروائی میں ہفتوں لگ گئے۔ شلغمانی اور ابنِ ابی عون کو ہر روز نہیں بلایا جاتا تھا کیوں کہ ان سے جو سوالات کرنے تھے ان کے جوابات خطوط' رسائل اور کتابوں میں پہلے سے ہی موجود تھے۔

آخر ایک دن شلغمانی اور ابنِ ابی عون کو دربار میں طلب کر لیا گیا۔

خلیفہ الراضی باللہ کی طرف سے قاضی القضاۃ کھڑا ہوا اور ان دونوں سے کہا "تم دونوں کا کفر ثابت ہو چکا ہے۔ تو نے اے شلغمانی! ایک نیا مذہب' ایک نیا آئین پیدا کر دیا جس کی رو سے تو خود خدا بن بیٹھا اور پوری کائنات تیری مخلوق ہو گئی' تو نے اس عہد میں وہی کام کیا ہے جو ماضی میں نمرود' فرعون' ہامان اور شداد انجام دیتے رہے ہیں۔ تو نے اللہ کی مخلوق کو گمراہ کیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایسی گستاخیاں کی ہیں جو ناقابل معافی ہیں۔ تو نے براہ راست اسلام کی بنیادوں پر ضرب لگائی ہے اور تو نے ایک ایسا فتنہ چھوڑا ہے جو لاکھوں انسانوں کی ہلاکت کا سبب بن سکتا ہے۔ ہم نے انسانی جانوں کے احترام کے پیشِ نظر بہت غور کیا کہ کیا کوئی ایسی سبیل پیدا کی جا سکتی ہے جس سے تمہیں بری کر دیا جائے لیکن انتہائی چھان بین اور تحقیق کے باوجود رعایت کا کوئی پہلو نہیں نکالا جا سکا۔ تو نے اسلام کی جڑ پر ایسا وار کیا ہے کہ اگر تو کامیاب ہو جاتا تو تیرے پیروؤں اور مسلمانوں میں جنگ و جدال کا ایسا سلسلہ چل پڑتا کہ لاکھوں انسان مارے جاتے اور یہ فتنہ ختم نہ ہوتا۔ تو مفسد ہے' تو بدترین کافر ہے' تو نام نہاد خدا ہے' یہ الزامات ہیں جو تحقیق اور تفتیش کے بعد انتہائی محتاط طریقے سے تجھ پر عائد اور ثابت ہو چکے ہیں۔ اگر تو اپنی بے گناہی میں کچھ کہنا چاہتا ہے تو کہہ' حکومت اسے سنے گی اور اس پر غور کرے گی۔"

محمد بن شلغمانی

Marfat.com

شلغمانی نے جواب دیا "مجھ سے منسوب کتابیں جعلی ہیں۔ یہ میرے دشمنوں نے میرے نام سے لکھی ہیں۔"

قاضی نے پوچھا "اور ان خطوط کے بارے میں کیا خیال ہے جو تیرے ہزاروں پرستاروں نے لکھے ہیں اور ان سب میں تجھے خدا' اللہ' رازق اور الرحیم الرحمٰن لکھ کے مخاطب کیا گیا ہے۔"

شلغمانی نے جواب دیا "وہ خطوط میرے نہیں ہیں بلکہ میرے نام لکھے گئے ہیں اور ان کی ذمے داری مجھ پر عائد نہیں ہوتی۔"

قاضی نے کہا "تو نے ان خطوط کے جوابات دیے ہیں جن سے یہ ثابت ہوا کہ تو خود کو وہی کچھ سمجھتا ہے جو تیرے پرستار سمجھ رہے تھے۔ تو نے اپنے پرستاروں کو منع کیوں نہیں کیا' تنبیہہ کیوں نہیں کی اور حکومت کو اس فتنہ عظیم کی خبر کیوں نہیں دی؟"

شلغمانی نے اعتراف کیا "ہاں یہ میری کوتاہی تھی۔ میں اپنی کوتاہی کا اعتراف کرتا ہوں۔"

قاضی نے کہا "جس بات کو تو اپنی غلطی کا اعتراف کہہ رہا ہے وہ دراصل اپنی خدائی کا اقرار ہے۔ تیرے پرستار تجھ کو اللہ' رازق' خالق اور الرحمٰن الرحیم اس لیے لکھتے تھے کہ تو نے انہیں اپنے بارے میں یہی بتا رکھا تھا۔ تجھ پر تیرا جرم ثابت ہو چکا ہے۔ اس مقدمے کا فیصلہ امیرالمومنین خود سنائیں گے۔"

خلیفہ الراضی باللہ اس مقدمے کا فیصلہ لکھ چکا تھا۔ اس نے فیصلے میں لکھ دیا تھا "شلغمانی' ملحد بھی ہے اور مشرک بھی کیوں کہ اس نے اسلام سے انحراف کیا اور خدا کی خدائی میں خود شریک بن بیٹھا۔ ابنِ ابی عون بھی اس کا برابر کا شریک ہے۔ حسن بن قاسم بھی ان دونوں کا شریک غالب ہے۔ اس لیے ان تینوں کو مصلوب کر دیا جائے اور ان کی لاشوں کو جلا کر ان کی راکھ دجلہ میں بہا دی جائے۔ ان کے مریدوں کو ڈھونڈ' ڈھونڈ کر اس طرح مارا کاٹا جائے جس طرح دہقان اپنی فصل کاٹتا ہے اور یہ سب کچھ شارع عام پر ہونا چاہیے تاکہ لوگ دیکھیں اور عبرت پکڑیں۔

ابنِ ابی عون نے ابنِ عبدوس کا نام لیا اور کہا "ابنِ عبدوس بھی ہمارا ساتھی ہے۔ اسے بھی یہی سزا دی جائے اسی طرح بسطام اور اس کے دونوں بیٹے بھی ہمارے دین میں شامل ہو چکے ہیں' انہیں بھی یہی سزا ملنی چاہیے۔"

خلیفہ نے جواب دیا "ابنِ عبدوس نے اس سے انکار کیا ہے اور اس نے شلغمانی کے رخساروں پر طمانچے بھی رسید کیے ہیں اس لیے اسے بری کر دیا گیا۔ رہ گئے بسطام اور اس کے دونوں بیٹے تو ان کا کفر

Marfat.com

ابھی تک ثابت نہیں ہو سکا۔ ان کے خطوط بھی کہیں سے نہیں مل سکے۔ اس لیے انہیں نظرانداز کر دیا گیا۔"

حاکم رقہ کو اس فیصلے سے آگاہ کر دیا گیا اور لکھ دیا گیا کہ ۲ ذی القعد ۳۲۲ ہجری بروز سہ شنبہ حسن بن قاسم کو مصلوب کر دیا جائے کیوں کہ یہی تاریخ شلغمانی اور ابنِ ابی عون کے لیے بھی مقرر کی گئی ہے۔

۲ ذی القعد ۳۲۲ ہجری منگل کے دن دونوں کو قید خانے سے نکال کر دریائے دجلہ کے کنارے لے جایا گیا۔ وہاں دو صلیبیں ایک دن پہلے سے کھڑی کر دی گئی تھیں۔ لوگ فجر سے پہلے ہی وہاں پہنچ گئے تھے۔ وہیں فجر کی نماز ادا کی گئی پھر ہزاروں بغدادیوں کی موجودگی میں دونوں کو صلیب پر چڑھا دیا گیا۔ اسی روز رقہ میں حسن بن قاسم کو مصلوب کیا گیا۔

دونوں کی لاشوں کو جلا کر ان کی راکھ دجلہ میں بہا دی گئی اور حسن بن قاسم کی لاش کو جلا کر اس کی راکھ مقامی ندی میں پھینک دی گئی۔ ان کے پیروؤں کا قتل عام ہوا اور تھوڑے سے عرصے میں اس فتنے کو نیست و نابود کر دیا گیا۔ آج ان کے حالات اور واقعات نہایت جستجو اور تلاش و تحقیق کے بعد چند کتابوں سے مل پاتے ہیں۔

رہے نام اللہ کا

محمد بن شلغمانی

Marfat.com

سسپنس ڈائجسٹ کا مقبول و معروف سلسلہ

اب کتابی شکل میں

نبوت کے جھوٹے دعویدار

ضیا تسنیم بلگرامی کے قلم سے

قارئین کے بے حد اصرار پر 2 جلدوں میں شائع کی جارہی ہے

قیمت فی جلد
150 روپے

ڈاک خرچ فی جلد
25 روپے

حضرت آدم علیہ السلام

سے لے کر رہتی دنیا تک شیطان مردود موجود رہے گا اور حضرتِ انسان کو بہکانے اور غلط راستوں پر چلانے کا کام سرانجام دیتا رہے گا۔ جو اُس کے بہکاوے میں آئیں گے وہ دنیا اور آخرت دونوں جگہ ذلیل و خوار ہوں گے۔ ایسے ہی کچھ شیطانی فتنوں کی کہانیاں۔ جنہوں نے ہر دور اور زمانے میں اللہ کا نبی ہونے کا جھوٹا دعویٰ کیا اور اپنے ساتھ ساتھ سیکڑوں لوگوں کو ذلیل و خوار کیا۔

نبوت کے جھوٹے دعویداروں کی زندگی کے پُراز حقائق
واقعات اور ان کی بربادی کے قصے

اس کتاب کا حصہ 3 اور 4 "15" فروری 2004 کو شائع ہوگا

کتاب کی قیمت مع ڈاک خرچ بذریعہ منی آرڈر/ ڈرافٹ یا کراسڈ چیک ارسال کریں

کتابیات پبلی کیشنز

پوسٹ بکس 23
کراچی 74200

فون: 5802552-5895313 فیکس: 5802551
kitabiat1970@yahoo.com

رابطے کے لئے: C-63 فیز III ایکس ٹینشن ڈی ایچ اے مین کورنگی روڈ (اختر کالونی بس اسٹاپ کے سامنے) کراچی 75500

Marfat.com

الیاس سیتاپوری

برصغیر کے جادو اثر تاریخی کہانیوں کے مصنف

کی تمام کہانیوں کے نئے ایڈیشن شائع ہو گئے ہیں

انسانوں کی اثر انگیز کہانیوں کے مجموعے

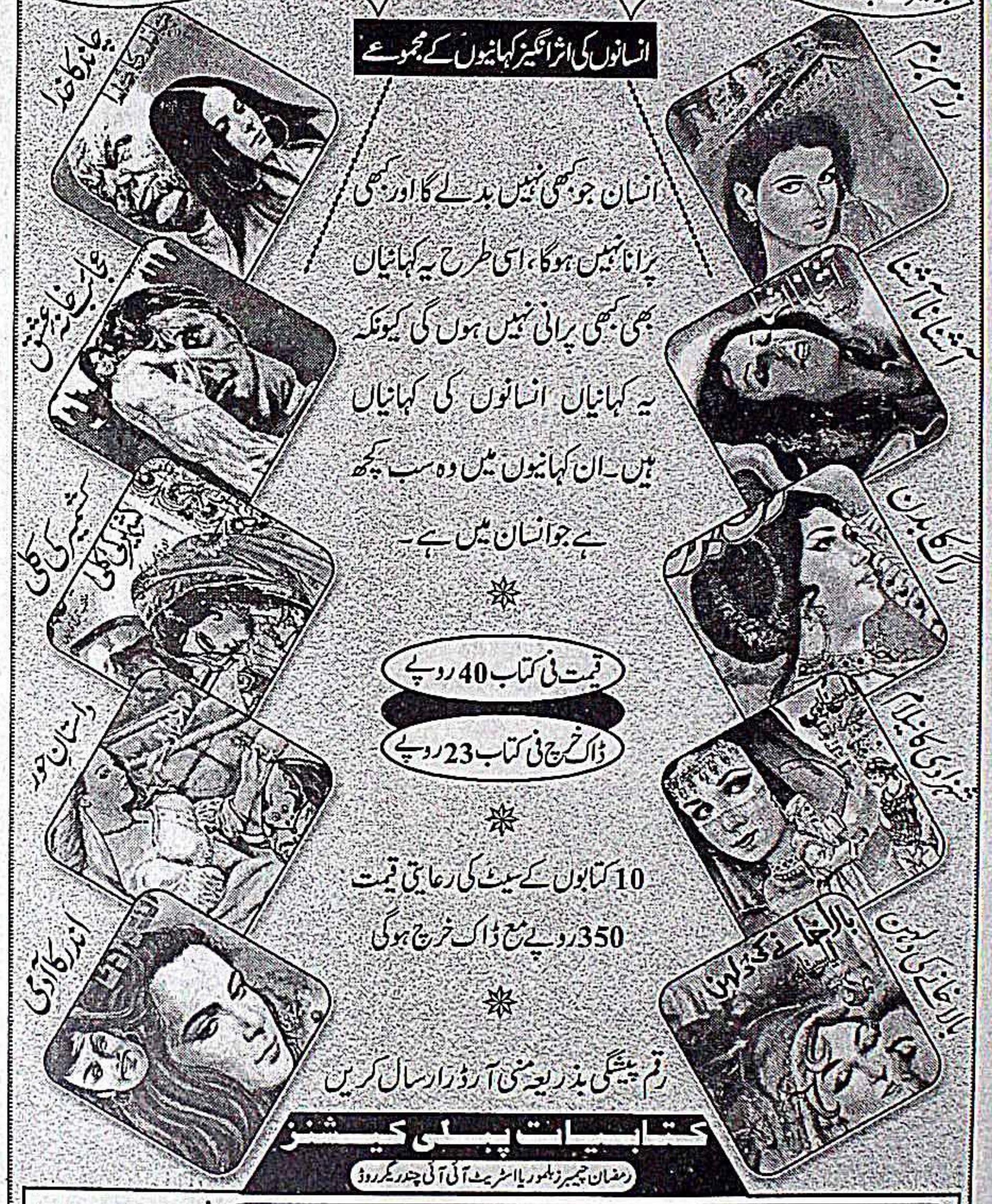

انسان جو کبھی نہیں بدلے گا اور کبھی

پرانا نہیں ہوگا، اسی طرح یہ کہانیاں

بھی کبھی پرانی نہیں ہوں گی کیونکہ

یہ کہانیاں انسانوں کی کہانیاں

ہیں۔ان کہانیوں میں وہ سب کچھ

ہے جو انسان میں ہے۔

✵

قیمت فی کتاب 40 روپے

ڈاک خرچ فی کتاب 23 روپے

✵

10 کتابوں کے سیٹ کی رعایتی قیمت

350 روپے مع ڈاک خرچ ہوگی

✵

رقم پیشگی بذریعہ منی آرڈر ارسال کریں

کتابیات پبلی کیشنز

رمضان چیمبرز ملیر ہالٹ آئی آئی چندریگر روڈ

پوسٹ بکس 23

کراچی 74200

فون: 5802552-5895313 فیکس: 5802551

Email : kitabiat1970@yahoo.com

رابطے کے لئے C-63 فیز III ایکس ٹینشن ڈی ایچ اے مین کورنگی روڈ (اختر کالونی بس اسٹاپ کے سامنے) کراچی 75500

Marfat.com

معیاری نفسیاتی و علمی کتابیں

نظر کی کمزوری اور اس کا سدباب

قیمت -/25 روپے

خوف و شرم اور اس کا سدباب

قیمت -/40 روپے

دست شناسی کے نئے رخ

قیمت -/30 روپے

تحریر اور شخصیت

قیمت -/25 روپے

مسائل اور حل

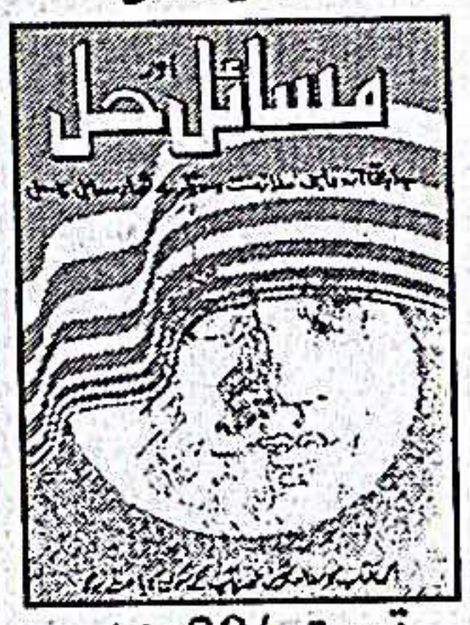

قیمت -/30 روپے

باخبری

قیمت -/25 روپے

چھ حیرت انگیز علوم

قیمت -/25 روپے

احساس کمتری

قیمت -/25 روپے

کامیابی

قیمت -/25 روپے

سگریٹ نوشی چھوڑیے

قیمت -/25 روپے

کراٹے

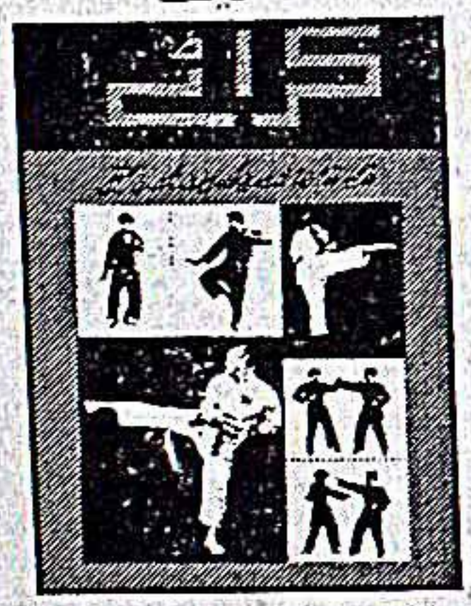

قیمت -/40 روپے

یوگا

قیمت -/ روپے

ڈاک خرچ فی کتاب -/23 روپے * کتاب کی قیمت مع ڈاک خرچ پیشگی بذریعہ منی آرڈر ارسال کریں

مکتبہ نفسیات

پوسٹ بکس 944

کراچی 74200

فون: 5802552-5895313 فیکس: 5802551

kitabiat1970@yahoo.com

رابطے کے لئے: C-63 فیز III ایکس ٹینشن ڈی ایچ اے مین کورنگی روڈ (اختر کالونی بس اسٹاپ کے سامنے) کراچی 75500

Marfat.com

نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے والوں کی زندگی کے حالات وواقعات

نبوت کے جھوٹے دعویدار

حصّہ (2)

ضیا تسنیم بلگرامی

Marfat.com